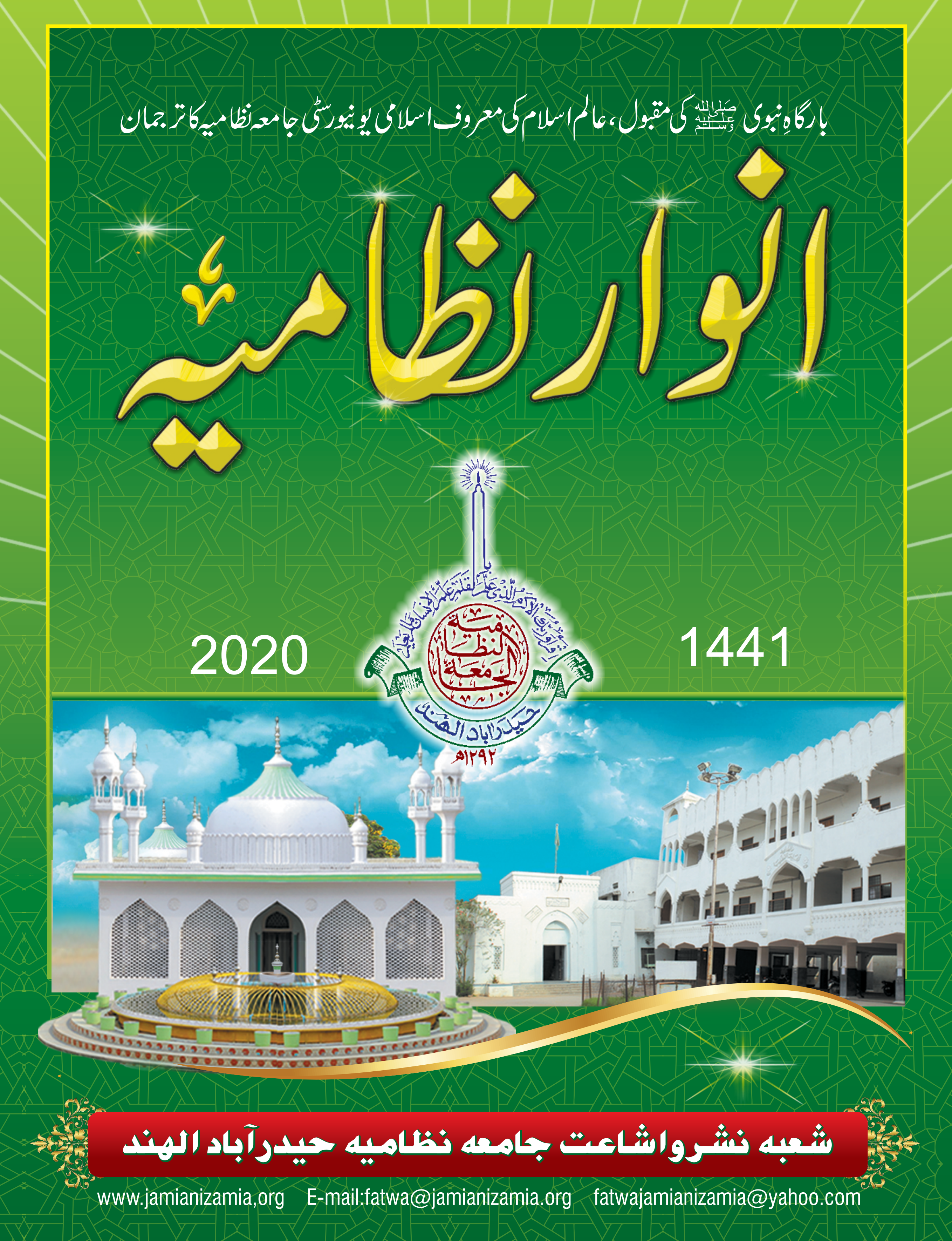


بارگاہِ نبوی ﷺ کی مقبول، عالم اسلام کی معروف اسلامی یونیورسٹی جامعہ نظامیہ کا ترجمان
انوار نظامیہ
2020
1441
الجامعۃ النظامیۃ
حیدرآباد الھند
شعبہ نشر و اشاعت جامعہ نظامیہ حیدرآباد الھند
www.jamianizamia,org E-mail:fatwa@jamianizamia.org fatwajamianizamia@yahoo.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الاسلام عارف باللہ امام محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ والرضوان کی قائم کردہ اسلامی یونیورسٹی

جامعہ نظامیہ

کا علمی، تحقیقی، ادبی اور اصلاحی سالانہ مجلّہ



شمارہ: 29　　جمادی الاولیٰ 1441ھ م جنوری 2020ء



مراسلت کا پتہ: مدیر مسئول انوار نظامیہ، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد۔ فون: 24416847

کمپیوٹر کتابت: مولوی محمد وحید الدین کمپیوٹر آپریٹر جامعہ نظامیہ　　طباعت: مطبع ابوالوفاء الافغانی جامعہ نظامیہ

مشمولات

مقالات علمی مذاکرہ

''مسلمانوں کو درپیش چیالنجس اوران کا حل''

منعقدہ 19 / جنوری بروز یکشنبہ بمقام جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

القسم العربی: النثر و الشعر

محتویات العدد

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله الطاهرين وأصحابه أجمعين. أما بعد !

احوال زمانہ کے تغیرات فطری عمل ہے‘ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ حالات کے نشیب وفراز پر نظر رکھیں اور عامۃ المسلمین کی صحیح رہنمائی کریں۔اس کا وسیلہ تحریر بھی ہے اور تقریر بھی ہے۔سالنامہ ’انوار نظامیہ‘ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے‘ اس میں اردو اور عربی زبان میں معیاری مضامین شامل کئے گئے ہیں۔پختہ کار قلمکاروں کے ساتھ صاحب ذوق طلبہ کو بھی موقعہ دیا گیا ہے تا کہ صلاحیتوں کو فروغ حاصل ہو اور ان کی حوصلہ افزائی ہو۔

حسب روایت‘ جامعہ نظامیہ میں علمی مذاکرہ منعقد ہوا‘ جس میں عصر حاضر کے سلگتے ہوئے مسائل کو موضوع بحث بنایا گیا۔مقالہ نگار علماء نے محنت اور جد و جہد کرتے ہوئے مسلمانوں کو درپیش مسائل پر روشنی ڈالی اور حل پیش کیا۔ان مقالات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ علیہ الرحمہ کے فیضان کو جاری وساری رکھے اور جامعہ نظامیہ کو تا دور شمس وقمر سرچشمۂ علم وحکمت بنائے رکھے۔

مدیر مسئول

(حضرت مولانا) مفتی خلیل احمد (صاحب)

شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ

جامعہ نظامیہ کے شب و روز

ادارہ

”ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا“

جامعہ نظامیہ اپنی تاسیس کے 150 سال کی طرف رواں دواں

”مسلمانوں کو درپیش چیالنجس اور ان کا حل“

(جامعہ نظامیہ میں علمی مذاکرہ)

تعلیمی رپورٹ بابت 1440ھ م 2019ء

جامعہ نظامیہ کے زیر اہتمام ملک میں پہلی مرتبہ قراءات عشرہ کے رموز کے ساتھ

قرآن مجید کی اشاعت

جامعہ نظامیہ کی خدمات کو مشاہیر امت نے سراہا

پیر سید منصور الدین خالد الگیلانی، علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی اور دیگر کا دورہ



تعلیمی رپورٹ جامعہ نظامیہ

بابتہ ماہ شعبان 1440ھ مطابق ماہ اپریل 2019ء جامعہ نظامیہ

شرکاء امتحان کی جملہ تعداد 7397

الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی أشرف الأ نبیاء والمرسلین وعلی الہ الطیبین الطاھرین وأصحابہ الاکرمین أجمعین وعلیٰ من احبھم وتبعھم باحسان الٰی یوم الدین ۔

امابعد!

صدر اجلاس، ارباب حل وعقد، شیوخ واساتذہ معظم، مہمانان مکرم مشائخ محتشم!

سرزمین ہندوستان میں جامعہ نظامیہ مرکز علم وعرفان' اسلام کی چودہ سو سالہ تعلیمی روایات کا امین' سوادِ اعظم مذہبِ حق اہلِ سنت و جماعت کا حقیقی ترجمان، قرآنی تعلیمات اور نبوی احکامات وفقہِ اسلامی کا گہوارہ ہے، بلاکسی تحفظات وطبقات اِعلائے کلمۃ الحق اور فروغِ علمِ حق کی خاطر' دل دردمند اور فکرِ ارجمند کے ساتھ سید العلماء والمشائخ عارف باللہ' معارف دستگاہ، شیخ الاسلام حضرۃ العلام الشاہ ابوالبرکات حافظ محمد انوار اللہ الفاروقی چشتی قادری رفاعی المخاطب خان بہادر الملقب بہ فضیلت جنگ صدر الصدور نور اللہ مرقدہٗ طیّب اللہ ثراہ' وجعل الجنۃ مثواہٗ متعنا اللہ بفیوضہ الروحانیہ والعلمیہ نے باشارۂ رسالت پناہ علیہ التحیۃ والثناء سنہ ۱۲۹۲ ہجری مطابق 1874 عیسوی جامعہ نظامیہ کا بہ دعائے دوام' بطریق تقوی وتوکلِ خیر الانام قیام عمل میں لایا، الحمدللہ مقامِ صد شکر وامتنان ہے کہ

ہزار ہا وابستگان و مہمانانِ رسول کے درمیان اس گلستانِ علم وعرفان کی (149) ویں بہار مَشامِ جان وایمان کو مُشکبار کررہی ہے۔

مدرسہ نظامیہ بغداد کی ہم نام اور فیوض واثرات کی مظہر ٔعہدِ آصف جاہی کی یادگار اس دانش گاہ کو حضور پُرنور ٔشافع یوم النشور ٔصلوات اللہ وسلامہ علیہ کے دربار گُہر بار میں حمایت وقبولیت کا درجہ حاصل ہے، جس کی تصدیق وتوثیق سنہ 1321 ہجری میں قطبِ زماں حضرت شرف الدین ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کو عالم رویاء میں شرفِ مشاہدۂ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے طلبہ جامعہ نظامیہ میں تقسیم کردہ اسنادات پر نورانی دستخط سے مزین فرمانے کی غرض سے طلب فرمانے والے ایمان افروز واقعہ سے ہوتی ہے جس کا تذکرہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ العزیز نے بھی اپنی تصنیف لطیف ''مقاصد الاسلام'' میں فرمایا ہے، یہ نوید مسرت گویا دامن رحمۃ للعالمینی کا استعارہ ہے جس کی وسعت میں نہ صرف طلبہ بلکہ انتظامیہ، اساتذہ، ہمدردان، محبان وجمیع وابستگانِ جامعہ نظامیہ شامل ہیں، اسی مقبولیت کے نتیجے میں جامعہ نظامیہ کے علمی وقلمی فیضان کے اثرات آج عرب وعجم اور بحروبر کی وسعتوں میں پھیل چکے ہیں۔ یہ ابرِ کرم اُٹھے گا ہر بُوئے رواں پہ برسے گا۔

حاضرین باتمکین!

الحمدللہ جامعہ نظامیہ کو قائم ہوئے (۱۴۹) سال ہوئے مورخہ ۹ رشوال المکرّم ۱۴۴۰ھ م ۱۳ رجون ۲۰۱۹ء روز شنبہ کو نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا۔ اس سال (۷۶۲) جدید طلبہ کو داخلہ دیا گیا۔ دارالاقامہ میں (۷۰۰) طلبہ کے لئے مفت قیام وطعام کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ مابقی طلبہ بیرونی حیثیت سے تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ اس طرح کل تعداد (۱۱۰۴) رہی۔ سال حال زیر تعلیم کلیۃ البنات کے طالبات کی جملہ تعداد (۵۵۰) ہے اس طرح کل تعداد (۱,۶۵۴) رہی

امتحاناتِ سالانہ منعقدہ ماہ شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ مطابق ماہ اپریل ۲۰۱۹ء میں جملہ (۷،۳۹۷) طلبہ شریک ہوئے جنکی تفصیل یہ ہے

۱۔ سال آخر سندی درجات میں شرکاء امتحان کی جملہ تعداد (۷۳۸) رہی اور کامیاب (۴۵۶) نتیجۂ کامیابی ۶۸٪ فیصد رہا۔ جن میں مولوی (۳۴۵) عالم (۲۱۹) فاضل (۱۲۱) کامل التفسیر (۳) کامل الحدیث (۴۶) کامل الفقہ (۳) کامل التاریخ (۱)

۲۔ مولوی تا کامل سال اول غیر سندی درجات میں شریک امیدواروں کی تعداد (۱۲۲۷) رہی جن میں کامیاب امیدواروں کو سال آخر سندی درجات میں شرکت کا اہل قرار دیا گیا۔ کامیاب طلبہ کی تعداد (۶۳۴) رہی اور نتیجہ کامیابی ۵۸٪ فیصد رہا۔

۳﴿ تحتانی، وسطانی، ابلخدمات شرعیہ وحفاظ درجات میں شریک امیدواوں کی تعداد (۵۱۴) رہی جن میں (۴۲۵) طلبہ نے کامیابی حاصل کی۔ کامیاب طلبہ کو آگے کی جماعت میں شرکت کا اہل قرار دیا جاکر ترقی دی گئی اور نتیجۂ کامیابی ۹۷٪ فیصد رہا۔

نیز جامعہ کے ملحقہ مدارس دارالعلوم عربیہ کاورم پیٹ، دارالعلوم النعمانیہ شاہ علی بنڈہ، انوارالعلوم الحبیبیہ عثمان باغ، مدرسہ عربیہ انوارالعلوم بھوانی نگر، مدرسہ انوارالعلوم لطیفیہ امان نگر (B)، دارالعلوم البرکاتیہ چندرائن گٹہ، مدرسہ انوار عثمان عنبر پیٹ،، دارالعلوم سیف الاسلام مسجد تیغ جنگ خلوت، جامعہ انوارالعلوم ابوالحسنات تاڑبن مدرسہ انوارالعلوم کریم نگر، مدرسہ عربیہ سراج العلوم رائچور، سے شعبہ وسطانی میں جملہ (۷۹) طلبہ شریک رہے اور مختلف درجوں سے کامیابی حاصل کی۔

۴﴿ جامعہ کے شعبہ ''تحفیظ القرآن الکریم'' سے (۱۲) طلبہ اور بشمول ملحقہ مدارس (۳۴۸) طلبہ نے حفظ قرآن مجید کی تکمیل کی۔

نیز جامعہ کے ملحقہ مدارس، مدرسہ محمدیہ تعلیم الاسلام بنڈلہ گوڑہ حیدرآباد، مدرسہ عربیہ انوارالعلوم بھوانی نگر، مدرسہ حفاظ محمودیہ کشن باغ حیدرآباد، مدرسہ فیض القرآن موسیٰ باولی حیدرآباد، مدرسہ حسنات الانوار جامع مسجد اعظم پورہ، مدرسہ انوارالعلوم الحبیبیہ عثمان باغ، باب العلم انوار محمدی پولیس کالونی بہادرپورہ، دارالعلوم محبوبیہ میر عالم تالاب نئی روڈ حسن نگر حیدرآباد، مدرسہ نور الانوار کالا پتھر حیدرآباد، مدرسہ انوار الحسنات اپی ریڈی نگر نواب صاحب کنٹہ حیدرآباد، دارالعلم الشافعیہ ایرہ کنٹہ حیدرآباد، مدرسہ انوارالقرآن تیگل کنٹہ حیدرآباد، مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم جامع مسجد بی.ایچ.ای.ایل رامچند راپورم، مدرسہ الجامعۃ القادریہ بہادر پورہ حیدرآباد، مدرسہ دارالعلوم البرکاتیہ نرخی پھول باغ حیدرآباد، جامعہ انوارالقرآن حکیم پیٹ ٹولی چوکی حیدرآباد، مدرسۃ العطیۃ للبنات، بھوانی نگر حیدرآباد، مدرسہ عربیہ ذوالنورین بھوانی نگر حیدرآباد، مدرسہ انوارالعلوم الحسنات تاڑبن حیدرآباد، دارالعلوم اسلامیہ نصریہ دبیر پورہ حیدرآباد، مدرسہ امام انوار اللہ دبیر پورہ، مدرسہ رحمت العلوم گولکنڈہ، مدرسہ حفاظ سیدنا ابوبکر صدیق، جامعہ حنفیہ جلال بابا نگر، مدرسہ عزیزیہ سعید آباد، مدرسہ شاہ جیلاں حافظ بابا نگر مدرسیہ فیض نظامیہ، مدرسہ دارالعلوم قادریہ حیدرآباد، مدرسہ انوارالحبیب کشن باغ، معہد برکات العلوم عیدی بازار، انوارالاسلام حیدرآباد، مدرسہ مشکوۃ العلوم عیدی بازار، انوارالعلوم محبوبیہ میر عالم ٹنک، مدرسہ جمالیہ تعلیم القرآن، اسلامیہ جمیل العلوم فتح شاہ نگر، منھاج القرآن ماڈل ہائی اسکول، اسلامیہ فتح العلوم نشیمن نگر، انوارالصالحات حیدرآباد، عربیہ ارشادالعلوم یم یم پہاڑی شریف، مدرسہ انوارالحسنات مارکیٹ روڈ محبوبنگر، مدرسہ دارالعلوم صوفیہ محبوب نگر، مدرسہ عربیہ معراج العلوم محبوب نگر، مدرسہ دارالعلوم الحرمین محبوب نگر، مدرسہ فضل العلوم ناگرکرنول، دارالعلوم اشرفیہ کولم پلی، مدرسہ مصباح العلوم عالیہ کمالیہ مصباح کالونی اورنگ آباد، دارالعلوم نہری اورنگ آباد، دارالعلوم قادریہ تعلقہ کنگاوتی ضلع کپل کرناٹک، مدرسہ عربیہ

سراج العلوم رائچور کرناٹک، مدرسہ انوار العلوم کریم نگر، دارالعلوم عربیہ کاورم پیٹ جڑچرلہ، ضلع محبوب نگر، مدرسہ انوارالحسنات للبنات محبوب نگر، دارالعلوم انواریہ للبنات جڑچرلہ، ضلع محبوب نگر، جامعۃ روضۃ البنات بیدر، مدرسہ مدینۃ العلوم تانڈور، جامعہ ہاشمیہ بیدر، مدینۃ العلوم تجوید القرآن محبوب نگر، کنز العلوم انواریہ ناگر کرنول، عارف العلوم وقارآباد، عربیہ ضیاء القرآن محبوبنگر، دارعربیہ للبنات محبوبنگر، جامعہ یعقوبیہ وجے واڑا دارالعلوم صوفیہ محبوبنگر، ودیگر ملحقہ مدارس سے تکمیل حفظ القرآن الکریم میں جملہ (۳۴۸) طلبہ شریک رہے جن میں (۲۷۲) طلبہ نے تکمیل حفظ میں مختلف درجوں سے کامیابی حاصل کی جن میں (۶۴) طالبات بھی شامل ہیں۔

۵﴾ امتحانات قراءات سبعہ وعشرہ وقرأت سیدنا امام عاصم کوفیؒ کے شرکاءامتحان کی تعداد (۲,۵۱۹) رہی جن میں ذکور کی تعداد (۱۱۴۲) اناث کی تعداد (۱۳۷۷) ہے۔امتحانات قرأت میں جملہ (۱,۹۷۷) امیدواروں نے مختلف درجوں سے کامیابی حاصل کی اور نتیجۂ کامیابی ٪۸۵ فیصد رہا۔

۶﴾ ''امتحانات نصاب اہل خدمات شرعیہ'' ان امتحانات میں شریک امیدواروں کی تعداد (۱,۵۸۸) رہی جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نام امتحان	تعداد شرکاءامتحان	کامیاب شدگان
نائب قضاءت	۲۶۵	۲۰۵
خطابت	۲۱۱	۱۸۸
امامت	۶۹۲	۵۲۰
مؤذنی	۱۷۵	۱۳۱
ملاّ	۲۴۵	۲۰۴
جملہ شرکاءامتحان	۱۵۸۸	۱۲۴۸

اور نتیجہ ءکامیابی ٪۸۶ فیصد رہا۔

الحمدللہ اس سال جدہ (سعودی عربیہ) میں بھی شعبہ ''امامت'' اور ''قرأت عاصم کوفیؒ'' کا سنٹر قائم کیا گیا۔

ہر سال کی طرح امسال بھی قرأت سیدنا امام عاصم کوفیؒ اور نصاب اہل خدمات شرعیہ کے امتحانی مراکز شہر کے علاوہ اضلاع وتعلقہ جات، کاورم پیٹ، جڑچرلہ، محبوبنگر، کولم پلی، یمگنور، کرنول، کاماریڈی، نارائن پیٹھ، کریم نگر، اچھم پیٹھ،، وجے واڑا، رائچور، گلبرگہ شریف،

بنگلور، کپل، بیدرشریف، گنگاوتی، ناندیڑ، پربھنی، اورنگ آباد، بیجاپور، ہنے گاؤں، نلدرک، بیملی، پونے، کڈپہ، نظام آباد، رتنا گری مہاراشٹرا، وغیرہ میں قائم کئے گئے۔

۷؎ ''ڈپلوما ان عربک'' یہ امتحان عربی زبان سیکھنے کے خواہشمند اصحاب کیلئے مقرر کیا گیا تاکہ عوام میں عربی زبان اور قرآن فہمی کا شوق پیدا ہو۔

سال حال اس امتحان میں (۳۸۴) طلبہ وطالبات شریک رہے جن میں (۳۲۵) امیدواروں نے کامیابی حاصل کی اورنتیجۂ کامیابی ۹۰٪ فیصد رہا۔

۸؎ ''**كلية البنات** جامعہ نظامیہ''

کلیۃ البنات جامعہ نظامیہ واقع قاضی پورہ میں سال گذشتہ شریک امتحان طالبات کی تعداد (۱۰۵۲) رہی جن میں (۷۱۱) طالبات نے کامیابی حاصل کی، کامیاب طالبات کو آگے کی جماعتوں میں ترقی دی گئی۔ اورنتیجۂ کامیابی ۹۷٪ فیصد رہا۔

مولوی (۴۷۱) عالم (۲۰۱) فاضل (۸۳) کامل التفسیر (۱) کامل الحدیث (۷) کامل الفقہ (۳)

ڈپلوما ان عربک (۶۰) قرأت امام عاصم کوفیؒ (۱۱۰) اہل خدمات شرعیہ (۱۱۶)

سال حال زیر تعلیم طالبات کی تعداد (۵۵۰) ہے۔ مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں شرکاء امتحاناتِ سالانہ منعقدہ ماہ اپریل ۲۰۱۹ء کی جملہ تعداد (۷،۳۹۷) رہی جن میں کامیاب طلبہ کی تعداد (۵،۴۱۶) رہی اورنتیجۂ کامیابی ۷۳٪ فیصد رہا۔

سندی درجات مولوی تا کامل میں جملہ (۴۶۲) امیدوار اور حفظ قرآن مجید میں جملہ (۲۷۲) طلبہ وطالبات فراغت حاصل کئے ہیں جن میں حسب روایت قدیم (۹۹) فاضلین جامعہ اور (۲۷۲) حفاظ کو دستار فضیلت وخلعت حفظ شیوخ کرام جامعہ نظامیہ کے دست مبارک سے عطاء کئے جائیں گے اور مولوی تا کامل میں جملہ (۴۶۲) طلبہ وطالبات کو اسناد عطاء کئے جائیں گے۔

گولڈ میڈلس

جامعہ نظامیہ کے امتیازی درجہ سے کامیاب طلبہ وطالبات کو گولڈ میڈلس دیئے جاتے ہیں۔الحمدللہ سال حال حسب ذیل اصحاب کی جانب سے گیارہ (۱۱) گولڈ میڈلس دیئے جارہے ہیں۔

سلسلہ	نام امیدوار	جماعت	منجانب	گولڈ میڈل
1	محمد عمران عثمانی بن عبدالہادی عثمانی	کامل الحدیث	محترم محمد مصلح الدین جاوید صاحب بتوسط بزم طلباء قدیم ومحبان جامعہ (جدہ)	حضرت شیخ الاسلام حافظ محمد انوار اللہ فاروقی قدس سرہ بانی جامعہ نظامیہ
2	محمد عامر الدین غوری بن محمد ولی الدین غوری	کامل الحدیث	www.mdkhajasharif.com	مولانا محمد خواجہ شریفؒ شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ
3	طالب بن علیان بن علیان بن غفور	کامل الحدیث	شاگر دِرشید	مولانا غلام احمد صاحبؒ سابق شیخ المعقولات
4	عفیفہ شبنم بنت محمد شاہین	فاضل سوم	خانقاہ روضۃ الاصفیاء شاہ ولی اللّٰہیؒ، سکندرآباد	حضرت شاہ عبدالقادر صوفی محدث سکندرآبادؒ
5	سید محمد مصباح الدین عمیر بن سید ضیاء الدین صاحب	فاضل سوم	خانقاہ روضۃ الاصفیاء شاہ ولی اللّٰہیؒ، سکندرآباد	حضرت شاہ ولی اللہ صوفی محدث دہلویؒ
6	سید محمد اسعد پاشاہ بن سید محمد اعظم پاشاہ	فاضل سوم	الحاج فرید احمد خان وارثی نظامی، سجادہ نشین درگاہ خاکی شاہ وارثیؒ	حضرت سیدنا وارث علی شاہؒ
7	محمدی بیگم بنت سید غوث	فاضل سوم	الحاج فرید احمد خان وارثی نظامی، سجادہ نشین درگاہ خاکی شاہ وارثیؒ	حضرت غوث علی شاہ وارثیؒ
8	نصرت النساء بن محمد عبدالغنی	فاضل سوم	منجانب: محترم سراج محمد خان صاحب (صدر الحراء ایجوکیشنل سوسائٹی)	محترم سرتاج محمد خان صاحب مرحوم
9	رقیہ فاطمہ بنت محمد جہانگیر	فاضل سوم	انتظامی کمیٹی درگاہ حضرت خواجہ محبوب اللہ شاہؒ	حضرت خواجہ محبوب اللہ شاہؒ
10	محمد فرحان بن برکت سلام اللہ	عالم دوم	خانقاہ روضۃ الاصفیاء شاہ ولی اللّٰہیؒ، سکندرآباد	حضرت شاہ عبدالعزیز صوفی محدث دہلویؒ
11	جی نثار احمد بن جی عبدالکریم	قراءت عشرہ	مولوی سید خلیل احمد قادری صاحب، معلم ریاضی جامعہ نظامیہ	نواب احمد یار جنگؒ

علاوہ ازیں امتیازی درجہ سے کامیاب شدہ طلبہ وطالبات کو انعام تعلیمی و گولڈ میڈلس اور انعامات تقریری بدست مہمانان خصوصی عطا کئے جائیں گے۔



حضرت مولانا مفتی محمد عظیم الدین صاحب

صدر مفتی جامعہ نظامیہ

فتاوی مجلّہ نظامیہ ۲۹؍جمادی الاولی ۱۴۴۱ھ۔۲۵؍جنوری ۲۰۲۰ء ہفتہ

الإستفتـــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکروں یا دوسرے جانوروں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے بجلی کے مشین کا بٹن دبا دیا جائے اور ایک وقت میں سارے جانوروں کے سر کٹ جائیں تو مسلمان ایسے جانوروں کا گوشت کھا سکتے ہیں یا نہیں ؟ بینوا تؤجروا.

الإفتـــــاء

شرعًا جانور ذبح کرنیوالے کا مسلمان یا اہل کتاب ہونا اور اللہ کے نام سے ذبح کرنا شرط ہے۔فتاوی عالمگیری جلد۵ کتاب الذبائح میں ہے: **وأما شرائط الذکاة فانواع و منها أن یکون مسلما أو کتابیا ...... و منها التسمیة حالة الذکاة** ۔یہود ونصاری اگر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں تو ان کا ذبیحہ حلال ہے اور اگر یہ معلوم ہوجائے کہ غیر خدا کے نام سے یا مسیح علیہ السلام کے نام سے کاٹے ہیں تو ایسے جانور کا گوشت کھانا مسلمان کیلئے حرام ہے۔فتاوی عالمگیری جلد۵ صفحہ۳۱۷ میں ہے: **انما تؤکل ذبیحة الکتابی اذا لم یشهد ذبحه ولم یسمع منه شیء أو شهد و سمع منه تسمیة اللّٰہ تعالیٰ وحده لأنه اذا لم یسمع منه شیئا یحمل علی أنه قد سمی اللّٰہ تعالیٰ تحسینا للظن به کما بالمسلم ، ولو سمع منه ذکر اسم اللّٰہ تعالیٰ لکنه عنی باللّٰہ وعزوجل المسیح علیه السلام قالوا تؤکل الا اذا نص فقال بسم اللّٰہ الذی هو ثالث ثلاثة فلا یحل، فأما اذا سمع منه سمی المسیح علیه السلام وحده أو سمی اللّٰہ سبحانه وسمی المسیح لاتؤکل ذبیحته۔**

اگر جانور کو حلقوم کیطرف سے ایسا ذبح کریں کہ گردن جسم سے علحدہ ہوجائے تو یہ فعل مکروہ ہے اور جانور حلال ہے اور اگر اوپری حصہ سے ایسا

عمل کیا جائے تو حلقوم مری اور شہ رگ کٹنے سے قبل جانور مر جاتا ہے، اسلئے وہ مردار ہو جائے گا۔: **ولو ضرب عنق جزور أو بقرة أو شاة و أبانها وسمى فان كان ضربها من قبل الحلقوم تؤكل وقد أساء، فان ضرب على التأتي وا لتوقف لا تؤكل لأنها ماتت قبل الذكاة فكانت ميتة۔** فتاوی عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۳۱۹

لہذا صورت مسئول عنہا میں برقی مشین سے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت مسلمان کیلئے حرام ہے۔ **فقط واللہ أعلم.**

شرح دستخط محمد عظیم الدین غفرلہ

مفتی جامعہ نظامیہ

صح الجواب اصاب المجیب (مشین کے ذریعہ سے جو بھی جانور ذبح کیا جائیگا اس کا گوشت کھانا مسلمانوں کیلئے بالکل حرام اور ناجائز ہے۔)

شرح دستخط سید طاہر شرح دستخط غلام احمد فصح الجواب شرح دستخط منیر الدین شیخ الحدیث، خطیب مکہ مسجد حیدرآباد

الاستفتـــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ویسٹیج مارکیٹنگ پرائیوٹ لیمیٹیڈ ایک ایسی کمپنی ہے، جو گھریلو استعمال کی اشیاء بناتی ہے اور اپنے سارے کاروبار میں کسی ریٹیلر ہول سیلر کسی فلمی اداکار کی تشہیر کے بغیر کاروبار کرتی ہے اور اپنا سارا منافع عام لوگوں میں تقسیم کرتی ہے۔ یہ ایک موقع دیتی ہے سارے لوگوں کو کاروبار کرنے کا اور کسی قسم کا سرمایہ طلب نہیں کرتی۔ اسکے کاروبار کا طریقہ کچھ اسطرح ہے:

اگر زید کمپنی سے سامان خریدتا ہے تو اسکو ڈسکاؤنٹ پر دیا جاتا ہے۔ اگر یہ کمپنی کے ساتھ کاروبار کرے اور خالد کو یہاں سے سامان دلائے تو خالد کو بھی ڈسکاؤنٹ دیا جاتا ہے اور زید کو کمپنی اپنے منافع میں سے کچھ حصہ دے گی۔

کمپنی اپنے منافع کو کچھ اسطرح تقسیم کرتی ہے

۴۰ ر فیصد کمپنی خود رکھتی ہے، جسمیں سارے اخراجات وغیرہ برداشت کرتی ہے۔

۲۰ ر فیصد سارے گاہکوں، صارفین کو ڈسکاؤنٹ دیتی ہے (کئی قسم کے)

۴۰ ر فیصد میں سے ان سارے لوگوں کو تقسیم کرتی ہے، جسکی وجہ سے کمپنی کو بہت زیادہ کاروبار ہوا۔ پرفارمنس بونس، ٹراویل فنڈ، گھر کا فنڈ اور لیڈرشپ بونس کی شکل میں۔ اس کے ذریعہ ہر شخص اپنا کاروبار کرسکتا ہے، بغیر کسی پیشگی رقم کے۔

ایسی صورت میں شرعًا کیا حکم ہے ؟ بينوا تؤجروا.

الافتـــــــــاء

بشرطِ صحتِ سوال صورتِ مسئول عنہا میں خریدار اپنی ضروری اشیاء کمپنی سے خریدنے میں اسکو بازاری قیمت سے کچھ کمی کے ساتھ فروخت کیا جائے اور وہ مزید افراد کو ترغیب دلا کر کمپنی سے خریدی کروانے پر اس خریدار اور ترغیب دلانے والے کو کمپنی اپنے حاصل کردہ نفع (جو کمپنی کی ملک ہو چکا ہے) سے کچھ فیصد نفع ادا کرے تو شرعًا خریدار اور ترغیب دلا کر خریدار کو لانے والا دونوں کیلئے کمپنی کی طرف سے نفع میں سے دی جانے والی رقم لینا شرعًا درست ہے۔فتاوی عالمگیری جلد۳ کتاب البیوع میں ہے: **وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري و في الثمن للبائع اذا كان البيع باتا وان كان موقوفا فثبوت الملك فيهما عندالاجازة كذا في محيط السرخسي** ۔اوراسی کتاب کی جلد۴ صفحہ۴۴۱ میں ہے: **و اذا اخذ السمسار اجر مثله هل يطيب له ذلك تكلموا فيه قال الشيخ الامام المعروف بخواهر زاده يطيب له ذلك و هكذا عن غيره واليه اشار محمدرحمه اللهتعالى فى الكتاب هكذا فى فتاوى قاضيخان۔ فقط والله أعلم**

محمد عظیم الدین غفرلہ، مفتی جامعہ نظامیہ اصاب المجیب (شیخ المعقولات) اصاب من اجاب (شیخ التفسیر)
الجواب صحیح (شیخ التجوید) اصاب فیما اجاب (شیخ الفقہ)

الاستفتـــــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالدہ نے اپنی والدہ ہندہ سے ایک ہزار روپئے کے عوض ہندہ سے چار ایکر چوبیس گنٹے زمین خریدی، رجسٹری کی استطاعت نہ ہونیکی بناء خرید و فروخت کی کاروائی ایک روپیہ کے اسٹامپ پیپر پر انجام دی گئی۔اس سے شرعًا بیع منعقد ہوئی یا نہیں۔اس بیع کے منعقد ہونے کے بعد وہ جائداد کس کی ملک رہیگی۔مزید اسمیں پختگی کے لئے ہندہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند نے اپنے مالی تعاون سے خالدہ کے نام رجسٹری بھی کروادی۔شرعًا کیا حکم ہے۔اب مذکورہ اراضی میں ہندہ مرحومہ کی دیگر لڑکیاں حصہ کی دعویدار ہیں۔
مخفی مباد کہ ہندہ نے اپنی مذکورہ اراضی فروخت کر کے بالکلیہ خالدہ کے قبضہ میں دیدیا تھا؟ بینوا تؤجروا

الافتـــــــــاء

شرعًا ایجاب وقبول سے بیع منعقد ہوجاتی ہے۔اور جب ایجاب وقبول حاصل ہوجاتا ہے تو بیع لازم ہوجاتی ہے جیسا کہ قدوری کتاب البیوع میں ہے: البيع ينعقد بالايجاب والقبول ...... واذا حصل الايجاب والقبول لزم البيع۔

مذکورہ درسوال صورت میں جسوقت ہندہ نے ایک ہزار روپئے کے عوض اپنی مذکورہ درسوال اراضی فروخت کردی تو وہ اراضی خالدہ کی ملک ہوگئی، چونکہ بیع کیوجہ سے وہ اراضی ہندہ کی ملک نہیں رہی، اس لئے ہندہ مرحومہ کی لڑکیوں کا ادعاء وراثت شرعًا باطل ہے۔

مذکورہ اراضی خالدہ کی ملک ہے۔ فقط واللّٰہ أعلم

محمد عظیم الدین غفرلہ، مفتی جامعہ نظامیہ الجواب صحیح (شیخ التجوید) اصاب فیما اجاب (شیخ الفقہ)

كلام الإمام ـــــ إمام الكلام

ضرورتِ شوریٰ

افادات: شیخ الاسلام عارف باللہ

امام محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ والرضوان بانی جامعہ نظامیہ

حق تعالیٰ مسلمانوں کی تعریف میں فرماتا ہے: ''وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ، وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَيْنَهُمْ ''(سورۃ الشوری، آیت نمبر:38) یعنی مسلمانوں کے کام باہمی مشورت سے ہوا کرتے ہیں۔ اور خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ ''وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ'' (سورۃ آل عمران، آیت نمبر:159) یعنی صحابہ سے مشورت کیا کیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علوم لدنی حاصل تھے صحابہ کو کہاں نصیب! باوجود اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انؓ سے شوریٰ کرنے کا حکم تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جس سے رائے لی جاتی ہے اس کو خاص قسم کی موافقت اور انس پیدا ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ نے جو آیت مذکورہ میں مسلمانوں کی تعریف کی کہ ''وہ شوریٰ سے کام کیا کرتے ہیں'' اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کو خیر خواہانہ رائے دینے کا حکم ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے ''الدین النصیحۃ '' یعنی کامل دین، خیر خواہی ہے۔ غرضکہ آیت مذکورہ میں مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور موافقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس اتحاد اور موافقت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی سے رائے میں غلطی بھی ہو جائے تو

آیات اور احادیث اور قرائن قویہ دیکھنے کے بعد ہر منصف مزاج مسلمان کا وجدان گواہی دے گا کہ علی کرم اللہ وجہہ اور ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہم میں کمال درجہ کا اتحاد اور اتفاق تھا اور مخالفت کی روایتیں بے اصل محض ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کو ان حضرات سے اس درجہ خلوص تھا کہ اگر غائبانہ بھی کوئی ان کا ذکر بے طریقہ کرتا تو آپ منع فرمادیتے۔

دوسرا اس کی اصلاح کر دیتا ہے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی زانیہ کو رجم کرنے کا حکم دیا، اتفاقاً وہ حاملہ تھی، علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً متنبہ کیا کہ یہ حاملہ ہے، اگر اس وقت اس کو رجم کیا جائے تو بچہ بے قصور ضائع ہو جائیگا! عمر رضی اللہ عنہ نے قبول کرلیا اور فرمایا: ''**لو لا علی لهلک عمر**'' یہ '' **وَ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ** '' کی برکات تھیں کہ علی کرم اللہ وجہہ نے اپنا فرض ادا کیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر ان کا شکریہ ادا کیا۔

اس زمانہ میں اگر کوئی ایسا واقعہ پیش ہو جائے تو عمر بھر اپنے جلسوں میں بطور افتخار کہا کریں گے کہ ہم نے ایسے بڑے شخص کو زک دی! مگر ان حضرات کے نفوس قدسیہ اس قسم کی تعلّی کو ہرگز گوارا نہیں کرتے تھے' دیکھئے کسی بھی روایت میں یہ بات نہیں ملے گی کہ علی کرم اللہ وجہہ نے کسی بھی جلسہ میں بطورِ افتخار فرمایا ہو کہ میں نے عمرؓ کو ایسا ایسا ذلیل کیا! آخر ان حضرات ہی کی باتیں حدیث کی شکل میں ہم تک پہونچی ہیں، اگر ایک بار بھی آپ یہ فرماتے تو ضرور حدیث وسیرت کی کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا۔ اگر اس واقعہ کو نکتہ چینی سمجھائے تو پہلے یہ فرض کرنا ہوگا کہ معاذ اللہ ان حضرات کے نفوس بھی ہمارے ہی جیسے رشک' حسد' کینہ اور خود غرضی سے بھرے ہوئے تھے اور حق تعالیٰ نے جو ان کی تعریف کی ہے: ''**رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ**'' (سورۃ الفتح، آیت نمبر: 29) اور آیت شریفہ: ''**فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا** '' (سورۃ آل عمران، آیت نمبر: 103) نعوذ باللہ خلاف واقعہ ہے!!۔

صاحب ناسخ التواریخ نے اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ عمرؓ خلافت کے اہل نہ تھے کیوں کہ ان کی رائے میں خطا واقع ہوئی اور ان کی عمر بھر کی جانفشانیاں اور حسن تدابیر جن کو خود نے بھی ذکر کیا ہے سب کو نسیا منسیاً کر دیا۔

غزوۂ بدر میں جب کفار مکہ گرفتار ہوئے تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ ان کو قتل کیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا مناسب ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: قتل کرنا مناسب ہے!۔ اور بعضے صحابہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر اتفاق کیا اور بعض نے عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر۔ چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کیا۔ اس کے بعد یہ آیت شریفہ نازل ہوئی: ''**مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰى حَتّٰى يُثۡخِنَ فِى الۡاَرۡضِ، تُرِيۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ، وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ـ لَوۡ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ** '' (سورۃ الانفال، آیت نمبر: 67/68) یعنی نبی کو سزاوار نہ تھا کہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دیتے اور قتل نہ کرتے' تم لوگ (اے صحابہ!) سامان دنیا چاہتے ہو اور اللہ آخرت، اور اللہ عزت والا غالب اور حکمت والا ہے' اگر کتاب میں پہلے سے اس قصور کی معافی نہ ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا اس پر بڑا ہی

عذاب نازل ہوتا۔

چونکہ فدیہ کی رائے دینے والوں پراس آیت شریفہ سے سخت عتاب الٰہی معلوم ہوا، اس وجہ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری تھا کہ اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کی: یارسول اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: اگر فدیہ لینے پر عذاب نازل ہوتا تو تمہارے سوائے کوئی نجات نہ پاتا۔ چونک عمر رضی اللہ عنہ ایسے واقعات دیکھ چکے تھے، اس لئے اگر کوئی غلطی ہوتی تو فوراً متنبہ ہوجاتے اور خوف الٰہی آپ پر طاری ہوجاتا، اسی وجہ سے کہا: ''**لو لا علی لهلک عمر**''. جس طرح آیت شریفہ ہے میں ''لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ.''(سورۃ الانفال، آیت نمبر:68)

غرضکہ رائے میں غلطی ہونا کوئی نئی بات نہیں' مقتضائے بشریت ہے۔ اس سے کسی کے مرتبہ میں فرق نہیں آتا۔ غرضکہ جتنے مخالفت کے قصے بیان کئے جاتے ہیں ان تصریحات سے ثابت ہے کہ وہ بے اصل محض اور سراسر باطل ہیں۔ اوران حضرات میں باہمی کمال درجہ کی محبت تھی۔

تاریخ الاسلام میں مولوی محمد احسان اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے تیرہ (13) صاحبزادے تھے، جن کے نام: محمد' عباس' جعفر' ابوبکر' عمر، عثمان وغیرہ تھے۔

اب غور کیجئے کہ اولاد کے نام جن بزرگوں کے رکھے جاتے ہیں ان کی کیسی وقعت اور محبت اس میں ملحوظ ہوا کرتی ہے؟ کبھی سنا نہیں گیا کہ کسی نے اپنے لڑکے کا نام فرعون یا ابوجہل رکھا ہو۔

تاریخ الخلفاء کے صفحہ 85 میں متعدد کتب احادیث سے منقول ہے کہ ایک بار عمر رضی اللہ تعالی عنہ جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے، اثنائے خطبہ میں نہایت بلند آواز سے کہا: ''**یا ساریة الجبل! یا ساریة الجبل! یا ساریة الجبل!**'' یعنی اے ساریہ! پہاڑ کے متصل ہوجاؤ۔'' ساریہ ''ایک شخص تھے جن کو عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے لشکر پر امیر بنا کر عجم کی طرف روانہ فرمایا تھا، جس کو کئی دن گزر رہے تھے' لوگوں نے دیکھا کہ کہاں ساریہ؟ اور جبل کیسا؟ اور خطبہ کو اس سے تعلق ہی کیا؟ اس حرکت سے عین خطبہ میں لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ بعضوں نے صاف کہہ دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو جنون ہوگیا ہے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں سے فرمایا: تم عمر رضی اللہ عنہ کے معاملات میں دخل نہ دو! دیکھ لوگے کہ کوئی بات اس میں ضرور نکل آئے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک مہینہ کے بعد جب اس لشکر کا ایک شخص فتح کی خوشخبری دینے کو آیا تو اس نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک روز ہم لوگ ملک عجم میں جبل نہاوند کے قریب تھے اور ایسا وقت آ گیا تھا کہ ہم کو شکست ہوجائے' اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ کی آواز آئی کہ'' **یا ساریة الجبل** '' یہ سنتے ہی ہم نے پہاڑ کو اپنی پیٹھ پر کرلیا اور کفار سے مقابلہ

کیا، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہماری فتح ہوگئی۔

علی کرم اللہ وجہہ چونکہ امام الاولیاء تھے جانتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت فقط ظاہری نہیں بلکہ خلیفۃ اللہ ہیں، دیکھنے کو تو یہاں ہیں مگر عالم پر حکومت کر رہے ہیں ۔ دور و نزدیک ان کے حق میں یکساں ہے۔ان اسرار کو دوسرے کیا جانیں؟۔انہوں نے بے سمجھی سے کہہ دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ مجنون ہوگئے ! کیونکہ بے تکی باتیں فتورِ دماغ کی علامت ہیں ۔تعجب نہیں کہ یہ خیال مستقل اور پختہ ہوجاتا اور عمر رضی اللہ عنہ معزول کردیئے جاتے ،مگر علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً روک دیا اوراس فتنہ کو جڑ پکڑنے نہ دیا۔ دیکھئے اگر آپ کو عمر رضی اللہ عنہ سے مخالفت ہوتی تو یہ عمدہ موقع ہاتھ آ گیا تھا کہ لوگوں کے خیالات کی تائید کرتے اور فرماتے کہ بیشک اس بے تکی بات سے ان کا ہذیان وجنون ثابت ہوتا ہے ۔اس لئے اب وہ قابل خلافت نہ رہے۔

اس واقعہ کو ناسخ التواریخ کی جلد دوم کے صفحہ 401 میں لکھا ہے: مع القصہ ایں وقت لختے غلبہ با عجم افتاد وعرب راپس برد‘ ساریہ بن عامر الخثعمی درمیان جنگ ناگاہ آوازے شنید کہ گویندہ گفت ’’یا ساریہ الجبل الجبل‘‘، یعنی از جانب کوہ پر حذر باش! چوں ساریہ بجانب کوہ نگریست جماعتے از عجم راوید کہ کمین نہادہ اند پس بامردم خود برایشاں حملہ بردوآں ۔جماعت را بعضے بکشت و برخے راہزیمت کرد‘ از پس آں عرب دیگر بارہ قوت کردند واز چپ و راست و قلب و جناح بیکبار جنبش نمودند وحملہ گراں افگندند۔ چنانچہ اعاجم رانیروے درنگ نماند پس پشت با جنگ کردن و عرب از دنبال ایشاں بتاختند و ہمہ مردم را بخاک انداختند‘ درجنگ نہاوند صد ہزار کس از عجم کشتہ شد‘‘۔مصنف علامہ نے نصف واقعہ کو تحریر فرمایا دیا کہ ’’یا ساریہ الجبل الجبل‘‘ کی آواز غیب سے آئی۔رہا یہ کہ وہ کلام عمر رضی اللہ عنہ کا تھا،سوکسی مذہبی مصلحت سے اس کو حذف کردیا۔

مشورت بوقتِ جنگ شام

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح الشام کے صفحہ 215 میں لکھا ہے کہ مسلمانوں نے شام کے بہت سے شہر فتح کر لئے‘ شاہنشاہ ہرقل گھبرایا اور تمام صوبوں سے فوجیں طلب کر کے دس لاکھ کالشکر مسلمانوں کے مقابلہ میں بھیج دیا اوراِدھر صرف تیس ہزار30,000 آدمی تھے‘ ابوعبیدہ ابن الجراح جوامیر لشکراسلام تھے،انہوں نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرضی لکھی کہ ہرقل کالشکراتنا کثیر التعداد ہے کہ صرف جنگجو سپاہی اس میں آٹھ لاکھ ہیں،اس لئے کمکی فوج جلد روانہ فرمائی جائے‘ اور عبداللہ ابن قرط کودے کر تاکید کی کہ جس قدر ممکن ہو جلد مراسلہ پہونچائیں‘ چنانچہ وہ آٹھ دن میں مدینہ منورہ پہونچے‘ ایسے وقت میں کہ صحابہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں جمع تھے اور خط عمر رضی اللہ عنہ کودیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہوکر تمام حضار کوسنایا،جس سے تمام صحابہ سخت متفکر ہوئے، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا: میں اس لڑائی کا حال نبی صلی اللہ

علیہ وسلم سے سن چکا ہوں، فرماتے تھے کہ یہ لڑائی ایسی سخت ہوگی کہ ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گی اور صلیب کی پرستش کرنے والے اس میں ہلاک ہوں گے۔ اے امیر المومنین! آپ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام تسکین کا خط لکھ دیجئے! چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے حسبِ مشورۂ علی کرم اللہ وجہہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام مراسلہ لکھا، جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ:

''فتح، لشکر کی کثرت سے متعلق نہیں ہے بلکہ خدا کی مدد پر موقوف ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تھوڑے لوگ لشکر کثیر پر غالب آجاتے ہیں، اب تم خدا پر توکل کرو، اور صبر سے کام لو''۔

اور خط لپیٹ کر عبداللہ بن قرط کے حوالہ کیا، انہوں نے دعاء خیر کی درخواست کی، اور آپ رضی اللہ عنہ نے دعائیں دیں، پھر وہ عرض سلام کی غرض سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہوئے، اس وقت وہاں علی کرم اللہ وجہہ معہ ہر دو صاحبزادوں اور حضرت عباس اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہم حاضر تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعد عرض سلام جب میں رخصت ہونے لگا تو علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: اے ابن قرط! کیا ابھی جاتے ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! کیونکہ مجھے فکر ہے کہ اگر میں عین معرکہ کے وقت وہاں پہنچوں اور وہ لوگ میرے ساتھ کمکی فوج نہ دیکھیں گے تو بے صبری کا اندیشہ ہے، اس لئے میری آرزو ہے کہ لڑائی سے پیشتر میں وہاں پہونچ جاؤں اور امیر المومنین نے جو نصیحتیں زبانی فرمائی ہیں ان کو سنادوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم نے عمر رضی اللہ عنہ سے دعا نہیں کرائی؟ کیا تم نہیں جانتے کہ ان کی دعا خالی لوٹائی نہیں جاتی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا ہے کہ ''میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتے'' ان کا حکم موافق قرآن کے حکم کے ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''اگر دنیا پر عذاب اترتا تو عمرؓ کے سوائے کوئی اس سے نجات نہ پاتا'' کئی آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئیں، وہ زاہد اور پرہیزگار اور نوح علیہ السلام کے مشابہ ہیں۔ اور اس قسم کی بہت سی فضیلتیں بیان کیں۔

مقصود یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ کی جب دعا تم نے لی ہے تو اب کسی قسم کی فکر وتردد نہ کرو؛ کیونکہ جن کے یہ فضائل ہوں ان کی دعا کبھی رد نہیں ہوسکتی۔ اس سے ظاہر کہ عمر رضی اللہ عنہ کی کس قدر وقعت علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں تھی اور کیسا خلوص تھا۔

اور ''واقدی'' میں یہ روایت بھی ہے کہ: جب سعید ابن عامر مکہ معظّمہ اور طائف سے ایک ہزار کا لشکر جمع کر کے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی تائید کو نکلے اور امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت لینے کو مدینہ منورہ آئے اس وقت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں وصیتیں کیں۔ علی کرم اللہ وجہہ بھی وہاں تشریف رکھتے تھے۔ مجلس کے اختتام پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: اے سعید! اپنے امام امیر المومنین کی وصیتوں کو یاد رکھو، یہ وہ شخص ہیں کہ ان سے مسلمانوں کے چالیس 40 عدد کی تکمیل ہوئی۔ ان کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ''اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے'' اور یہ بھی علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جب ابوعبیدہ ابن الجراح سے ملاقات ہو تو ان سے یہ کہو کہ اگر کوئی دشواری پیش آجائے تو امیر المومنین کو لکھ کر مجھے بلوا لو تو ان شاء اللہ تعالیٰ شام کی زمین کو میں الٹ دوں گا۔

سبحان اللہ! اطاعت اسے کہتے ہیں! متواتر خبریں آرہی ہیں کہ آج فلاں شہر فتح ہوا اور آج فلاں خطہ اہل اسلام کے قبضہ میں آیا جس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھتے جارہے ہیں، خالد ابن الولید وغیرہ شجاعان اسلام اپنی شجاعتوں کے جوہر دکھا رہے ہیں کہ ایک ایک شخص ایک ایک ہزار جنگجو سپاہیوں کا مقابلہ کرکے ان کو ہزیمت دے کر شہرہ آفاق ہو رہا ہے۔ اور علی کرم اللہ وجہہ ہیں کہ ہمت اور شجاعت کا دریا آپ میں جوش زن ہے اور یہ وثوق ہے کہ یہ بہ نفس نفیس سلطنت شام کو الٹ دیں۔ باوجود اس کے یہ نہ ہوسکا کہ بغیر اجازت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے اس جنگ میں شریک ہوں! آخر ابوعبیدہ کو کہلوا بھیجا کہ ''جب سخت ضرورت ہو تو امیر المومنین کو لکھ کر مجھے بلوا لو''۔

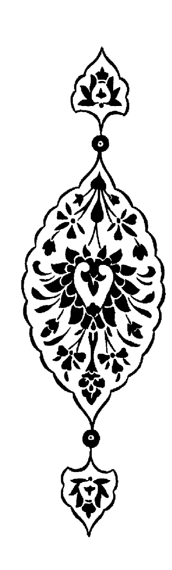
اگرچہ اس قسم کی روایتوں میں کلام کرنا آسان ہے۔ مگر عقل حقیقت شناس سے اگر کام لیا جائے تو یہی روایتیں صحیح معلوم ہوں گی۔ اس لئے اگر صحابہؓ میں ایسی موافقت اور خلیفہ وقت کی اطاعت نہ ہوتی تو ایسی بڑی بڑی قدیم وعظیم و طاقتور اور آباد سلطنتیں جن کی مالی وفوجی اور قومی طاقت کے مقابلہ میں لشکر اسلام کی قوت دیکھی جائے تو فیصدی صفر کے سوائے اور کچھ جواب نہیں ہوسکتا، ممکن نہیں کہ ان کو فتح کر سکتے۔ کیونکہ مخالفت باہمی کا یہ انجام ہوتا ہے کہ ہوا اکھڑ جاتی ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ''(سورۃ الانفال، آیت نمبر: 46) یعنی اے مسلمانو! آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ اس سے بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا بگڑ جائے گی۔

دیکھئے کہ مخالفت باہمی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہی علی کرم اللہ وجہہ ہیں جنہوں نے فوج کفار کی تعداد لاکھوں کی سن کر فرمایا تھا کہ ''میں ملک شام کو الٹ دوں گا'' اور خود بہ نفس نفیس ایک لاکھ فوج کو ہمراہ لے کر چودہ مہینے معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرتے رہے اور دونوں طرف برابر کی فوجیں تھیں، بلکہ آپ کی طرف کثیر التعداد صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ جنہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں بہادرانِ عرب کے دلوں پر اپنی جوانمردی کا سکہ جما دیا تھا، باوجود اس کے معاویہ رضی اللہ عنہ کا ملک شام بھی فتح نہ ہوسکا! جب کہ عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں شام وعراق اور عجم وفتح ہوئے اور یوروپ وافریقہ میں جہاں تک گئے فتح کرتے چلے گئے! کبھی ایسا نہ ہوا کہ بغیر فتح کے واپس آگئے ہوں۔ حالانکہ اسلامی فوج کی تعداد کبھی ایک لاکھ تک نہیں پہونچی تھی درانحالیکہ کفار کی فوجیں لاکھوں کے شمار میں تھیں اور صرف فوج ہی نہیں ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ مقابلے رہتے تھے۔

خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو اگر ''سیف اللہ'' کا خطاب عطاء ہوا تھا تو علی رضی اللہ عنہ ''اسد اللہ الغالب'' تھے اور ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ خالد رضی اللہ عنہ کو آپ کی شجاعت اور قوت کے ساتھ کوئی نسبت نہ تھی، مگر بات یہ تھی کہ خالد رضی اللہ عنہ کو جوانمردی دکھانے کا موقعہ اس زمانے میں ملا تھا جبکہ تمام صحابہؓ ایک دل تھے اور اس اتفاق کی وجہ سے مسلمانوں کی ہوا بندھی ہوئی تھی اور علی کرم اللہ وجہہ کو وہ زمانہ ملا جس میں بحسب روایات صحیحہ فتنہ کا دروازہ کھل گیا تھا اور بحسب آیت مذکورہ منازعتِ باہمی کی وجہ سے جبن اور بزدلی مسلمانوں کے دلوں پر چھا گئی تھی۔(1)

الحاصل! آیات اور احادیث اور قرائن قویہ دیکھنے کے بعد ہر منصف مزاج مسلمان کا وجدان گواہی دے گا کہ علی کرم اللہ وجہہ اور ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہم میں کمال درجہ کا اتحاد اور اتفاق تھا اور مخالفت کی روایتیں بے اصل محض ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کو ان حضرات سے اس درجہ خلوص تھا کہ اگر غائبانہ بھی کوئی ان کا ذکر بے طریقہ کرتا تو آپ منع فرما دیتے۔

(1) جب جب بھی اس کرہ ارضی کی عظیم سلطنتوں (سوپر پاورس) اور ایمانی قوت کے حامل لشکر اسلام میں معرکہ آرائیاں ہوئیں باوجود قلت اسباب ظاہری ہمیشہ فتح مومنین ہی کی ہوئی اور سوپر پاور پاش پاش ہوگئے۔ ''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' (سورۃ آل عمران، آیت نمبر:139) لیکن اہل ایمان کے آپسی تنازعوں کے باعث ان کی ہوا بگڑی؛ چنانچہ پندرھویں صدی ہجری کے اوائل میں افغانستان میں بھی یہی سب کچھ ہوا۔



ہندوستانی مسلمانوں کو ایک پیغام

بابری مسجد سے متعلق سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ اور شہریت ترمیمی ایکٹ (C A A) کے تناظر میں

مفکر اسلام مولانا مفتی خلیل احمد صاحب، شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ

ہمارے ملک میں شہریت ترمیمی ایکٹ CAA کو قانونی درجہ دیا گیا ہے' ماہرین اس کو عدم مساوات اور مذہب کی بنیاد پر تفریق کرنے والا قانون بتا رہے ہیں۔ اس قانون کی مخالفت میں ہندو' مسلم' سکھ' عیسائی اپنی اپنی آواز بلند کر رہے ہیں۔

حقیقت میں شہریت ترمیمی ایکٹ (C A A) ہندوستان کے دستور کی روح کے خلاف ہے۔ ہر مظلوم کی مدد کرنا ہی انسانیت ہے' انصاف یہ نہیں ہے کہ چند لوگوں کی مدد کی جائے اور چند لوگوں کو محض ان کے مذہب کی بنیاد پر بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے۔

مصائب و مشکلات میں ہمیں اپنے رب سے رجوع ہونا چاہئے' کیونکہ مشکل حالات سے خلاصی کا دار و مدار اسی پر ہے۔ شریعت نے ایسے حالات میں اللہ سے رجوع ہونے کے لئے **قنوت نازلہ** کا بھی حکم دیا ہے۔ مسلمان اس کا بھی اہتمام کریں اور اللہ سے دعائیں کرتے رہیں۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جس حکومت نے عدل و انصاف سے کام لیا وہ کامیاب ہوئی اور جس نے ناانصافی کا معاملہ کیا وہ ناکام و نامراد ہوئی۔

کامیاب حکومتوں نے ہمیشہ انصاف کے تقاضے انسانیت کی بنیاد پر رکھے۔ انصاف کو ذات پات' علاقہ' زبان یا اپنے پرائے کی بنیاد پر نہیں رکھا گیا۔

حقیقت میں شہریت ترمیمی ایکٹ (C A A) ہندوستان کے دستور کی روح کے خلاف ہے۔ ہر مظلوم کی مدد کرنا ہی انسانیت ہے' انصاف یہ نہیں ہے کہ چند لوگوں کی مدد کی جائے اور چند لوگوں کو محض ان کے مذہب کی بنیاد پر بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے۔

سورج جب نکلتا ہے تو بلا تخصیص انس و جن، شجر و حجر، مذہب وملت ساری کائنات کو روشنی دیتا ہے۔

بارش جب ہوتی ہے تو اس کا کسی خاص مذہب یا زبان سے تعلق نہیں ہوتا وہ سبھی کو سیراب کرتی ہے۔ یہی قانون قدرت ہے۔

الگ الگ ممالک اپنے علاقائی ضرورتوں کے سبب قوانین میں مختلف ہوسکتے ہیں لیکن انسانیت اور انصاف کے اصول میں مختلف نہیں ہوسکتے۔

مسلمان اس بات کو اچھی طرح جان لیں کہ ایمان کے ساتھ آزمائش بھی رکھی گئی ہے ۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے ۔ ولنبلونکم بشئ من الخوف و الجوع و نقص من الاموال و الانفس والثمرات و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون (البقرة:155)

اس آیت میں اللہ تعالی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمارہا ہے کہ ہم تم کو ضرور بہ ضرور آزمائیں گے، خوف کے ذریعہ بھوک و پیاس کے ذریعہ جان و مال، کھیتی باغ میں نقصان کے ذریعہ۔ پھر اس کے بعد حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کہتا ہے کہ آپ خوشخبری دیجئے اِن مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو جب اِن پر مصیبت آتی ہے تو یہی کہتے کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔نحن معشر الانبیاء اشد الناس بلاء ۔ یعنی ہم انبیاء کی جماعت سب سے زیادہ مصیبت اٹھانے والی ہے۔

صحابہ کرامؓ کی سیرت بھی اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ہمیں یہ حقیقت بھی جان لینا چاہئے کہ اُسی کو آزمایا جاتا ہے جس پر انعام کرنا ہوتا ہے۔ ایسے وقت آزمائش میں پورے اترنا ہی بندگی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ مسلمانوں کو کیسی کیسی اذیتیں نہیں دی گئیں۔ ان کے جان و مال کا نقصان کیا گیا۔ وطن عزیز کو چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ طرح طرح کے الزامات لگائے گئے ۔ان سب کے باوجود وہ ثابت قدم رہے اور کبھی اللہ کی رسی کو نہیں چھوڑا۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان پر اپنے انعامات نازل فرمائے۔

مصائب ومشکلات میں ہمیں اپنے ایمان اور اپنی جان کی حفاظت کے سلسلہ میں غور کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ شریعت صبر، ہمت اور استقامت سے کام لینے کی تاکید کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔استعینوا بالصبر و الصلوة یعنی تم اللہ سے مدد طلب کرو۔صبر اور نماز کے ذریعہ۔

یہ حقیقت ہے کہ جب تک ہم اللہ کو راضی نہ کریں، اپنے کسی بھی مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اللہ کو راضی کرنے کا راستہ اپنی اصلاح، اتحاد اور اخلاص ہے۔

اگر ہمارے ساتھ ناانصافی ہو تو جدوجہد کرنے اور باطل کا جواب دینے کا شریعت میں بھی حق ہے اور دنیوی قانون میں

بھی اجازت ہے۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جس حکومت نے عدل وانصاف سے کام لیا وہ کامیاب ہوئی اور جس نے ناانصافی کا معاملہ کیا وہ ناکام ونامراد ہوئی۔

کامیاب حکومتوں نے ہمیشہ انصاف کے تقاضے انسانیت کی بنیاد پر رکھے۔انصاف کو ذات پات‘ علاقہ‘ زبان یا اپنے پرائے کی بنیاد پر نہیں رکھا گیا۔

تمام انسان اسلام کی نظر میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔انسان اپنے مذہب اور عقیدہ میں الگ ہوسکتے ہیں لیکن انسانی حقوق میں سب ایک ہیں سب کی ضرورتیں اور تقاضے یکساں ہیں۔

سورج جب نکلتا ہے تو بلا تخصیص انس وجن‘ شجر وحجر‘ مذہب و ملت ساری کائنات کو روشنی دیتا ہے۔

بارش جب ہوتی ہے تو اس کا کسی خاص مذہب یا زبان سے تعلق نہیں ہوتا وہ سبھی کو سیراب کرتی ہے۔یہی قانون قدرت ہے۔

الگ الگ ممالک اپنے علاقائی ضرورتوں کے سبب قوانین میں مختلف ہوسکتے ہیں لیکن انسانیت اور انصاف کے اصول میں مختلف نہیں ہوسکتے۔جیسے قتل‘ چوری اور دیگر برائیوں کے ارتکاب پر کسی بھی ملک میں کسی بھی مذہب میں‘ مذہب یا زبان کی بنیاد پر رعایت نہیں دی جاتی۔اسی طرح کسی ملک میں رہنے والے مختلف مذہب کے افراد میں انسانی حقوق کے معاملہ میں عدم مساوات نہیں لائی جاسکتی۔

ہمارے ملک میں شہریت ترمیمی ایکٹ CAA کو قانونی درجہ دیا گیا ہے‘ ماہرین اس کو عدم مساوات اور مذہب کی بنیاد پر تفریق کرنے والا قانون بتارہے ہیں۔اس قانون کی مخالفت میں ہندو‘ مسلم‘ سکھ‘ عیسائی اپنی آواز بلند کررہے ہیں۔

حقیقت میں شہریت ترمیمی ایکٹ (C A A) ہندوستان کے دستور کی روح کے خلاف ہے۔ ہر مظلوم کی مدد کرنا ہی انسانیت ہے‘ انصاف یہ نہیں ہے کہ چندلوگوں کی مدد کی جائے اور چندلوگوں کو محض ان کے مذہب کی بنیاد پر بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے۔

ہندوستان کی جمہوریت عدل وانصاف پر قائم ہے۔اس کو بدلنے کی کوشش کرنا بنیادی اصولوں سے انحراف ہے۔

اس موقع پر میں تمام مسلم تنظیموں‘ قائدین اور جماعتوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے اختلافات کو فراموش کرتے ہوئے اپنے اندر اتحاد پیدا کریں اور اس کے حل کا صحیح راستہ تلاش کریں۔محض جذبات کا مظاہرہ کرنا مسئلہ کا حل نہیں ہوتا۔حالات پر ٹھنڈے دل سے غور وفکر کرکے ٹھوس اور دیرپا لائحۂ عمل تیار کرنا چاہیئے۔

ایسے موقعہ پر پُرامن احتجاج کے جو جمہوری طریقے ہیں وہ اختیار کریں اور تمام برادران وطن کو اس مسئلہ میں اپنے ساتھ لے کر جدوجہد کریں۔

مصائب و مشکلات میں ہمیں اپنے رب سے رجوع ہونا

چاہئے' کیونکہ مشکل حالات سے خلاصی کا دار و مدار اسی پر ہے۔شریعت نے ایسے حالات میں اللہ سے رجوع ہونے کے لئے قنوت نازلہ کا بھی حکم دیا ہے۔مسلمان اس کا بھی اہتمام کریں اوراللہ سے دعائیں کرتے رہیں۔ظاہری اسباب کے ساتھ رجوع الی اللہ کے ذریعہ ہم حالات پر قابو پاسکتے ہیں۔اللہ ہم کو کامیابی وکامرانی عطاء کرے۔☆

بابری مسجد سے متعلق سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ کے تناظر میں

قوموں کی زندگی مختلف مراحل سے گذرتی ہے،کبھی خوشی و مسرت کے لمحات آتے ہیں تو کبھی مصائب وآلام کا دور دورہ ہوتا ہے۔زندہ قومیں وہی ہیں جو دونوں مرحلوں میں سوجھ بوجھ اور فکر وتحمل سے کام لیتی ہیں۔

بابری مسجد سے متعلق سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یقیناً پریشان کن ہے،ملت کے دل غم سے نڈھال ہیں تاہم مصیبت کی گھڑیوں میں ہمیں اپنے رب سے رجوع ہونا' اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر گامزن رہنا اور شعور وآگہی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

ہمارے سامنے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کا اسوہ موجود ہے ۔ جب ابرہا کعبہ کو ڈھانے کا مذموم ارادہ لے کر ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ سرزمین مکہ میں چلا آیا اور حضرت عبدالمطلب کے اونٹوں کو بھی اپنے قبضے میں کرلیا تو والئ قریش کعبہ کی حفاظت وصیانت کے سلسلہ میں خوف زدہ نہیں ہوگئے اور انہوں نے ابرہا سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ کعبہ کو منہدم کرنے کے ارادہ سے باز آجائے بلکہ انہوں نے کہا کہ'' مجھے میرے اونٹ واپس کردو''۔ پھر جو ہوا دنیا نے دیکھا کہ کعبہ والے نے کعبہ کی حفاظت کی اور دشمن ناکام ونامراد بلکہ نمونہ عبرت بن گیا۔ کیونکہ حضرت عبدالمطلب کا ایقان مضبوط و مستحکم تھا۔کعبہ والے سے ان کا ربط محکم تھا۔

آج ہندوستان کے مسلمانوں پر یہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بابری مسجد میں جس خالق و مالک کی عبادت کرتے تھے' اس خالق و مالک سے اپنے ربط کو قوی بنائیں ۔اس سے تعلق کو محکم رکھیں اوراس کی عبادت میں کوئی کمی نہ لائیں۔نتیجہ میں ان کی مساجد کی حفاظت ہوتی رہے گی اور دشمن کو ہزیمت اٹھانی پڑے گی۔

آثار بتاتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں پراس سے زیادہ سخت حالات آسکتے ہیں۔ان کے صبر کا امتحان لیا جاتا رہے گا انہیں مختلف مراحل سے گذرنا پڑے گا۔تاہم اگر وہ اپنے مالک ومولیٰ سے جڑے رہیں ،اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر جمے رہیں اور حق کی راہ میں جدوجہد کرتے رہیں تو ان کا دشمن ہمیشہ ناکام ونامراد ہوگا۔

ہندوستان کی آزادی کیلئے ہندو مسلم سکھ عیسائی مل کر مشترکہ جدوجہد کئے۔ ہزاروں ہندو اور ہزاروں مسلمانوں نے اپنی جانوں کی قربانی دی۔ کئی صعوبتوں اور مصائب کو برداشت کرنے کے بعد آزادی ملی۔

آزاد ہندوستان کیلئے جو دستور مرتب کیا گیا اس میں تمام شہریوں کواس بات کی ضمانت دی گئی کہ بلاکسی روک وٹوک ہر شہری اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے اور آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکتا ہے اور تمام شہریوں کے حقوق بلا فرق وامتیاز ہونگے۔

ہندوستان کی ترقی اسی بات میں مضمر ہے کہ یہاں رہنے بسنے والی تمام قومیں متحد ہوں اور ملک کی ترقی کیلئے مشترکہ جدوجہد کریں۔ اتحاد کیلئے ضروری ہے کہ ہرقوم اپنے آپ کو یہاں ہر اعتبار سے آزاد تصور کرے۔ اس کوکسی کی جانب سے دباؤ یا ظلم کا اندیشہ نہ ہو۔ کسی بھی مرحلہ میں اس کے انسانی یا مذہبی حقوق متاثر نہ ہوں۔

اس تناظر میں ہمیں یہ بات جان لینا چاہئے کہ ہندوستان زمانۂ قدیم سے مختلف تہذیبوں اور مختلف عقائد رکھنے والی قوموں کا گہوارہ رہا ہے۔

شاید ہندوستاں ہی ساری دنیا میں وہ واحد ملک ہوگا جہاں اتنی کثرت سے مختلف تہذیبیں، عقائد اور بولیاں پائی جاتی ہے ہیں اور ہندوستان اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں اختلافِ رنگ ونسل، عقیدہ وتہذیب کے باوجود اتحاد و اتفاق کا مرکز رہا ہے اس سرزمین پر مختلف قوموں نے حکمرانی کی ہے۔ مسلمان بھی مدت دراز تک یہاں حکمران رہے۔ لیکن کہیں بھی اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ کسی حکمراں نے کسی مذہب والوں کو دوسرے مذہب کے عقائد واعمال اختیار کرنے پر مجبور کیا ہو۔

تاریخ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہرقوم کو اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے اور اپنے مذہب کے عبادات ورسوم انجام دینے میں مکمل آزادی تھی۔ نہ مسلمان کو نماز سے روکا گیا اور نہ ہندو کو پوجا سے۔ ملکی معاملات اور دنیوی معاملات میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک وتعاون کرتے رہے۔ ان میں اختلافِ مذہب کی بناء پر نہ آپس میں مخاصمت تھی اور نہ کوئی جھگڑا وفساد۔

ہندوستان کو یہی امتیاز حاصل تھا۔ لیکن انگریزوں نے ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی اختیار کی۔ ہندو اور مسلمان کو مذہبی بنیاد پر الگ کرنے کیلئے ایک دوسرے کے خلاف ہنگامہ وفساد برپا کرنے کی سازش کرتے رہے۔ ان حالات کو دیکھ کر ہندستان کے ہندو مسلم قائدین بیدار ہوئے اور آپس میں مل بیٹھ کر فیصلہ کئے کہ ہم ہندوستانیوں کو متحد ہونا چاہئے اور انگریزوں کی سازش کو ناکام بناتے ہوئے ان سے آزادی حاصل کرنا چاہئے۔ چنانچہ حصول آزادی کیلئے تمام قوموں نے مشترکہ جدوجہد کی۔ ہزاروں ہندو اور ہزاروں مسلمانوں نے اپنی جانوں کی قربانی دی۔

کئی صعوبتوں اور مصائب کو برداشت کرنے کے بعد آزادی ملی۔ آزاد ہندوستان کیلئے جو دستور مرتب کیا گیا اس میں تمام شہریوں کو اس بات کی ضمانت دی گئی کہ بلاکسی روک وٹوک ہرشہری اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے۔ اور آزادی کے

ساتھ اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکتا ہے اور تمام شہریوں کے حقوق بلا فرق و امتیاز ہونگے۔ دستوری ضمانت کے بعد وقفہ وقفہ سے ایسے فتنے پیدا کرنا اور مسلمانوں کو ان کے عقیدہ کے خلاف چیزیں اختیار کرنے پر مجبور کرنا دستور کے ساتھ ایک کھلواڑ اور دھوکہ ہے۔

''بھارت ماتا کی جے'' نعرہ لگانے کیلئے مجبور کرنے کا مطلب بالفاظ دیگر یہی ہیکہ تم بت پرستی کے دائرہ میں شامل ہو جاؤ۔ کیونکہ اس نعرہ میں زمین کو دیوی تصور کیا جارہا ہے۔ یہی معاملہ ''وندے ماترم'' کا بھی ہے جس میں شاعر کہتا ہے: ''میں تیرا بندہ ہوں''۔ظاہر ہیکہ مسلمان اپنے آپ کو خدا کے سوا کسی کا بندہ نہیں کہہ سکتا اور اس کو یہاں مجبور کیا جارہا ہیکہ تو غیر خدا کو خدا کہے' ایسا مشرکانہ قول مسلمان کیلئے ہرگز جائز نہیں بلکہ بالرضاء ایسا کہنے سے مسلمان کفر و شرک کا مرتکب قرار پاتا ہے اور دائرۂ اسلام سے باہر ہوجاتا ہے۔

اسلام نے روز اول ہی واضح کردیا ہے کہ (لا اکراہ فی الدین) یعنی مذہب کے بارے میں جبر و دباؤ نہیں۔ مذہب اپنی خوشی' علم و عرفان' عقیدت و محبت اور حق و صداقت کی بنیاد پر تسلیم کرنے کا نام ہے۔ اس لئے اسلام مذہب کے بارے میں تشدد کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام اگرچہ کہ بنیادی طور پر بت پرستی' کفر اور شرک کا مخالف ہے ۔لیکن اس کے باوجود اپنی غیر مسلم رعایا کو مکمل مذہبی آزادی دیتا ہے۔ مسلم سرزمین پر بھی ان کی جانب سے ان کے مذہبی رسوم انجام دیئے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا۔اسی طرح ان کی شادی بیاہ کے معاملہ میں بھی ان کو ان کے مذہبی عقیدہ پر عمل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

اسی طرح مسلمان بھی دوسروں سے مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ بھی ہمارے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کریں خصوصًا ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں ایسے ناروا اور ناعاقبت اندیش فیصلوں کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ ورنہ جمہوریت کا کوئی معنی و مطلب ہی نہ ہوگا۔

اہل انصاف سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اکثریت کے بل بوتے پر ناحق کو حق نہیں کہا جاسکتا اور نہ کسی کے حقوق سلب کئے جاسکتے ۔اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ زمام حکومت ہمارے ہاتھ میں ہے اور ہم کو اکثریت حاصل ہے' ہم جو چاہیں کرسکتے ہیں' تو یہ کسی آزاد جمہوری ملک کا طریق کار نہ ہوگا بلکہ جنگل راج ہوگا۔ جہاں ہر طاقتور کمزور کو ختم کردیتا ہے' نہ کسی کو حقوق ہیں' نہ کوئی ضابطہ ہے۔

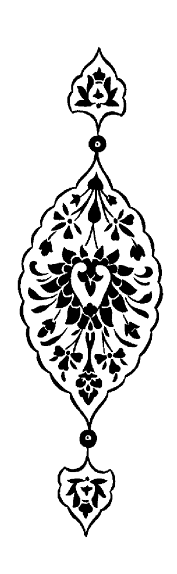
انسانی دنیا میں ایسا تصور نہیں کیا جاسکتا۔خصوصًا موجودہ ترقی یافتہ اور تعلیمیافتہ دور میں اس قسم کی باتیں زیب نہیں دیتیں ۔بلکہ آنیوالا مورخ ان واقعات پر جب قلم اٹھائے گا تو یہی لکھے گا کہ بعض فرقہ پرست اور اندھی فکر کے حامل گروپ اپنی ان نادانیوں کی وجہ سے ہندوستان کی ترقی کو روکتے رہے۔

ہندو مسلم کی تفریق کرتے ہوئے ہندوستان کو اقوام عالم میں رسوا کرتے رہے۔آج کل ملک کی ترقی کی فکر کے بجائے

خودغرضی اور مفاد پرستی کو ترجیح دیجارہی ہے تاکہ اقتدار باقی رہے۔ یہ کھیل تماشا کچھ دن چل سکتا ہے لیکن دھیرے دھیرے ہندوستانی عوام ان جعلسازیوں سے واقف ہوتے جارہے ہیں لیکن مایوس فکر والے کبھی آزاد فکر کے حامل نہیں ہوسکتے۔ جیسے مثل مشہور ہے کہ مینڈک اپنے کنویں کو کل کائنات سمجھتا ہے۔ اسکو باہر کی کچھ خبر نہیں۔

ہندوستان کی ترقی اسی بات میں مضمر ہے کہ یہاں رہنے بسنے والی تمام قومیں متحد ہوں اور ملک کی ترقی کیلئے مشترکہ جدوجہد کریں۔ اتحاد کیلئے ضروری ہے کہ ہر قوم اپنے آپ کو یہاں ہر اعتبار سے آزاد تصور کرے۔ اس کو کسی کی جانب سے دباؤ یا ظلم کا اندیشہ نہ ہو۔ کسی بھی مرحلہ میں اس کے انسانی یا مذہبی حقوق متاثر نہ ہوں۔ آپسی اتحاد کی یہ اصل بنیاد ہے۔ اس کے برخلاف کسی قوم میں اندیشے، شکوک اور شبہات پیدا ہوجائیں تو سامنے والے سے اتحاد کرنے میں بھی احتراز کرتا ہے اور اشتراک و تعاون میں بھی محتاط رویہ اپناتا ہے۔

تمام ہندوستانیوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے ملک کی ترقی کیلئے اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کریں۔ اور جو طاقتیں ان عظیم مقاصد میں رکاوٹ ہیں انکا مشترکہ مقابلہ کیا جائے۔ ہندوستان کو فرقہ واریت کے ناسور سے پاک کیا جائے۔ اور ہندوستان کی ہمہ رنگی خصوصیت کو باقی رکھا جائے۔



پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟

عالمی محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولوی کامل جامعہ نظامیہ

۱۔ تعریف و توصیف اس اللہ تبارک و تعالیٰ کی جو رب العالمین ہے۔ ہم اسی ہی کی پرستش کرتے ہیں اور اسی ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمارے پاک پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ انسانیت کی اصلاح و فلاح کے لئے کیا ہم اس کی تصدیق و توقیر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

۲۔ ''رب تعالیٰ جل شانہٗ کے پیغمبر'' کا تصور مختلف ممالک ' اقوام اور ادوار کے حوالے سے مختلف ہوسکتا ہے۔ اسلام میں انسان تمام مخلوقات سے اشرف و افضل ہے جب کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے پیغمبر' انسانوں میں سب سے زیادہ اشرف و افضل او کامل و اکمل ہیں۔ یقینی طور پر یہ بات انسانیت کے بہتر پہلوؤں کے تحت ہی سمجھی جاسکتی ہے۔

۳۔ انسانی زندگی دو عظیم شعبوں میں تقسیم ہے۔ ایک مادی جب کہ دوسرا روحانی ہے۔ ان دونوں شعبوں میں ہم آہنگی اور توازن پیدا کرنے کے لئے ایسی حیات مبارکہ کی عملی مثال دینا ہوگی جو فانی انسانوں کی رہنمائی کے لئے ایک

نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کے پہلے ہی روز سے تمام دنیا سے مخاطب ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک قوم یا کسی زمانے تک محدود نہیں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ و نسل اور سماجی و معاشرتی درجہ بندیوں کی غیر مساوی تقسیم کو تسلیم نہیں کیا۔ اسلام میں تمام انسان مکمل طور پر برابر ہیں اور ذاتی برتری کی بنیاد نیک اعمال و افعال پر ہے۔

مثالی نمونہ ہو۔

۴۔ تاریخ نے ایسے لا تعداد بادشاہوں، دانشوروں، ولیوں اور دوسرے ممتاز رہنماؤں کا ریکارڈ پیش کیا ہے، جن کی زندگیاں ہمارے لئے بہترین قابل عمل مثالیں ہیں۔ پھر آخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیوں کیا جائے جو کہ دوسرے انسانوں کی طرح ۱۴۰۰ سال قبل اس دار فانی سے کوچ فرما گئے اور اس دوران سائنس کی قابل قدر ترقی کے ساتھ ساتھ ہمارے حالات اور زندگی کے بارے میں ہمارے نظریات میں ٹھوس تبدیلیاں آچکی ہیں؟

۵۔ایک مسلمان کے لئے اس کا جواب انتہائی سادہ ہے کہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو کرے لیکن وہ افراد جو ابھی تک نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت (سوانح حیات) کی تفصیلات سے آگاہ و آشنا نہیں ہیں ان کے لئے چند حقائق کی یاد دہانی اہمیت کی حامل ہے۔

(الف) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نگرانی میں انتہائی قابل اعتماد انداز میں محفوظ کرنے کی خاطر تحریر میں لائی گئیں۔ دوسرے مختلف بڑے مذاہب کے بانیوں میں سے صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک نے خوش بخت نظریہ کے تحت وقتاً فوقتاً رب تعالیٰ جل شانہٗ کی جانب سے وحی اور احکامات کو نہ صرف اپنی امت کے افراد تک پہنچایا بلکہ اپنے کاتبوں کو لکھوایا اور یہ کہ اس کے کئی نسخے اپنے پیروکاروں تک پہنچانے کا محتاط و محفوظ انتظام فرمایا۔ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے تحفظ کا تعلق ہے یہ مسلمانوں کا مذہبی فریضہ بن گیا کہ وہ رب تعالیٰ جل شانہ کی جانب سے نازل ہونے والے کلام کے مختلف حصوں (اقتباسات) کو نمازوں میں تلاوت کریں۔ اس طرح اس متبرک کلام کا زبانی یاد کرنا لازم ہو گیا۔ یہ روایت بغیر کسی رکاوٹ کے جاری وساری رہی کہ رب کائنات کے کلام قرآن الحکیم کے تحریر شدہ نسخے محفوظ رکھے جائیں دوسرا یہ کہ انہیں زبانی حفظ کیا یہ دونوں طریقے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کی اس کی اصلی زبان میں مستند و معتبر ترسیل و تشہیر میں ایک دوسرے کے مددگار ثابت ہوئے ۔قرآن الحکیم اپنے مواد کے اعتبار سے ''عہد نامہ قدیم'' کی پہلی پانچ کتابوں مع ''عہد نامہ جدید'' کی پہلی چار کتابوں سے بھی زیادہ ضخیم ہے۔ چنانچہ اس امر میں حیرت و حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ قرآن الحکیم میں تمام شعبہ ہائے حیات کے بارے میں ہدایات موجود ہیں۔

(ب) پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، رب تعالیٰ جل شانہ کے نبی اور رسول کا اعزاز حاصل کرنے پر اپنی اجارہ داری کا اعلان نہیں فرماتے بلکہ اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام قوموں کے لئے پیغمبر بھیجے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے

چند کے نام بھی لئے ہیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام' حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ادریس علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جن پیغمبروں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لئے ہیں ان کے علاوہ اور بھی کئی پیغمبر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محض یہ دعویٰ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقانیت و واحدانیت کی بحالی کا کردار ادا کرنے آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ پیغمبروں کی تعلیمات کا احیاء چاہتے ہیں جو کہ حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا کے جانشینوں کی بدقسمت تاریخ کے دوران جنگوں اور انقلابات کے ذریعہ بے قدری وتنزلی کا شکار ہوئیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش قسمت ومقدس یادداشت کی بہت مضبوط ومستحکم اور غیر مصالحانہ توثیق وتصدیق یہ رہی کہ رب تعالیٰ جل شانہ کے کلام کی ترسیل وابلاغ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی برقرار رہی جس سے رب تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے مزید پیغمبر بھیجنے کی ضرورت نہ رہی۔ یقینی طور پر ہمارے پاس القران الحکیم اور الحدیث اپنی اصل زبان میں محفوظ ہیں۔

(ت) نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کے پہلے ہی روز سے تمام دنیا سے مخاطب ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک قوم یا کسی زمانے تک محدود نہیں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ ونسل اور سماجی و معاشرتی درجہ بندیوں کی غیر مساوی تقسیم کو تسلیم نہیں کیا۔ اسلام میں تمام انسان مکمل طور پر برابر ہیں اور ذاتی برتری کی بنیاد نیک اعمال وافعال پر ہے۔

(ث) انسانی معاشرے میں مکمل طور پر اچھے اور مکمل طور پر انسان شاذ ونادر ہی ہوتے ہیں۔ اکثریت کا تعلق متوسط درجے سے ہوتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھ کر اطمینان حاصل نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ''فرشتوں'' سے مخاطب ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام کا رخ بنیادی طور پر عام لوگوں اور فانی انسانوں کی بہت زیادہ اکثریت کی جانب رکھا۔ قرآن الحکیم کے الفاظ میں انسان کو ''اس دنیا کے اچھے حصے اور آخرت کے اچھے حصے'' کے حصول کے لئے کوشش وکاوش کرنی چاہئے۔

(ج) انسانی معاشرے میں عظیم سلاطین' عظیم فاتحین' عظیم مصلحین اور عظیم متقین کی کمی نہیں لیکن زیادہ تر افراد اپنے متعلقہ شعبے ہی میں مہارت اور قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ ان تمام اوصاف کا تمام پہلوؤں کے حوالے سے اجتماع صرف ایک ہی شخص میں ہونا۔ جیسا کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں ہے۔ نہ صرف بہت ہی نایاب وکمیاب ہوتا ہے کہ بلکہ۔۔۔۔ ہوتا ہے۔ جب معلم کو اپنی تعلیمات کو بذات خود عملی شکل دینے کا موقع ملتا ہے یعنی تدریس وتجربہ میں توازن پیدا ہوتا ہے۔

(ح) اتنا کہنا کافی ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مصلح کی حیثیت سے ایک مذہب کے بانی ہیں جو دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک ہے جس کا ہمیشہ شاندار و جاندار وجود رہا ہے۔ جس کا نقصان اس کے روزانہ کے فوائد وثمرات کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اپنے ہی بتائے گئے اصول وضوابط پر انتہائی ریاضت و استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہونے کے حوالے سے رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ بے داغ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک سماجی و معاشرتی منتظم کی حیثیت سے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ملک میں صفر سے سفر آغاز کیا جہاں ہر ایک شخص ہر دوسرے شخص سے برسر پیکار تھا۔ سرورکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی ریاست کی بنیاد رکھنے میں دس سال لگے جو تیں (۳۰) لاکھ مربع کلو میٹر سے زیادہ کے علاقے پر پھیلی ہوئی تھی اور جس میں تمام جزیرہ نمائے عرب کے ساتھ ساتھ فلسطین اور جنوبی عراق کے علاقے شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بڑی سلطنت کو اپنے جانشینوں کے لئے ورثہ میں چھوڑا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پندرہ سال کے عرصہ میں اسے یورپ، افریقہ اور ایشیاء کے تین براعظموں تک وسعت دے دی (طبری، جلد اول صفحہ ۲۸۱۷) فاتح کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی وعسکری مہمات میں دونوں جانب سے انسانی جانوں کے ضیاع کی کل تعداد چند سو افراد سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن ان علاقوں کی رعایا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کامل و اکمل تھی۔ درحقیقت رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسموں کی بجائے دلوں پر حکمرانی کی۔ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی کامیابی و کامرانی کا تعلق ہے کہ مکہ مکرمہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈیڑھ لاکھ (۱۵۰۰۰۰) پیروکاروں کے اجتماع سے خطاب کیا جب کہ ابھی تک مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس تاریخی موقع پر لازماً اپنے اپنے گھروں میں رہی ہوگی (کیونکہ ہر سال حج کرنا فرض نہیں ہے)۔

(خ) پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قوانین اپنے پیروکاروں کے لئے لاگو کئے اپنے آپ کو کبھی بھی ان قوانین سے بالاتر نہیں سمجھا بلکہ اس کے برعکس جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں سے عمل کی توقع ہوسکتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بڑھ کر عبادت و ریاضت کی۔ روزے رکھے اور رب تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں خیرات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصاف پسند تھے اور حتی کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ نرمی و ہمدردی سے پیش آتے تھے چاہے وہ امن کا زمانہ یا جنگ کا دور ہو۔

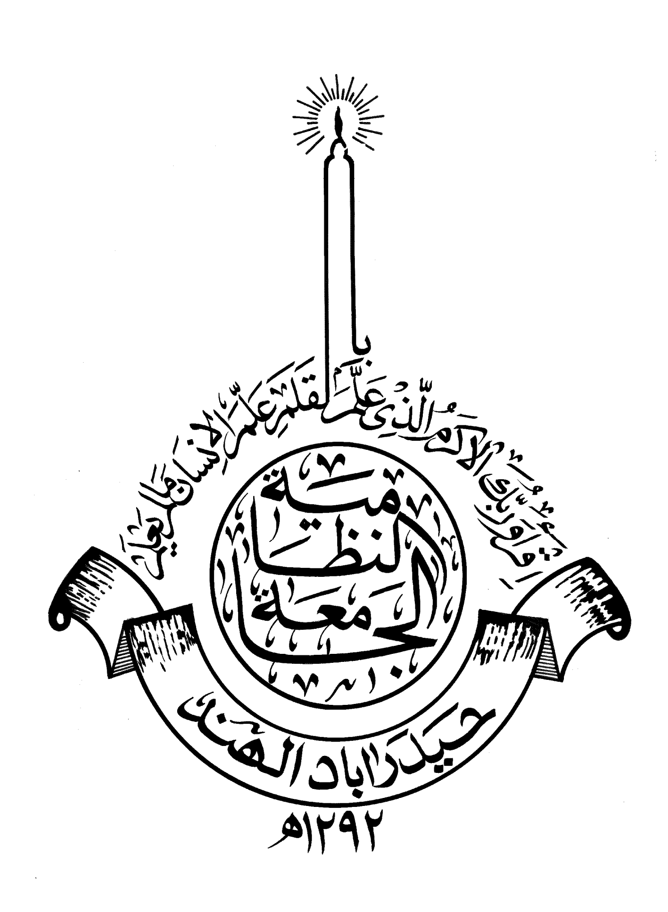
(د) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات زندگی کے ہر

شعبہ کا احاطہ کرتی ہیں یعنی عقائد' روحانی ' عبادات' اخلاقیات' معاشیات' سیاست الغرض وہ تمام کچھ جس کا انسان کی انفرادی یا اجتماعی روحانی و مادی زندگی سے ہے۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شعبہ ہائے حیات میں اپنے فعل وعمل کی مثال چھوڑی ہے۔

٦ ۔ چنانچہ کسی بھی فرد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے اس سے پہلے کہ وہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے۔

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی فرانسیسی تصنیف Leprophete de Islam مترجم پروفیسر خالد پرویز سے مستفاد)



قصیدہ بردہ شریف

چوتھی فصل کی عارفانہ تشریح

''فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد خواجہ شریف صاحب علیہ الرحمہ شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ نے اپنے وصال سے قبل قصیدہ بردہ شریف کی معرکۃ الآراء شرح قلمبند فرمائی؛ جو زیرِ طبع ہے۔ حضرت کی اس آخری قلمی یادگار سے چوتھی فصل جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال میلاد پر مشتمل ہے؛ ہدیۂ قارئین کی جارہی ہے''

یہ مبارک قصیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم کی محبت سے بھرپور ہے۔ یہ مبارک قصیدہ مسمی بنام قصیدہ بردہ شریف اوراس کے ناظم ھمام حضرت امام شرف الدین بوصیری کواللہ نے سارے عالم میں ایسی شہرت دی ہے دنیائے عالم میں روز روشن کی طرح سب جانتے ہیں یہ قصیدہ شہرت کی معراج کو پار کرگیا ہے

اس قصیدہ کے ناظم عارف باللہ امام شرف الدین بوصیری ہیں آپ ساتویں صدی کے نہایت بلند پایا شاعر ہیں آپ بمقام بوصیر بتاریخ یکم شوال ۶۰۸ ہجری مطابق ۷ مارچ ۱۲۱۳ء تولد ہوئے، اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ بمقام دلاص میں پیدا ہوئے، ایک روایت کے مطابق آپ کے والدین میں سے ایک کا تعلق بوصیر سے تھا، اور آپ کا تعلق

عنصر سے مراد ذات اقدس اور اس کا نسب ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت کے وقت جو انوار وتجلیات کا ظہور ہوا اور معجزات کا صدور ہوا اور جو نورانی احوال وکیفیات نمود ہوئے اور جو نور وکمال وجمال اور نورانی احوال دیکھے گئے آپ کی ذات عالی کی پاکیزگی کے براہین ودلائل ہیں۔

دلاص سے تھااس لئے آپ کو بوصیری اور دلاصی بھی کہتے ہیں۔

اس مبارک قصیدہ کونظم کرنے کی وجہ خودامام بوصری فرماتے ہیں مجھ پر فالج کا شدید حملہ ہوااور میرا آدھا جسم بے حس وحرکت ہوگیا تھا،کسی علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، مایوسی کے عالم میں میں نے آقائے عالم وعالمیاں رحمت للعالمین کی شان میں قصیدہ نظم کروں پھر میں نے قصیدہ لکھنا شروع کیا قصیدہ کے ختم پر مجھے نیند آ گئی خواب میں میری قسمت جاگ اٹھی آقائے دوعالم کا دیدار سے مشرف ہوگیا آپ تشریف ہوئے اور میں اپنا قصیدہ سنانے لگا، آنخضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس قصیدہ کو ساعت فرماتے ہوئے بہت سرور میں بعض ابیات پر جھومتے جارہے تھےاور یہ قصیدہ کے شعر **مبلغ العلم فیه انه بشر** کے بعد کا مصرعہ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم فرمانے لگے **وانه خیر خلق الله کلهم** اورقصیدے کے شعر **کما برات واصبا** پرآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنادست مبارک ناظم قصیدہ پر پھردیئے،اور چادر مبارک عطافرمائے اسی وقت آپ کا فالج اور ساری بیماری کافور ہوگئی اور شفایاب ہوگئے اور ناظم قصیدہ حضرت بوصیری جب صبح اٹھے تو نہایت صحت مند خوبرو تھےاور راستے میں لوگوں سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے رات میں جو قصیدہ حضور کی پیشی میں آپ نے سنایا تھا آپ وہ ہمیں سنائیں تو آپ نے کہا کہ تمہیں کیسے معلوم کہ میں نے کوئی قصیدہ سنایا ہے تو بزرگ نے کہا ''من بودم'' اس مبارک مجلس میں میں بھی حاضر تھا اور وہ قصیدہ **امن تذکر** سے شروع ہوتا ہے پھر کیا ہوا کہ وہ قصیدہ مبارکہ ہرزبان پر ہوگیا اس کی شہرت دنیا میں پھیل گئی۔

اَبَانَ مَوْلِدُهٗ عَنْ طِیْبِ عُنْصُرِهٖ

یَا طِیْبَ مُبْتَدَاٍ مِّنْهُ وَمُخْتَتَمِ

آپ کی ولادت باسعادت نے آپ کے نسب کی پاکیزگی کوظاہر کردیا۔

کس قدر پاکیزہ ہے آپ کی ابتداء اور اختتام۔

یہ چوتھی فصل میلاد شریف کے بیان میں ہے۔

مبتداء اور مختتم سے مراد استمرار ہے یعنی ہر وقت ہر زمان جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وسبحوہ بکرۃ واصیلا صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو، اس سے مراد ہمیشہ ہر وقت وہر زمان۔مبتداء ومختتم اسم ظرف ہے،عنصر اصل شیء مراد آپ کی ذات عالی اور نسب مبارک ہر پاکیزہ سے بڑھ کر پاکیزہ ہیں۔

امام بوصیری رحمہ اللہ اب تک رسول پاک آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان فرمارہے تھے تو شوق بڑھتا جارہا تھا آپ کے ابتداء کی کیفیت کو اور اس دنیا میں تشریف لائے اور عالم شہود میں آپ کے سرور کی تفصیلات جاننے کے لئے روح میں گدگدی اور شوق بڑھتا گیا تو آپ نے یہاں سے آپ کی ابتداء سے انتہاء تک آپ کے پاکیزہ احوال اور نورانی کیفیات بیان کرنا شروع کئے، یہ (۵۹) انساٹھواں شعر ہے آپ کی ولادت باسعادت کا ذکر شروع کرتے ہیں آپ کی پاکیزگی اور مہک بیان سے باہر ہے اس لئے ایسے موقعہ پر قاعدہ ہے مجمل پیرایہ میں بیان کا جاتا ہے۔

عنصر سے مراد ذات اقدس اور اس کا نسب ہے۔آپ کی ولادت باسعادت کے وقت جو انوار وتجلیات کا ظہور ہوا اور معجزات کا صدور ہوا اور جو نورانی احوال وکیفیات نمود ہوئے اور جو نور وکمال وجمال اور نورانی احوال دیکھے گئے آپ کی ذات عالی کی پاکیزگی کے براہین ودلائل ہیں۔

یا طیب مبتداء، ندا برائے تعجب ہے، یہ کسقدر تعجب خیز پاکیزگی ہے، اس نور کی کیفیت اور کمیت پر تم غور کرو اس کی ابتداء کا جب یہ حال ہے تو اس کی انتہاء اور اس کے اختتام کا کیا حال ہوگا۔اس مولود کریم کی کسقدر شان وعظمت ہے اور اس کے فضائل وکمالات مالا تعد ولاتحصی ہیں۔آپ کی ولادت مبارکہ کے موقعہ پر جو احوال عظمت نور کی کیفیات رونما ہوئیں بیان سے باہر ہیں، منجملہ ان کے چند لکھے جاتے ہیں:

(۱) حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: بوقت ولادت ایسی خوشبو اور مشام جان اور ساری فضاء معطر ہوگئی اور ایسا نور پھیلا کہ جس سے آسمان تک ہر شئی منور ہوگئی اور اس روشنی سے مجھے ملک شام کے محلات نظر آنے لگے اور آپ مختون اور ناف بریدہ تھے آپ کا جسد اطہر ہر قسم کی آلائش سے پاک تھا۔

حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادی بی بی صفیہ فرماتی ہیں: جو آپ کی پھوپی ہوتی ہیں بوقت ولادت بحیثیت دایہ وہاں موجود تھی وہ فرماتی ہیں میں نے بوقت ولادت چھ عجائبات دیکھیں۔(طیب الوردہ)

(۱) آپ ولادت کے ساتھ ہی سجدہ ریز ہوئے۔

(۲) پھر سر اٹھا کر لا الہ الا اللہ فرمایا۔

(۳) آپ کے جسم اطہر سے نور چمکا سر منور ہوگیا۔

(۴) حسب دستور میں غسل دینا چاہی تو آواز آئی اے صفیہ تکلیف مت کرو یہ پشت قدرت سے دئے کئے ہوئے ہیں۔

(۵) آپ مختون ناف بریدہ تھے۔

(۶) آپ کے دونوں شانوں کے درمیان (مہر نبوت) تھا جس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

امام قسطلانی نے کتاب مواہب لدنیہ میں طویل حدیث شریف کی تخریج کی ہے

ولادت باسعادت کے فضائل عجیبہ بکثرت احادیث شریفہ میں موجود ہیں، حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں: جس رات اللہ تعالیٰ نے نور محمدی علیہ الصلاۃ والسلام کو بطن آمنہ میں منتقل فرمایا وہ ماہ رجب کی شب جمعہ تھی اس رات اللہ تعالیٰ نے خازن جنت کو فرمایا کہ فردوس اعلیٰ کے دروازے کھولدو اور زمین وآسمان میں ندا کردیں کہ وہ نور جس سے رحمۃ للعالمین ظاہر ہونے والے ہیں وہ بطن آمنہ میں قرار پاگیا ہے۔قریش میں ان دنوں نہایت قحط سالی تھی، اچانک زمین سرسبز وشاداب ہونے لگی اور درخت ثمرآور ہوگئے تو عرب نے اس سال کا نام سنۃ الفتح والابتہاج رکھا۔(طیب الوردہ)

اور شرح شیخ زادہ میں ہے استقرار حمل کی رات تمام اصنام اوندھے گر گئے اور شیطان کا تخت اوندھا پڑ گیا اور

چالیس دن تک سمندروں میں غوطے لگاتا رہا پھر جبل بوقبیس پر آ کر چیخ مارا تمام شیاطین جمع ہوگئے۔ ان سے کہنے لگا تم پر ہلاکت ہواب یہاں محمد بن عبداللہ آ رہے ہیں وہ صنم پرستی کو ختم کردیں گے، لات وعزی کی پرستش کو ختم کردیں گے۔ توحید کا پیام دیں گے دنیا میں ہر سو توحید کا غلغلہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے استقرار حمل کی رات قریش کے تمام جانور بول اٹھے اور فصیح زبان سے کہنے لگے **حمل محمد ورب الكعبة وهو امان لاهل الدنيا**، اور مشرق سے مغرب کی طرف مغرب سے مشرق کی طرف وہ بشارت دیتے ہوئے دوڑنے لگے۔ **ابشروا فقد آن لابي القاسم ان يخرج الى الارض ميمونا مباركا طيبا طاهرا ابى خرامة اخرجت الناس يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر فيا طوبى بها.**

يَوْمٌ تَفَرَّسَ فِيْهِ الْفُرْسُ اَنَّهُمُ
قَدْ اُنْذِرُوْا بِحُلُوْلِ الْبُؤْسِ وَالنِّقَمِ

میلاد کے دن اہل فارس اپنی فراست سے جان گئے تھے کہ ان کو آگاہ کردیا گیا ہے کہ ان پر سخت مصائب اور بلائیں اتریں گی۔

یوم تفرس یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اس کا مبتداء **یوم ولادته** محذوف ہے۔ اس میں اور بھی احتمالات ہیں **تفرس** کہتے کسی چیز کو فراست سے معلوم کرلینا۔ فرس فا کو پیش ہے۔ فُرس فارس کی جمع ہے، اس سے مراد اہل ایران ہیں، جو مجوسی تھے آگ کی پوجا کرتے تھے ان کا شجرہ یہ ہے یہ اپنے والد کی دس سے زیادہ اولاد تھی، اور سب کے سب شہسوار اور بہادر تھے اسی لئے فرس نام پائے۔ اور دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ فارس فراست سے ہے فارس اس لئے بھی کہتے ہیں کہ یہ اہل فراست تھے کسی چیز کا اپنے فہم ونظر سے اندازہ کرلیتے تھے۔ اہل فارس کو ان کے کاہن پہلے سے کہتے آ رہے تھے کہ نبی آخرالزماں تشریف لائیں گے ان کے صحابہ اور ان کے مومنین کے دست مبارک پر تمہاری حکومت ختم ہوجائیگی یوم میلاد میں یعنی جس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور اس مبارک دن جو معجزات ارہاصات اور علامات نبوت ظاہر ہوئے اہل ایران کو اندازہ ہوگیا کہ ان کی حکومت زوال سے دوچار ہوجائیگی۔ ولادت مبارکہ کے مبارک دن میں ایران جو واقعات پیش آئے منجملہ ان کے ایران کے وائٹ ہاوز (سفید محل) کے بارہ کنگرے جھڑ گئے۔

(۲) ایک ہزار سال سے جلتے ہوئے آتش کدہ کی آگ سرد ہوگئی بجھ گئی۔

(۳) دریائے سادہ خشک ہوگیا۔

(۴) دریائے فرات بہنے سے رک گیا۔

یہ میلاد شریف کا دن تھا ان واقعات سے وہ جان گئے کہ ان کو حکومت کے زوال سے متنبہ کردیا گیا ہے ان پر شکست وریخت اور ذلت مسلط کردی جائیگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اہل

فارس کو اللہ تعالیٰ فراست عطاء فرمائی تھی لیکن انہوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا، آگ کی پوجا کرتے کفر وشرک میں مبتلاء رہتے آخر کار سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ایران پر مسلمانوں کا پہلا حملہ ہوا، اس وقت ایران کا آخری بادشاہ یزد جرتھا۔ رستم فوج کا کمانڈر تھا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص تھے آپ کے فوج میں سے ہلال بن علقمہ ہیثمی نے ایران کے کمانڈر رستم کو ختم کیا پھر مسلمانوں کو پہلی کامیابی عطا ہوئی، اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ماںقی کسر پوری ہوگئی پھر ایران بلاد اسلام میں شامل ہوگیا۔ (تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں دیکھیں)

فارس کی تعریف میں احادیث ہیں: **ان اللہ تعالیٰ من بین خلقه من العرب قریشا ومن العجم فارسا. اللہ** تعالیٰ سارے عرب میں سے قریش کو پسند فرمایا اور عجم میں سے فارس کو۔ (حوالہ)

ایک حدیث میں ہے ابعد الناس عن الاسلام الروم ولو کان الاسلام معلقا بالثر یالتنا ولہ رجال میں فارس (لوگوں میں اسلام سے بعید تر روم ہے اور اگر اسلام ثریا پر معلق ہوجائے تو فارس کے کچھ لوگ وہاں سے بھی اس کو لائیں گے۔ (حوالہ)

(یہ کام ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ کئے ہیں)

شب میلاد ایران کا ایک مشہور واقعہ ہے ہم اس کو مختصر لکھتے ہیں: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی شب ایران کا بادشاہ ابوشیروان ایک خواب دیکھا صبح پریشان ہوکر اٹھا اور تمام کاہنوں کو بلایا اور کہا میں آج ایک ایسا خواب دیکھا ہوں جو مجھے متحیر اور پریشان کردیا ہے تو میرا خواب سننے سے پہلے اس کی تعبیر دو تو نجومیوں نے کہا آپ اس طرح تعبیر لینا چاہتے ہوں تو کس کو سطیح راہب کے پاس بھیجئے وہ تعبیر دیگا تو بادشاہ نے عبدالمسیح نامی شخص کو سطیح کے پاس بحرین روانہ کیا پھر اس کی تعبیر دیا وہ خواب یہ تھا۔ عربی گھوڑے اس کے تمام شہروں میں بھر گئے ہیں اور عراقی اونٹ ہانکے جارہے ہیں اور اسے نکال رہے ہیں پھر اس خواب کی تعبیر دیا عربی گھوڑے ان کے اصحاب ہیں جن کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جو فارس کے شہروں میں داخل ہوکر ملک فارس اور چودہ کنگرے گرجانا کی تعبیر چودہ پشت تک یہ حکومت چلے گی پھر ختم ہوجائے گی۔ یہ تعبیر سن کر قوم ناراض ہوگئی اور سطیح کو قتل کرڈالا گیا اور چودہ پشت کی بات پر ان وک تھوڑی تسکین ہوئی مگر دیکھتے ہی دیکھتے (   ) سالوں میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں فارس پر حملہ ہوا اور مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ملک فارس سارا کا سارا مما لک محروسہ اسلامیہ میں شال ہوگیا اور دیار فارس سے کفر کا نام ونشان ختم ہوگیا۔

تفرس اور فرس میں تجنیس ہے۔

وَبَاتَ اَیْوَانُ کِسْرىٰ وَهُوَ مُنْصَدِعٌ

کَشَمْلِ اَصْحَابِ کِسْرىٰ غَیْرَ مُلْتَئِمِ

اور راتوں رات کسریٰ کا محل ٹوٹ کر ایسا ہوگیا جیسا کسری

کی جماعت ٹوٹ گئی اب وہ جمع ہونے والی نہیں ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی ولادت مبارک کے دن کسریٰ کا محل جو سفید سنگ مرد کا تھا نور (ج) برس تعمیر ہوا تھا، جس کے چھت کی بلندی سو گز کی تھی جس کے بارے میں وہ سمجھتے تھے کہ قیامت تک وہ نہیں ٹوٹے گا زمرد اور موتیوں سے اس پر نقاشی کا کام کیا گیا اور قیمتی جواہرات جڑے گئے تھے اور سونے کا پانی چڑھایا گیا تھا، میلاد مبارک کی رات میں اس میں ایسا شگاف آ گیا کہ اس کے (۱۴) چودہ کنگرے اچانک ٹوٹ کر گر گئے اور آٹھ (۸) باقی رہے، جو اس بات کو بتا رہے تھے کہ اس کی حکومت زوال پذیر ہوجائیگی، وہ نہایت مضبوط عمارت تھی وہ یہ سمجھتے تھے کہ قیامت تک پائدار رہے گی اچانک اس کے کنگروں کا جھڑ جانے سے ان کے دل دہل گئے اور رنج وغم سے دوچار ہوگئے اور ان کو اندازہ ہوگیا کہ ان کی یہ حکومت ختم ہوجائے گی۔

انصداع صدع سے پھٹ جانا پارہ پارہ ہوجانا۔ منصدع پارہ پارہ ہونے والا۔ ملتئم ملنے (لئام) سے ملنا، جڑنا، جڑنے والا غیر ملتئم نہ ملنے والا۔

کسری خسرو کا معرب ہے اس کے محل کے بارے میں شیخ عبدالرحمٰن بن محمد المعروف بابن مقلاش زہرانی نے بردہ بوصیر یہ شرح متوسط میں لکھا ہے کسری۔

کسری لقب تھا اہل فارس کے بادشاہ کا جیسے قیصر اہل روم کا اور تبّع اہل سیمن کا اور خاقان اہل ترک کے بادشاہ کا نجاشی اہل حبشہ کا اور لذریق اہل اندلس کے بادشاہ کا فرعون اہل مصر کے بادشاہوں کا اور شاہ اہل بابل کے بادشاہوں کا اور نمرود اہل کنعان کے بادشاہوں کا اور ایک قول میں بھلول ہندوستان کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ اور کنعان کے بادشاہ کا لقب نمرود ہے۔

اس میں لفظ کسری کی تکرار ہے اگر اسم ظاہر کی جگہ ضمیر لاتے تو اس میں دو احتمال تھے (ا) دو کسری کا ایک ہونے کا احتمال تھا حقیقت ایسی نہیں ہے پہلا کسری نوشیروان عادل بن قیاد ہے اور دوسرا کسری پرویز بن ہرمز ہے۔ ہوتا کہ مرجع ایوان ہو اور اس میں تو الی اضافات ہے۔ تو الی اضافت شعراء کے کلام میں موجود ہے، اور یہ عیب نہیں ہے۔

اور انصداع ایوان کو شمل اصحاب کسری سے تشبیہ دنیا بظاہر مطابق معلوم نہیں ہوتا کیونکہ چودہ کنگرے گرے تھے، اور شتات اصحاب صرف چودہ افراد میں تو یہ بہت تھوڑا اور معمولی ہے اس کا جواب یہ ہے، یہ تشبیہ نہایت مطابق ہے یعنی چودہ سلاطین پر یہ حکومت ختم ہوجائے گی اور اصحاب کسری کی جماعت جس طرح ٹوٹ ٹوٹ کر ختم ہوگئی اسی طرح یہ ایوان حکومت بھی ایسا ختم ہوجائے گا پھر مل نہیں سکے گا۔

بات افعال ناقصہ سے رات میں کسی چیز کا ہونا یہ واقعہ میلاد مبارک کی رات میں ہوا ایوان کسری کا اسم غیر ملتئم اس کی خبر میں زلزلہ کے وقت اس پر (۱۵۰) سال گزرے تھے۔ ایوان دارالمواہ جس میں بادشاہ اور اس کے ہمنشین وزراء بیٹھتے ہیں۔

وہو منصدع جملہ حالیہ ہے ہے، شمل سے مراد نظام

حکومت اور جماعت۔

الفاظ معانی وبلاغت:

بات افعال ناقص ہے اور اس کا عطف تفرس پر ہے اور بات کسی چیز کا رات کے وقت ہو جانا اور یہاں مراد شب میلاد مبارک ہے۔

ایوان، شاہی محل، دار المشورہ۔ انصداع ٹوٹ جانا۔ التئام مل جانا جڑ جانا۔

کسریٰ: ایران کے بادشاہ کا لقب اس کی جمع اکاسرہ۔ شمل جماعت (نظام)

اس میں مراعاۃ النظیر ہے کیونکہ دو تناسب ایوان اور شمل کو جمع کیا گیا ہے اس میں ایوان کسری کو شمل کسری سے تشبیہ دی گئی اس میں شبہ مشبہ بہ اور اداۃ تشبیہ مذکور ہے اس لئے یہ تشبیہ مفصل ومرسل ہوئی۔ وجہ شبہ عدم التئام ہے۔

مراعاۃ النظیر۔ تشبیہ مفصل مرسل

وَالنَّارُ خَامِدَةُ الْأَنْفَاسِ مِنْ اَسَفٍ

عَلَيْهِ وَالنَّهْرُ سَاهِي الْعَيْنِ مِنْ سَدَمِ

اور اہل فارس کی آگ کی سانسیں اس پر غم کے مارے سرد ہوگئیں اور دریائے فرات دہشت کے مارے بہنے سے رک گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک ساری دنیا کے لئے نوید مسرت لائی کہ اب اسلام کی روشنی آرہی ہے۔ کفر کی تاریکی چھٹ رہی ہے، اہل دنیا کے امن وسلامتی آرہی ہے، ظلم وبربریت ٹوٹ رہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات کفر کا زور ٹوٹا بتوں اوندھے گر گئے اور بت پرستوں پر دہشت طاری ہوگئی فارس کے بتکدہ کی آگ بجھ گئی جو آگ ایک ہزار سال سے دھک رہی تھی اس کو دہکاتے رکھنے اور بجھنے نہ دینے کے لئے بکثرت خدمتگار کام کرتے تھے۔ اور ایک قول میں وہ آگ دو ہزار سال سے جل رہی تھی، رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات اچانک اس کا بجھ جانا اس بات کی علامت تھی کہ آتش پرستی کو زوال ہے اور اس کا زور ٹوٹنے والا ہے۔ آگ کا یہ بجھنا قصر فارس کے ٹوٹنے اور اس کے اصحاب کی شتات وافتراق اور آتش پرستی کے زوال کے غم میں تھا، اور اسی رات نہر فرات جو وادی ساوہ میں واقع تھی جس کے کناروں پر بت پرستی اور بے حیائی کے اڈے تھے وہ بھی اسی شدت غم میں اپنا راستہ بھول گئی اور میدانوں میں چلی گئی۔

رنج وغم کی مختلف صورتیں ہیں منجملہ ان کے:

(۱) اسف حالت غصہ میں جو رنج ہوتا ہے (۲) کمد وہ غم جس کا اظہار نہیں کیا جا سکتا (۳) بث شدت غم (۴) غم یہ وہ غم جو نفس کو بے چین کر دیتا ہے (۵) سدم وہ غم ہے جو حالت ندامت میں ہوتا ہے (۶) اسیٰ (۷) لہف کسی چیز کے چھوٹ جانے کا غم (۸) وجوم وہ غم جو انسان کو ساکت وخاموش کر دیتا ہے۔ (۹) کآبہ غم زدہ انسان کی وہ بری حالت جس میں انسان ٹوٹ جاتا ہے (۱۰) ترح خوشی کی ضد

لغت میں نہر پانی کے بہنے کے نالے کو کہتے ہیں مگر مجازاً نالے میں بہنے والا پانی مراد ہے۔

اس شعر میں سہو (بھول جانے) کی نسبت مجازی ہے اور اس میں دو تشبیہات ہیں (۱) خامدۃ الانفاس میں آگ کو ایک انسان سے تشبیہ ہے اور ساہی العین میں نہر کو انسان کی آنکھ سے تشبیہ ہے اور ہر ایک میں مشبہ بہ کے لوازم کا ذکر کیا گیا خامدۃ الانفاس میں مشبہ بہ کا لوازم انسانوں کے انفاس کا ذکر اور ساہی العین میں مشبہ بہ کا لوازم میں سے عین (آنکھ) کا ذکر ہے۔

وہ آتش کدہ جس کی نے محسوس کرلیا کہ آتش پرستی ختم ہونے والی ہے، اور اس کو دہکانے والوں کا زوال آنے والا ہے۔ اس غم میں وہ بجھ گئی اور دریائے فرات کو معلوم ہوگیا کہ مستقبل قریب میں باطل بھاگنے والا ہے اور آتش پرستی بجھنے والی ہے عظیم انقلاب آنے والا ہے اس کی وجہ سے اس پر جو دہشت طاری ہوتی اس دہشت کے مارے وہ اپنی روانی کا راستہ بھول گیا اور اس کا پانی وادی سامرہ میں داخل ہوگیا اور وادی خشک ہوکر ایسی ہوگئی گویا زمین کھولائی گئی ہے اور آگ نکل رہی ہے۔

خامدۃ الانفاس میں استعارہ تصریحیہ ہے اور النہر ساہی العین میں استعارہ مکنیہ ہے یہ دونوں تشبیہات نہایت خوبصورت ہیں سر کی آنکھ سے نہر کی آنکھ کی طرف منتقل ہوکر آنکھ کی اسقدر غفلت کا ذکر کیا کہ پانی کے راستہ بھول کر دریا کے سوکھ جانے تک اس کو پتہ نہیں چلا۔

استعارہ تصریحیہ۔ استعارہ مکنیہ ہے۔

وَسَاءَ سَاوَةَ اَنْ غَاضَتْ بُحَيْرَتُهَا

وَرُدَّ وَارِدُهَا بِالْغَيْظِ حِيْنَ ظَمِى

اور ساکنان شہر ساوہ کو ان کے تالاب کا سوکھ جانا غمزدہ کر دیا اور اس پر آنے والے پیاسے کو غصہ سے ہی واپس ہونا پڑا۔

ہمدان: ساوہ ایک شہر کا نام ہے جو شہر ہمدان اور قم کے درمیان (ری) واقع ہے۔ اس میں ایک تالاب تھا جو چھ میل لمبا اور چھ میل چوڑا تھا وہ موجیں مارتا تھا اس میں اطراف واکناف کے علاقوں کی کشتیاں چلتی تھیں اس کے اطراف بہت سی نہریں تھیں اور اس کے اطراف چمن سرسبز وشاداب باغات اونچے اونچے سایہ دار اور پھل درخت تھے اور اس کے اطراف مشرکین کے معابد کنائس اور بت خانے تھے وہ کفر وشرک اور نفس پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے جس مبارک ساعت میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی میلاد مبارک اور تشریف آوری ہوئی تو آتش پرستوں پر ذلت کے بادل چھاگئے ان کا ہزار سال کا آتش کدہ بجھ گیا اس میں اس میں ان کا بڑا تالاب خشک ہوگیا، نہریں سوکھ گئیں اطراف کی شادابی ختم ہوگئی، اور چرند و پرند سب وہاں سے نکل گئے وہاں صرف وحشت رہ گئی اور ذلت چھاگئی یہ سب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہوا اللہ تعالیٰ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

ساء (غمگین کردیا) یہ فعل ماضی ہے ساوۃ کو فتحہ (زبر) ہے یہ مفعول بہ ہے اور مضاف الیہ ہے، اس کا مضاف اھل

محذوف ہے یعنی اہل ساوۃ ہے اوران **غاضت** بتاویل مصدر فاعل ہے، یعنی اہل ساوہ کو بحیرہ تالاب کے پانی کا سوکھ جانا غمزدہ کردیا اور جولوگ پانی کے لئے اس تالاب پرآتے تھے ان کو پانی سے محروم ہوکر جانا پڑا ہے۔ بالغیظ غصہ سے مراد محروم ہوکر واپس ہونا پڑا۔

اسی طرح ایک اور تالاب بحیرہ طیر یہ بھی تھا اس کے اطراف بھی سونے چاندی سے منقش گرجے کنائس تعمیر کئے گئے تھے وہاں بھی بت پرستی کفر وشرک اور بے حیائی کی مستی تھی۔ آپ کی ولادت مبارکہ کے موقعہ پر وہ تالاب بھی سوکھ گیا خشک ہوگیا یہ سب اس بات کی علامت تھی کہ اب یہ کفر وشرک کے مرکز ختم ہونے اور ٹوٹ جانے والے ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں اسلام کا سورج ہر طرف طلوع ہوا کفر کی اندھیری راتیں جاتی رہیں۔

غاضت بحیرتها: اسناد مجازی ہے، **غاضت** متعدی ہے اس کا مفعول **ماء ھا** محذوف ہے، **غیض** کی نسبت بحیرہ آبادی کی طرف مجازا ہے۔ ایک دوسری روایت میں **غیضت** ماضی مجہول ہے۔

بالغیض میں باءسببیہ ہے پانی کے غصہ کے سبب سوکھ جانا۔ **ظمی** پیاسا ہوا باب سمع سے ماضی معروف ہے، قافیہ کی رعایت کے لئے ی کو ساکن کردیا گیا۔

رُدّ: ماضی مجہول ہے، معنی میں رجع ہے، لازم کی جگہ متعدی لانے میں تحکم اور غلبہ ہے اس میں بلاغت ہے کہ اس کو قہر کے ساتھ لوٹایا گیا۔

اور بعض حضرات نے اس شعر میں ساءساوۃ اور **غاضت بالغیض** میں تجنیس قرار دیا ہے۔

لیکن علامہ ابومقلاش دحرسانی فرماتے ہیں اس میں تجنیس نہیں ہے، تجنیس کے تمام شرائط پائے نہیں جاتے۔ اور ساءساوۃ میں نسبت مجازی ہے اور ساوہ کہہ کر اہل ساوہ مراد لیا گیا ہے اس لئے یہاں غیض سے مراد پانی کا ختم ہوجانا اور خشک ہوجانا ہے۔ اور علاقہ محلیت کا ہے اس لئے یہ مجاز مرسل ہے۔

كَأَنَّ بِالنَّارِ مَا بِالْمَآءِ مِنْ بَلَلٍ
حُزْنًا وَّ بِالْمَآءِ مَابِالنَّارِ مِنْ ضَرَمٍ

گویا غم کے مارے آگ میں پانی کی تری آگئی اور پانی میں آگ کے شعلے آگئے۔

جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی تو آتش پرستوں کی حالت غم کے مارے الٹ پلٹ ہوگئی کہ ان کے آتش کدے ایسے بجھ گئے کہ وہاں پانی کی تری آگئی اوران کے پانی کے تالاب اور ندیاں نالے ایسے خشک ہوگئے کہ وہاں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ کفر وشرک کے قلعے مسمار ہونے لگے، ان کی شادابی خشک سالی سے بدل گئی اوران کے آتش کدوں میں سردی آگئی۔

اس شعر میں حسیں استعارے ہیں، پانی کا اپنی صفت ٹھنڈک کو چھوڑ کر آگ کی صفت بھڑکنے کو اختیار کرلیا اور آگ نے اپنی صفت بھڑکنے کو چھوڑ کر پانی کی صفت ٹھنڈک کو اختیار

کرلی۔اہل فارس جس چیز کوعظیم قرار دیتے اور تعظیم کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کوادنی ترین اور خسیس ترین کردیا، اس میں عکس وتبدیل ہے۔

آگ جس کی پوجا کرتے تھے اس کی طبیعت کے لحاظ سے اس کوگرم رہنا چاہئے تھا مگر وہ سرد ہوگئی اور راکھ بن گئی اور پانی جس کوٹھنڈا اور خوشگوار ہونا چاہئے تھا تا کہ پیاسے کے کام آئے اور پیاسے کی پیاس بجھے مگر وہ گرم ہوگیا، اورحزنا مفعول لہ ہے اس سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ آگ اور پانی نے اپنی صفت وہیئت کو جو بدلا ہے وہ اس کی پوجا کرنے والوں کواور اس کورب ماننے والوں کے عقیدے کے ابطال کیلئے ہے کہ تم اس کوآب مت سمجھو دیکھو حالت بدل گئی ان کا مخالف ان پر چھا گیا یہ خدانہیں ہوسکتے تم اللہ کی وحدانیت پرایمان لاؤ، اب حق کا غلبہ ہونے والا ہے توحید کی روشنی چارسو پھیلنے والی ہے۔

کان بالنار میں جار مجرور خبر مقدم ہے، اور ما بالماء کا من اسم مؤخر ہے۔اور لفظ من بیان جنس کے لئے ہے۔ ما بالماء اور ما بالنار میں الف لام عہدی ہے۔

اوراس شعر میں النار (آگ) کو ماء سے اور الماء (پانی) کونار (آگ) سے تشبیہ دی گئی ہے اوراداۃ تشبیہ مذکور اس لئے یہ تشبیہ مرسل ہے۔

وَالْــجِــنُّ تَهْتِفُ وَالْاَنْـوَارُ سَــاطِـعَةٌ

وَالْـحَـقُّ يَـظْهَــرُ مِـن مَّـعْـنًـى وَمِنْ كَلِمِ

اور جنات بلند آواز سے اعلان کرنے لگے اور روشنیاں چمکنے لگیں اور حق الفاظ ومعانی یعنی حال وقال سے ظاہر ہونے لگا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی جب ولادت باسعادت ہوئی تو سارے آفاق روشن ہوگئے زمین وآسمان میں نور پھیلا اور تیز رفتار مخلوق جنات دنیا میں مشرق سے مغرب کی طرف اور مغرب سے مشرق کی طرف اعلان کرتے جانے لگے کہ رحمت للعالمین تشریف لائے ہیں نور مبین کا ظہور ہو چکا ہے ایمان کی روشنی پھیل رہی ہے کفر کا محل ٹوٹ رہا ہے۔

اور روم سے ایران تک مشرق سے مغرب تک ہر طرف روشنی پھیلنے لگی ہے شمس نبوت طلوع ہو چکا ہے اس کی روشنی سے عالم منور ہونے لگا ہے۔طبقات ابن سعد میں روایت ہے:

عن امه قالت لما ولدته خرج منى نور اضاء له قصور الشام فولدته نظيفا ولدته كما ولد السخل ما به قذر ووقع الى الارض وهو جالس على الارض بيده.

آپ کی والدہ فرمائیں جب آپ کی ولادت ہوئی تو مجھ سے ایسا نور چمکا اس سے ملک شام کے محلات روشن ہوگئے آپ صاف ستھرے پیدا ہوئے جیسا........کا بچہ کسی قسم کا کوئی میل نہیں تھا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے چچا محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمائے:

(شعر)

وانـت لـمـا ولـدت اشـرقـت الار

ضُ وضــاء ت بــنـورک الافـق

فـنـحـن في ذلک الـضـيـاء وفي النو

ر وسبـل الـرشـاد تـخترق

آپ کی ولادت باسعادت ہوئی زمین اور آفاق منور ہوگئے اور ہم اسی روشنی اسی نور میں اور بھلائی کے راستوں پر چلتے ہیں۔

اس شعر میں تین جملے ہیں ناظم ہمام کا کمال ہے ان تین جملوں یں بکثرت علامات کو جمع کر دیا ہے۔ پہلا جملہ والجن تہتف اور دوسرا جملہ والانوار ساطعۃ تیسرا جملہ والحق یظہر من معنی ومن کلم۔

پہلے جملے میں ہتاف عام ہے بیداری میں ہو یا خواب میں چنانچہ دونوں حالتوں میں جنت مشرق سے مغرب، مغرب سے مشرق کی طرف اعلان کرتے رہے کہ نبی تشریف لائے ہیں، والانوار ساطعۃ بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھے مشرق ومغرب سب دکھائے گئے یہاں تک کہ شہر بصرہ ملک شام کے شاہی محلات دکھائے گئے، مشرق ومغرب میں حتی کہ کعبۃ اللہ کے اوپر جھنڈے نصب کئے دکھای گئے۔ اور انوار سے حسی اور معنوی دونوں مراد ہوسکتے ہیں یہ تو حسی انوار تھے۔ معنوی انوار قلوب ویقین واطمینان کی کیفیات ہیں۔

والحق یظہر: ہر آئے دن حق کا ظہور ہوتا جارہا تھا جمادات گواہی دینے لگے اور آپ کی خدمت بجائے کنکریاں آپ کی مٹھی میں تسبیح کرنے لگے، ایسے بے حساب علامات کا ظہور ہوتا گیا جس سے دلوں میں اطمینان اور یقین کی روشنی پیدا ہوتی گئی، معنی سے آپ کے احوال اور کلم سے آپ کے اقوال سب آپ کی گواہی دے رہے تھے۔

اور شفاء میں ہے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں **لما ولدته ...... خرج مني نور اضاء له من رحمي نورا اضاء له قصور الشام فولدته نظيفا، ولدت كما يولد السخل ما به قذر ووقع الى الارض وهو جالس على الارض بيده (طبقات ابن سعد)** اور . اور آپ کی ولادت ایسی پاک وصاف ہوئی جیسے .... کی ولادت ہوتی ہے جس پر کسی قسم کی گندگی اور ناپا کی نہیں تھی، اور اپنے دست مبارک کے سہارے سے زمین پر تشریف فرما تھے، آپ کی ولادت کے وقت میرے رحم سے ایسا نور چمکا جو ملک شام کے محلات کو روشن کر دیا۔

هتف يهتف. ایسی آواز کہ آواز دینے والا دکھائی نہ دے۔ جن وہ مخلوق ہے جو آگ سے پیدا کی گئی جو اشکال بدل سکتے ہیں جنات کی بھی بہت سے قسمیں ہیں۔ جن (ج ن ن) کے مادہ میں پوشیدہ رہنے کا مفہوم ہے چنانچہ جنین وہ بچہ ہے جو رحم مادر میں مستور رہتا ہے۔ جنات انسانوں کی نظروں سے چھپے ہوئے رہتے ہیں اسی طرح جنت باغ کو کہتے ہیں جس کے گھنے درختوں یا اس کے اطراف کی باونڈری کی وجہ چھپ جاتا ہے۔ جنان (ج کو کسرہ) دل جو چھپا ہوا ہے۔ جنات بھی شریعت اسلامیہ کے مکلّف ہیں ان میں مومن اور صالحین واولیاء کرام بھی ہیں اور کافر ومشرک آوارہ، بدمعاش بھی ہیں۔ یہاں الجن سے نفس جن مراد ہیں مومن جن خوشخبری

سنانے گئے اور وہ کافر جن اپنی قوم کو صنم پرستی کے ختم ہونے سے ڈراتے رہے، قرآن مجید میں ہے **وان لمسنا السماء فوجدناھا ملئت حرسا شدیدا و شھبا** (الایۃ سورۃ الجن) اور یہ ہواتف میلاد شریف کے وقت اور بعثت کے وقت دونوں مواقع پر بھی ہو سکتے ہیں۔

والانوار ساطعۃ. حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ولادت کے موقعہ پر میں دیکھی ایک ایسا نور چمکا کہ ملک شام کے محلات روشن ہوئے اور نظر آنے لگے اور ہر طرف ایک جھنڈا نصب کیا گیا اور کعبۃ اللہ پر بھی ایک جھنڈا نصب کیا گیا، والانوار ساطعۃ سے ارہاصات اور معجزات بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

معنی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے صفات واحوال اور کلم سے مراد کلمات اللہ قرآن مجید اور آپ کے اقوال ہیں۔

اس شعر میں تذییل ہے یعنی استدلال کو استدلال کے ذریعہ مضبوط کرنا اور مراعات النظیر بھی ہے بہت سے مناسبات جمع ہیں اور اس میں دو چیزوں کو ایک حکم میں جمع کیا گیا ہے یعنی کلم اور معنی دونوں کا حکم ایک ہے یعنی دونوں اظہار حق کے لئے ہیں اس میں عکس وتبدیل بھی ہے وہ اس طرح کہ پہلے کلم سے آغاز ہے **والجن تھتف** بھی معنی کا ذکر ہے **والانوار ساطعۃ** پھر اس کا عکس لایا گیا پہلے **والحق یظھر من معنی** ہے پھر **ومن کلم** ہے ترتیب کو بدل دیا گیا۔

اور اس شعر میں ارصاد بھی ہے ارصاد یعنی ایسی بات بولنا کہ خود بخود اس کے بعد کا لفظ زبان پر آجائے جیسے والحق یظھر من معنی بولتے ہیں ومن کلم خود بخود آجاتا ہے ارصاد قوت فکر پر دلالت ہے۔

مولای صل وسلم دائما ابدا

علی حبیبک خیر الخلق کلھم

بہر حال آپ کی میلاد شریف کے موقعہ پر خلاف عادت ایسے امور ظاہر ہوئے جس سے اس بات کا اعلان تھا کہ اب نور آنے والا ہے کفر کی ظلمت اور باطل کا اندھیرا چھٹنے والا ہے مگر جو لوگ دل کے اندھے تھے وہ دیکھ نہیں رہے تھے۔ معنی وکلم میں بہت سے مطالب ہیں، معنیً سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے صفات اور کلم سے مراد قرآن مجید ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے اقوال وسنت یہ کلمہ کی جمع ہے۔ یعنی قرآن کریم اور حدیث شریف دونوں سے حق ظاہر و باہر ہو رہا ہے۔

والحق یظھر الخ. حق سے مراد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور معنی سے مراد آپ کی ولادت کے وقت کی آیات ونشانیاں ہیں اور من کلم سے مراد جنات کے جگہ جگہ اعلانات ہیں۔

عَمُوا وَصَمُّوا فَاِعْلَانُ الْبَشَائِرِ لَمْ
تُسْمَعُ وَبَارِقَۃُ الْاِنْذَارِ لَمْ تُشَمِ

کفار اندھے اور بہرے ہوگئے نہ خوش خبری کا اعلان سن

سکےاور نہ ڈرانے کی بجلی کو دیکھ سکے۔

اس شعر میں حضرت بوصیری ناظم ہمام ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ان تمام براہین ودلائل اور کھلے معجزات کے باوجود کفار کیوں اسلام قبول نہیں کئے، تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے موقعہ پر ظہور حق کی جوروشیاں ہر طرف چمکنے لگیں اور سید المرسلین کی آمد مبارک کی خوش خبری کا اعلان ہونے لگا اور باطل طاقتوں کے ٹوٹنے اور کفر وشرک کے مٹنے کی جو علامتیں نمودار ہورہی تھیں وہ اس کو نہ سن سکے نہ دیکھ سکے تھے، کیونکہ وہ دل کے اندھے اور دل کے بہرے ہوگئے تھے، وہ ظاہر میں صاحب سماعت وبصارت اور بینا اور؟؟ نظر آرہے تھے مگر باطن میں اندھے بہرے تھے۔ان کے دل مردہ ہوگئے تھے جس کی وجہ سے وہ ان کی اندرونی طاقتیں دل کی سماعت اور دل کی بینائی وغیرہ ختم ہوگئی تھیں، ان پر مہر لگ گئی تھی، یہ سب ان کے کرتوت اور سیاہ اعمال کا نتیجہ تھا۔

یہاں اندھا اور بہرہ ہونے سے مراد دل کا اندھا بہرا ہونا مراد ہے۔دل کا اندھا بہرہ ہونے سے مراد حق کو دیکھتے ہوئے اور سنتے ہوئے بھی قبول نہ کرنا ہوتا ہے۔

عموا وصموا میں ضمیر فاعل ہم کا مرجع کفار ہے اگرچیکہ یہ اہل فارس کے ذکر کے بعد ہے مگر قرینہ دلالت کرتا ہے عام کفار معاندین مراد ہیں۔

اس شعر میں ناظم فاہم کا مقصود یہ ہے کہ حق اسقدر ظاہر ہونے اور دلائل وبراہین قائم ہونے کے باوجود ان کا اسلام نہ لانا اسلئے ہے کہ وہ دل کے اندھے بہرے ہوچکے ہیں۔

اس شعر میں مراعاۃ النظیر ہے اور اس میں لف ونشر غیر مرتب ہے عموا کا ذکر پہلے ہے اور صموا کا ذکر بعد میں ہے مگر اس کی تفسیر میں صموا کا ذکر پہلے اور عموا کا ذکر بعد میں ہے۔ارشاد خداوندی ہے **لهم اعين لايبصرون بها ولهم اٰذان لايبصرون بها فانهم كالانعام وانها لاتعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدر.**

عموا وصموا میں مجاز ہے، اور دونوں میں دو استعارے تصریحیہ اور تبعیہ ہیں، اور مراعاۃ النظیر ہے اندھے وبہرے سے یہاں مراد آنکھ وکان سے فائدہ نہ اٹھانا ہے **بارقة الانذار.** میں **بارقة** سے مراد چمک اور بجلی، انذار ڈرانا آگاہ کرنا مراد معجزات کا ظہور۔**بارقة** یا مصدر ہے یا اسم فاعل بھی ہوسکتا ہے۔

لم تسمع. یہ لفظ واحد مذکر غائب **لم يسمع** اور واحد مؤنث غائب **لم تسمع** دونوں طرح پڑھا گیا صیغہ مذکر میں ہوکا مرجع اعلان اور صیغہ مونث میں ہی کا مرجع بھی اعلان ہوگا کیونکہ اضافت بشائر کی طرف ہونے سے وہ بھی مؤنث کی تاویل میں ہے۔

عموا وصموا دل کا اندھا اور بہرا ہونے اور آنکھ وکان کے اندھا بہرا ہونے کے مفہوم میں فرق یہ ہے آنکھ وکان کا اندھا بہرا ہونا حسی ہے اور دل کا اندھا ہونے سے مراد قبول نہ

کرنا ہے۔

لم تشم. مضارع مجہول، مادہ شیم اجوف یائی ہے لم جازمہ آخر کو جزم ہے، قافیہ کی وجہ سے اس کو کسرہ دیا گیا۔

الفاظ ومعانی وبلاغت:

عموا باب سمع مادہ عمی ناقص یائی۔

صموا: مادہ صمم مضاف۔

فاعلان میں فا استنافیہ ہے۔ **اعلان** باب افعال سے مصدر ہے اگر ہمزہ کو زبر (فتحہ) پڑھیں تو یہ علن کی جمع ہے اس کے معنی اعلان کے ہیں۔

انذار. **اعلام مع التخویف،** ڈرانا اور اطلاع کرنا مراد آگاہ کرنا۔

بارقة: چمک اس میں ۃ مصدر کی ہے یا اسم فاعل اور مونث ہے انوار کی صفت **لم تشم** نفی جحد بلم مجہول مادہ شیم اجوف یائی۔

اس میں مراعاۃ النظیر' استعارہ تصریحیہ' استعارہ تبعیہ' لف ونشر غیر مرتب (مشوش) ہے۔

مِنۡ بَعۡدِ مَا اَخۡبَرَ الۡاَقۡوَامَ كَاهِنُهُمۡ

بِاَنَّ دِيۡنَهُمُ الۡمُعۡوَجَّ لَمۡ يَقُمِ

اقوام عالم کو ان کے کاہن خبر دینے کے باوجود کہ ان کا تیڑا دین قائم نہیں رہے گا۔ (اندھے بہرے بنے رہے ایمان نہیں لائے)

ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردے پڑ گئے تھے ان کے کاہنوں نے بھی ان کو بتا دیا تھا کہ تمہارا دین جو تیڑا ہے تم نے اس میں تبدیلی اور تحریف کر لیا ہے اب وہ باقی رہنے والا نہیں ہے اور اب وہ وقت آچکا ہے جس کا عالم کو انتظار ہے رحمۃ للعالمین شریعت شہباء اور ملت بیضاء لیکر تشریف لانے والے ہیں اہل ارض وسماء کے لئے سعادت کا روشن سورج طلوع ہو رہا ہے، اور ظلمت کفر وشرک کافور ہونے والی ہے، کاہن سے مراد وہ لوگ ہیں جو شیاطین اور جنات سے یا نجوم کے ذریعہ غیب کی خبریں لوگوں کو بتاتے تھے لوگ ان کے پاس چلے آتے تھے، اس دور میں کاہنوں کا زور تھا اور عرب میں کاہنوں میں دو بڑے مشہور تھے۔ (۱) سطیح سین کو زبر (فتحہ) طاء کو کسرہ اور (۲) ینوبان (ی ن و ب ان) مسطیح کا قصہ گزر چکا ہے۔ دوسرا کاہن ینوبان کے پاس بھی گئے اور اس سے مشورہ کئے کہ جو مولود مبارک کی ولادت باسعادت ہوئی ہے اس کو شہید کر دینے کے بارے میں مشورہ کئے تو اس نے بتایا تم یہ کام نہیں کر سکتے تم کو اس پر قدرت نہیں ہے۔ سیرت ابن ہشام، دلائل النبوہ للبیہقی وغیرہ)

دینھم میں دین کی اضافت ہم ضمیر کی طرف اس دین کی خساست کے لئے ہے یہ ان کا اپنا بنایا ہوا دین ہے معوج باب افعلال سے اسم فاعل ہے اور دین کی صفت ہے، ان کا دین اس لئے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ دین ان کا گھڑا ہوا دین ہے جو قائم نہیں رہے گا۔ لم یقم اب وہ نہیں اٹھے گا یعنی قائم نہیں رہے گا۔

دینھم المعوج: میں استعارہ مکنیہ ہے ان کے غلط

دین کو ٹیڑھے نیزے سے تشبیہ دی گئی وجہ شبہ دونوں میں صلاحیت کا نہ ہونا پھر اس کے لوازم میں سے اعوجاج کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے یہ استعارہ مکنیہ ہے۔

اس شعر میں ناظم ہمام کا مقصد منکرین کی شناعت اور ان کے عناد وتکبر کو بتا تا ہے کہ ان کے کاہن جن پر یہ لوگ اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے وہ کاہن خود ان کو بتا رہے تھے کہ ان کا اپنا بنایا ہوا باطل دین اب ختم ہو جائے گا آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے مگر اس کے باوجود وہ لوگ ایمان نہیں لا رہے تھے۔

خصائص کبریٰ میں کاہنوں کے بہت سے واقعات منقول ہیں، ایک بت جس کا نام سواع تھا، بنی ظفرہ کے کچھ لوگوں نے اس پر کچھ بھینٹ چڑھانے کے لئے راشد بن عبداللہ کو بھیجا، راشد فرماتے ہیں کہ جب میں صبح کے وقت اس کے پاس پہونچا تو اس بت سے میں نے یہ آوازیں سنیں **العجبُ کلَّ العجب من خروج بنی عبد المطلب یُحرّمُ الزِّنَا والربـاء والذَّبح للاصنامِ وحُرستِ السماءُ ورُمینا بالشُهب** تعجب پر تعجب ہے ایک بنی کے ظہور پر جو عبدالمطلب کی اولاد سے ہوں گے اور وہ زنا کو سود کو اور بتوں کے لئے جانوروں کو ذبح کرنے کو حرام کر دیں گے آسمان سے خبروں کو سننا بند کر دیا گیا اور ہم پر شہب (انگار کے شعلے) پھینکے گئے ہیں۔اور وہیں ایک اور بت تھا جس کا نام ضمار تھا اس کے اندر سے یہ آواز آنے لگی **ترک الضمار وکان یعبد وخرج احمد نبی یصلی الصلوة ویامر بالزکوة والصیام والبر والصلة للارحام** اور ایک تیسرا بت بھی تھا اس سے یہ آواز آئی **ان الذی ورث النبوة والھدی بعد ابن مریم من قریش مھندی بنی یخبر ما سبق وما یکون في غد** حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد جو ہدایت ونبوت کے وارث ہیں وہ قبیلہ قریش کے ہیں والے ہیں اور گزشتہ کی اور آئندہ کی خبریں دینے والے ہیں۔

مواہب میں حضرت عائشہ سے ایک روایت منقول ہے مکہ معظّمہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس رات حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی ولادت ہوئی اس کی صبح اس نے کہا یا **معشر قریش ھل ولد فیکم اللیلة مولود الخ** (طویل عبارت ہے اس کا ترجمہ درج ذیل ہے) اے جماعت قریش کیا تم میں آج کی رات کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے تو انہوں نے کہا ہم کو نہیں معلوم تو اس نے کہا دیکھو آج کی رات اس امت کے نبی پیدا ہوئے ہیں ان کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت (مہر نبوت) ہے وہ واپس لوٹے اور دریافت کئے تو ان سے کہا گیا کہ (حضرت) عبداللہ بن عبدالمطلب کو ایک لڑکا پیدا ہوا ہے تو وہ یہودی ان کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ کے پاس جاتا ہے۔آپ کی والدہ نے ان کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کیا اور اس یہودی نے جب آپ کی زیارت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت کو دیکھا تو بیہوش ہو کر گر پڑا پھر کہا نبوت بنی اسرائیل سے جاتی رہی اے جماعت قریش سنو خدا کی قسم اس بچے کی سطوت وعظمت

سب پر غالب آجائے گی اور اس کی خبر مشرق و مغرب تک چھا جائیگی، ناظم ہمام اس شعر میں اہل شرک وکفر پر انتہائی شقاوت وبدبختی کا اظہار کررہے ہیں کہ حق کی اسقدر واضح علامات کے ظہور کے باوجود وہ ایمان نہیں لا رہے، عناد وہٹ دھرمی پر تلے ہوئے ہیں۔

ناظم ہمام کا مطلب یہ ہے کہ وہ کافر جن کے قلوب پر ان کی ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے مہر لگ گئی ہے ان کی سماعت میں ڈاٹ اور ان کی بصارت پر پردے پڑ گئے ہیں وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں جو انوار وحجج قاطعہ ہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں اور جو زواجر اور انذارات ان کانوں سے کھٹکھٹا رہے ہیں اس طرف کان دھرنا نہیں جانتے ہیں باوجودیکہ ان کے ملعون شیاطین اور ان کے گمراہ کاہن بھی بول رہے ہیں جب کہ تمہارا باطل دین ختم ہوجائے گا۔ دین حق اسلام غالب آجائے گا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاچکے ہیں اب سارے عالم میں ان کا غلبہ اور ان کی سطوت رہے گی۔

الفاظ ومعانی وبلاغت:

من بعد جار مجرور متعلق ہیں ماقبل شعر کے **عموا وصموا** سے۔

معوج ٹیڑھا۔ اسم فاعل باب افعلال سے ہے۔

دین کا بہت معانی پر اطلاق ہوتا ہے، ناظم ہمام نے دین کی عفت المعوج لائے ایک وہم کو ختم کرنا ہے کہ ان کا دین شروع میں اچھا تھا بعد میں اس میں بگاڑ پیدا کئے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ان کا دین شروع سے تباہی ہے۔

دینھم المعوج: میں استعارہ مکنیہ ہے ان گمراہ دین کو ٹیڑھے نیزے سے تشبیہ دی گئی وجہ شبہ عدم صلاحت پھر مشبہ بہ کو حذف کرکے اس کے لوازم میں سے ایک لازمہ اعوجاج کا ذکر کیا گیا اس لئے یہ استعارہ مکنیہ ہے۔

وَبَعْدَ مَا عَايَنُوْا فِي الْاُفُقِ مِنْ شُهُبٍ
مُنْقَضَّةٍ وَّفْقَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ صَنَمِ

باوجود اس کے کہ وہ آفاق میں شہاب یعنی آگ کے شعلوں کو ٹوٹتے دیکھے جس طرح زمین میں بتوں کو گرتے دیکھے۔ (پھر بھی مخالفت کرتے رہے)

جنات وشیاطین غیب کی خبریں لانے کے لئے آسمان تک جاتے تھے پوشیدہ طور پر وہاں کی خبریں لے کر آتے تھے اور اپنے کاہنوں کو سناتے تھے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد پاک کی رات سے ان کو آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا اس کے باوجود وہ وہاں کی باتیں سننے اور اس کو کاہنوں تک پہنچانے کی کوشش میں قریب تک جانے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں تو ان پر آگ کے شعلے اور گولے پھینکے جاتے ہیں وہ ایک آدھ بات سن کر کاہنوں تک اس کو پہنچادیتے ہیں کاہن اس میں سو جھوٹ ملاکر لوگوں کو بولتے ہیں میلاد پاک کی رات سے شیاطین پر آگ کے گولے اور شہاب ثاقب ٹوٹنے لگے اور ادھر زمین میں اس رات سارے بت اوندھے گرنے لگے۔

کفار قریش اور اہل دنیا اس کو دیکھ رہے تھے اس رات کعبۃ اللہ کے اطراف جو (۳۶۰) بت بٹھائے رکھے تھے وہ سب اوندھے گر گئے دنیا میں جہاں جہاں بت تھے وہ سب اسی طرح اوندھے گر گئے۔

قرآن مجید میں ہے **وانا لمسنا السماء فوجدنها ملئت حرسا شدیدا وشهبا** (سورہ جن آیت ۸) اس سے معلوم ہوتا ہے جنات کی قوت میں ہے کہ وہ تھوڑی دیر میں آسمانوں تک پرواز کر سکتے ہیں اور فرشتوں کی گفتگو کو سن سکتے اور اس کو سمجھ بھی سکتے ہیں اگرچیکہ دونوں کی زبانیں الگ الگ ہوں۔

صنم اور وثن میں فرق۔صنم بغیر جثہ اور بغیر جسم کے اور وثن وہ تصویر ہے جو جسم کے ساتھ ہو، اس شعر میں صنم لانے کی وجہ اس لئے ہے جو تصور بغیر جسم کے کسی دیوار وغیر پر وہ جب گر جائے تو جو بت جسم وجثہ کے ہوں وہ بدرجہ اولیٰ گر جائیں گے۔ اور ایک قول میں صنم پتھر کے بت اور وثن پتھر کے سوا پیتل اور تانبے کے بت۔

میں ہے ولادت باسعادت کے وقت حضرت عبدالمطلب کعبۃ اللہ میں تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ تمام بت سرنگوں ہیں اور ہبل بت سے یہ رباعی سنی

تَریٰ بمولودٍ اَضَاءتْ بنورِہ
جمیعُ فجاجةِ الارضِ من شرقٍ ومن غربٍ
وخرّتْ لَہُ الاَوثَانُ طُرًّا واَرعدتْ
قُلوبُ ملوکِ الارض جمعًا مِن الرُّعب

تم نے ایسے مولود کی زیارت کی جس کے نور سے مشرق ومغرب کی ساری زمین روشن ہوگئی۔

اور سارے بت اوندھے گر گئے اور ان کے رعب سے زمین کے سارے بادشاہ تھرانے لگے

حضرت سودا بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں پہلے ایک کاہن تھا اور ایک جن مجھے خبریں دیا کرتا تھا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے موقعہ پر اس نے مجھ سے کہا اب ہم خبریں دینے سے قاصر ہیں کیونکہ جب ہم آسمان پر جاتے ہیں تو ہم پر شہاب ثاقب برسائے جاتے ہیں اس لئے آپ بھی اب یہ کام چھوڑ دو اور اس ہادی برحق کو تلاش کرو جو قبیلہ بنی لوی بن غالب میں ظاہر ہوئے ہیں مخلوق کو بت پرستی سے روکتے ہیں اور ہدایت کے راستہ پر لاتے ہیں وہ بولتا رہا تیسری مرتبہ میں توجہ کیا اور میرے دل میں ہادی برحق کی اور اسلام کی محبت پیدا ہوئی اور میں مکہ مکرمہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوا۔ شب میلاد اور اس سے پہلے سے اس طرح کے بکثرت واقعات پیش آئے۔

لفظ افق الف اور تا دونوں کو پیش ہے اور تخفیف کے لئے قاف کو سکون سے پڑھ سکتے ہیں اور **منقضة** کے آخر کو تینوں اعراب سے پڑھا جا سکتا ہے۔ کسرہ ہو تو **شهب** کی صفت اور فتحہ ہو تو **شهب** سے حال اور ضمہ ہو تو مبتداء محذوف کی خبر بنا سکتے ہیں۔ یہ اسم فاعل ہے باب انفعال ہے۔

بعد ما عاینوا: ما مصدریہ اور ماصولہ دونوں ہوسکتا ہے اور

عاینوافعل ماضی باب مفاعلہ مادہ عین دیکھنا معائنہ کرنا۔ شہب جمع ہے، شین اور ہاء دونوں کو پیش۔

حَتّٰـی غَـدَا عَـنْ طَـرِیْقِ الْوَحْـیِ مُنْهَـزِمٌ
مِّـنَ الشَّیَـاطِیْـنِ یَـقْـفُـوْ اِثْـرَ مُـنْهَـزِمِ

یہاں تک کہ وحی کے راستے سے یعنی آسمانوں سے شیطان ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے۔

جو شیاطین آسمانوں پر غیب کی خبریں لانے کے لئے میلاد شریف سے پہلے جاتے تھے ان پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد مبارک کے موقعہ پر آگ کے شعلے برسنے لگے تو وہ اپنی جان بچانے کے لئے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے کیونکہ وہ شعلہ کسی شیطان کو لگ جاتا تو وہ مرجاتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ جاری فرمادیا۔

ھــــزم (زامعجمہ) باب سمع شکست دینا قوت توڑ دینا۔ **انھزام** (انفعال) شکست کھاجانا یہاں منہزم سے مراد بھاگنے والا۔ اثر کے معنی پیچھے، اثر کے ہمزہ کو زیر (کسرہ) اور زبر (فتحہ) دونوں طرح ہے، یہاں کسرہ کے ساتھ معروف ہے۔

اثر منهزم: سے مراد یہ ہے کہ شیاطین شعلے برسنے سے اسقدر خوف طاری ہوگیا تھا کہ وہ منتشر نہیں ہوسکے بلکہ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے تھے اور اس شعر میں **منھزم** کی تکرار ہے اور یہ تکرار محمود ہے کیونکہ دونوں منھزم ایک تابع اور ایک متبوع ہے دونوں میں سے ہر ایک الگ الگ حتی یہاں غایت کا ہے پہلے شعر میں جو منقضۃ ہے اس کی غایت ہے یعنی شعلے گرنے لگے یہاں تک کہ جب جنات پر شعلے گر رہے تھے وہ بھاگنے لگے البتہ وہ جنات آسمانوں کے قریب تک جاتے ہیں تو وہاں بھی شعلے برستے ہیں اس عرصہ میں ان کو ایک آدھ بات سن گن مل جاتی ہے وہ لاکر کاہنوں کو سناتے ہیں کاہن اس میں سو جھوٹ ملاکر لوگوں کو بتاتے ہیں اس ایک سچی بات کی وجہ سے لوگ کاہن پر اعتبار کرلیتے ہیں یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا لوگوں کو چاہئے کہ کاہنوں کے پاس نہ جائیں ان کی باتوں پر اعتماد نہ کریں کیونکہ کہانت ختم ہوچکی ہے۔ حدیث شریف میں..........

حتی غایت کا ہے اور یہ منقضۃ کی غایت ہے، یعنی ان شیاطین پر شعلے برستے گئے یہاں تک کہ وحی کے راستوں سے وہ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے غدا کے معنی صار ہے اور یہ افعال ناقصہ میں سے ہے **من الشیاطین** میں من بیانیہ ہے اور منھزم کا بیان ہے۔

قرآن مجید میں ہے جنوں نے کہا **وانا لمسنا المساء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وشهبا. انا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الان يجد له شهابا رصــــدا.** (سوہ جن) جنوں نے کہا اور ہم آسمانوں کے پاس پہنچے تو اس کو سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا، ہم سننے کے لئے (خبروں کو) نشست گاہوں میں بیٹھا کرتے تھے، اور اب جو کوئی سنتا ہے تو گھات میں لگے ہوئے شعلوں کو پاتا ہے۔ (سورہ جن)

یہ سوال کے شیاطین آ گ سے بنائے گئے ہیں ان کو آ گ کیسے جلائے گی تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے انسان کو مٹی سے مٹی کے گولوں سے مار لگتا ہے حالانکہ وہ مٹی سے بنایا گیا ہے۔

كَأَنَّهُمْ هَرَبًا أَبْطَالُ أَبْرَهَةٍ
أَوْ عَسْكَرٌ بِالْحَصىٰ مِن رَّا حَتَيْهِ رُمِيُ

وہ شیاطین بھاگنے میں ابرہہ کے لشکر کے یا اس فوج کے مانند ہیں جس کو آپ ﷺ کے دست مبارک سے کنکریوں سے مارا گیا ہو۔

ابطال بطل کی جمع ہے پہلوان بہادر آدمی اس سے مراد لشکر ہے، بطل باب .... سے معنی قوت کا ٹوٹ جانا ان کو بطل اس لئے کہتے ہیں کہ ان سے ملاقات پر لوگوں کی ہمت وقوت ٹوٹ جاتی ہے، اس شعر میں دو تشبیہات ہیں پہلی تشبیہ ابرہہ کے بھاگے ہوئے لشکر سے ہے دوسری تشبیہ جنگ بدر وحنین میں قتل ہونے والے کفار قریش سے ہے۔ ابرہہ بن صباح اور اس کی کنیت ابو یکسوم تھی یمن کا بادشاہ تھا ابرہہ کے معنی حبشہ کی زبان میں سفید چہرہ والا یہ یمن کا بادشاہ تھا وہ یمن میں ایک خوبصورت گرجا بنایا تھا اس کا مقصد تھا کہ لوگ حج کے لئے کعبۃ اللہ کو نہ جائیں بلکہ اس کے گرجا کو آئیں تو عرب کے قبیلہ بنی کنانہ کے ایک شخص نے ابرہہ کی اس ناپاک حرکت پر ناراضی کا اظہار کرنے کے لئے اس کے اس کلیسا کو غلاظت تھوپ دیا اور اس میں غلاظت کر دیا تو ابرہہ غصہ میں آ کر قسم کھایا کہ کعبۃ اللہ کو ڈھادے گا چنانچہ وہ ہاتھیوں کی فوج لیکر نکلا اور اس کے ہاتھی کا نام محمود تھا۔ کعبۃ اللہ کے قریب تک پہنچا جب وہ کعبۃ اللہ حملہ کا ارادہ کیا تو اس کا عبرت ناک انجام ہوا اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کی جھنڈ بھیجا جو اپنی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں لاکر جو چنے کے دانے سے کم اور مسور کے دانہ سے ذرا بڑی تھیں ابرہہ اس کی فوج اور اس کے ہاتھیوں پر ان کنکریوں کو مارنے لگے وہ اس قدر سخت تر حملہ تھا کہ وہ کنکری جب خود پر گرتی تو خود کو پھاڑ کر سر کو چیر کر دبر میں سے نکل جاتی تھی اس سے اس کی فوج اور ان کے ہاتھی سب زخمی ہونے لگے اور سراسیمہ ہوکر ایک دوسرے کو روندتے بھاگنے لگے اور ابرہہ اور اس کا لاؤلشکر سب ناکام ہوگئے قرآن مجید میں سورہ فیل میں اس کا ذکر ہے اور یہ تاریخ کا مشہور عبرت ناک واقعہ ہے اس کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہے۔ **من شاء المزید فلیراجع.** یہ شیاطین جو آسمانوں پر جاتے تھے ان پر شہاب گرتے گئے تو یہ شیاطین بھی ابرہہ کی فوج کی طرح بھاگنے لگے ان بھاگنے والے شیاطین کی ایک دوسری مثال بھی ہے جنگ بدر وحنین میں کفار قریش کی پہلوان فوج ایک ہزار کی تعداد میں مسلح ہوکر میدان بدر میں مسلمانوں سے جنگ کے لئے آئی تھی اور یہ رمضان ۲ ہجری کا واقعہ ہے، اور مسلمان صرف (۳۱۳) کی تعداد میں تھے اور مسلح بھی نہیں تھے کفار قریش کے ایک ہزار پہلوان مسلح فوج اپنے زعم باطل میں یہ سمجھ کر مسلمان کو العیاذ باللہ ہلاک اور ختم کر دیں

گے حملہ آور ہوئے ایسے خوفناک موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کے درمیان میں ایک مٹھی کنکریاں پھینکیں اور شاہت الوجوہ (منہ کالے ہوجائیں) فرمایا پھر کیا تھا ان میں سے ہر ایک کی آنکھ ناک اور منہ میں وہ مٹی گری اور دشمن پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگا ستر مارے گئے اور ستر گرفتار ہوگئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** (اے حبیب! جب آپ پھینکے تھے آپ نہیں بلکہ اللہ نے پھینکا تھا)۔ اور آپ نہیں پھینکے جب آپ پھیکے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ پھینکتا ہے۔

شعر کے پہلے مصرعہ میں ابرہہ کی فوج اور ابابیل کی کنکریوں کا ذکر ہے اور دوسرے مصرعہ میں جنگ بدر وحنین کا واقعہ ہے جو ماہ شوال ۸ھ میں ہوا۔ اور اس میں قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے کفار اپنی سب سے بڑی عددی طاقت مال ومتاع اور عورتوں اور بچوں کو لیکر میدان حنین میں مقابلہ کے لئے اترے تھے۔ جس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کفار قریش کی طرف ایک مٹھی کنکریاں پھینکنے کا ذکر ہے، اسی طرح جنگ حنین میں کفار کا حملہ شدید تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ایک مٹھی مٹی کفار کی طرف پھینکی پھر مسلمان یکدم حملہ کئے کفار منتشر ہوگئے۔ ان واقعات میں کفار کی تباہی اور مسلمانوں کی فتحیابی ہے اس کو سیرت کی کتابوں میں دیکھا جائے۔

شیاطین پر جب شہاب پھینکے جاتے ہیں تو وہ جس طرح بھاگنے لگتے ہیں اس کی تفہیم کے لئے دو تشبیہات پیش کی گئی ہیں، مطلب یہ ہے کہ شیاطین غیبی خبروں کو جاننے کے لئے جو آسمانوں پر جاتے ہیں ان پر شہاب برسائے جاتے ہیں تو وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنے لگتے ہیں۔ اگر کسی کو وہ شعلہ شہاب لگ جاتا ہے تو ہلاک ہوجاتا اور کوئی زخمی ہوجاتا ہے۔

اس شعر میں اداۃ تشبیہ کانّ اور وجہ شبہ یعنی بھاگنا دونوں مذکور ہیں اس لئے یہ تشبیہ مرسل ومفصل ہے۔ اس میں عکس تشبیہ ہے کیونکہ تشبیہ میں مشبہ ضعیف اور مشبہ بہ قوی ہوتا ہے مگر یہاں اس کا الٹا ہے۔ مشبہ شیاطین ہروب میں اقوی ہیں اور مشبہ بہ ابطال ابرہہ اضعف ہیں، اور ہربا ترکیب میں تمیز ہے یعنی کان ہربھم ہربا ابطال ابرہۃ اور مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے اس وقت تقدیری عبارت اس طرح ہوگی فکانھم من اجل الھرب ابطال ابرہۃ اور یہ دونوں تشبیہہ تمثیلی ہیں۔ شطر اول میں بھاگتے شیاطین اور شہاب جو ان کا پیچھا کر رہے ہیں اس صورت میں حالی کی ابرہہ کی بھاگتی فوج اور ان پر کنکریوں کی صورت حال سے تشبیہ ہے اور شطر ثانی میں بھاگتے شیاطین اور شہاب جو ہر طرف سے پیچھا کررہے ہیں اس صورت حال کو مشرکین کی فوج جن پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے جو کنکریاں ماری گئیں یہاں تک کہ وہ شکست کھا گئے تشبیہ دی گئی ہے۔

اس شعر میں مراعاۃ النظیر بھی ہے متعدد متناسبات کو ایک حکم میں جمع کردیا گیا ہے اور اس میں استتباع بھی ہے یعنی کسی

چیز کی تعریف کرنا جس سے دوسری چیز کی تعریف لازم آئے۔

نَبْذًا بِـهِ بَعْدَ تَسْبِيْحٍ م بِبَطْنِهِمَا

نَبْذَ الْمُسَبِّحِ مِنْ اَحْشَاءِ مُلْتَقِمِ

ان کنکریوں کو آپ کی دونوں ہاتھوں میں ان کے تسبیح پڑھنے کے بعد (کفار کی طرف) پھینکا جیسا کہ تسبیح پڑھنے والے یعنی یونس علیہ السلام کو نگلنے والی مچھلی کے پیٹ میں سے پھینکا گیا۔

نبذا رمی کا مفعول مطلق ہے کیونکہ وہ ہم معنی ہے روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم (۷) کنکریاں اپنی ہتیلی میں لئے پھر ان کنکریوں نے آپ کے دست مبارک میں تسبیح پڑھی یعنی آپ کی نزاہت اور آپ کی ہر عیب سے پاکی بیان کیا اور دوسروں نے اس تسبیح کو سنا پھر آپ نے ان کنکریوں کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دیا ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھیں، پھر اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا تو وہاں بھی تسبیح پڑھیں پھر اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دیا وہاں بھی وہ تسبیح پڑھیں پھر سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کو دیا تو وہاں بھی وہ تسبیح پڑھیں اور ہر وقت ہر ایک نے اس کو سنا، پھر ان کنکریوں کو جنگ بدر میں کفار کی طرف پھینکا یہ کنکریاں ہر ایک کافر کے آنکھ میں گریں پھر کافروں کو شکست ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا ذکر فرمایا **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ** رمی۔ اس طرح کنکریوں کو پھینکنے کا واقعہ جنگ بدر اور جنگ حنین دونوں موقعوں پر ہوا ہے۔ اس واقعہ کو طبرانی نے فی الاوسط اور ابن سعد نے اور بزار نے عن ابی ذر روایت کیا ہے۔

اور اس شعر میں بہت سے محسنات بدیعیہ ہیں اس میں استشباع ہے، استشباع سے مراد یہ ہوتا ہے کہ کسی کی خوبی کو یکے بعد دیگرے مسلسل بیان کرتے جانا جیسا کہ سابق شعر میں انقضاض شہب علی الشیاطین شیاطین پر شہب پھینکے جانے اور ان کے بھاگنے کا ذکر اور بھاگنے کی دو تشبیہات اس کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں کے تسبیح پڑھنے کو بیان کر رہے ہیں اس میں تضمین یعنی ایک کلام میں ایک معنی دوسرے معنی کو بھی شامل ہے۔

اور اس شعر میں جو تشبیہ ہے وہ تشبیہ بلیغ ہے حرف تشبیہ اور وجہ شبہ دونوں مذکور ہیں۔

مسبح تسبیح پڑھنے والے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں آپ کا واقعہ مشہور ہے آپ شہر نینوا کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ شہر شہر موصل کے مقابل دریائے دجلہ کے کنارہ واقع ہے، آپ نے جب قوم کو ایمان کی دعوت دی تو قوم نے آپ کا انکار کیا اور کفر وشرک میں مبتلاء رہے تو اللہ کی طرف سے حضرت یونس علیہ السلام نے قوم کو عذاب کا فیصلہ سنایا کہ تین دن کے اندر عذاب آئیگا پھر آپ اس بستی سے نکل کر چلے گئے، دریائے دجلہ میں کشتی میں بیٹھ کر جارہے تھے کشتی بھنور میں آگئی ملاح یہ سمجھ کر کوئی شخص مالک کی اطلاع

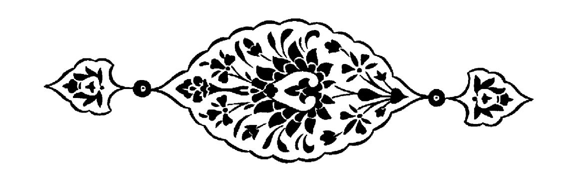
کے بغیر جہاز میں سوار ہوتا ہے تو جہاز بھنور میں آ جاتا ہے۔اس کو معلوم کرنے کے لئے قرعہ ڈالا گیا تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام آیا لیکن آپ کی نورانیت و بزرگی اور پاکیزگی کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کر رہے تھے مگر اللہ کے نبی یونس علیہ السلام نے خود بتایا میں اللہ کا نبی ہوں، قوم کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب آنے والا ہے میں قوم کو اس سے باخبر کر کے نکل گیا ہوں اس کے بعد کشتی والوں نے آپ کو سمندر میں ڈال دیا، اللہ کے حکم سے ایک مچھلی آپ کو نگل گئی لقمہ بنالی، تو آپ نے مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن تک **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین** کی تسبیح پڑھتے رہے، چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے آپ کو اپنے اندر سے ساحل پر اگل دی، یہ ایک طویل واقعہ ہے تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے فمن شاء فلیراجع الیہ۔اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ مسبح سے تسبیح پڑھنے والے اسم فاعل باب تفعیل سے اس سے ملتقم اسم فاعل باب افتعال سے لقمہ بنانے نگل جانے والی یعنی مچھلی، مراد حضرت یونس علیہ السلام اور ملتقم (لقمہ بنانے والا) سے مراد مچھلی ہے احشاء سے مراد مچھلی کا پیٹ ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد قوم نے عذاب کے آتا دیکھ کر میدان میں نکل کر ساری قوم توبہ استغفار کی اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کیا پھر یونس علیہ السلام کو اسی قوم کی طرف دوبارہ مبعوث فرمایا۔اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں نے ان کو پھینکنے سے پہلے تسبیح پڑھی جیسا کہ یونس علیہ السلام کو مچھلی اپنے پیٹ سے پھینکنے سے پہلے یونس علیہ السلام تسبیح پڑھتے رہے۔

احشاء کا واحد حشیٰ ہے اس کے معنی وہ چیز جو مچھلیوں کے درمیان ہے یعنی آنتیں ہیں، یہاں مراد پیٹ ہے، اس میں اداۃ تشبیہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دیا گیا ہے، یہ تشبیہ بلیغ ہے۔اور تشبیہ تمثیلی بھی ہے کیونکہ جو کنکریاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے دست مبارک سے پھینکی گئی تھیں ان کو حضرت یونس علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ سے باہر آنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اس میں بہت سے معجزات کا ظہور ہوا، کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور ان سات کنکریوں کا ایک ہزار کی فوج کے آنکھوں میں گرنا یہ سب خارق عادت اور معجزات ہیں۔



تعارف نفس وتزکیہ نفس

مولانا ڈاکٹر حافظ سید بدیع الدین صابری صاحب، پروفیسر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ

سب سے پہلی مخلوق جس سے قدرتِ الٰہی کا تعلق ہوا وہ روحِ انسانی ہے، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انسان کے اس عالم میں آنے سے پہلے ارواح کو پیدا کیا گیا، پھر ان تمام ارواح میں اور تمام مخلوقات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ للعالمین علیہ الصلاۃ والتسلیم کی روح مبارکہ کو پیدا فرمایا۔ (تفسیر روح البیان: ج ۵/۱۹۹)

عالم ارواح میں انسان کی ترقی کے ذرائع نہیں تھے اس لیے اسے جسم دے کر اس عالم میں بھیجا گیا۔ روح ایک غیر مرئی جوہر ہے جو اس جسم کثیف میں رکھی گئی۔

انسان مختلف عناصر سے مرکب ہے۔ اس کی صورت کا تعلق عالم محسوس سے ہے اور اس کی روح کا تعلق عالم غیب اور ملکوت سے ہے۔ اس جسم اور روح کے علاوہ انسان کو اور ایک دولت اور پوشیدہ خزانہ قلب کی صورت میں دیا گیا جو روح کا منبع و محل ہے۔ روح اخلاط باطنی میں لطیف بخار کی مانند دل کی محرک رگوں کے ذریعہ دماغ اور سارے بدن میں پہنچتی ہے۔ قلب کو محلِ انوارِ تجلیات الٰہی کے اعتبار سے عرش اللہ قرار دیا گیا۔ انسان کی حقیقت روح وقلب ہے اور اس کے سواء سب اعضاء جسمانی تابعدار، لشکر اور خدمت گذار ہیں۔ انسان کی آزمائش کے لیے روح کے مقابلہ میں نفس کو پیدا کیا گیا۔ جس طرح خیر کے ساتھ شر کا وجود اور ملائکہ کے ساتھ شیاطین کا وجود اور جنت کے ساتھ دوزخ کا وجود ہے، روح کے ساتھ نفس کا وجود ہے، یہ اجتماع محض آزمائش کے لیے ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

تزکیہ نفس کے بغیر عبادت میں جان اور لذت پیدا نہیں ہوتی ہے، اس لیے سورۃ الاعلی میں اللہ تعالیٰ نے نماز سے پہلے اور ذکر الٰہی سے پہلے تزکیہ نفس کی اہمیت کو بتایا۔ ارشاد الٰہی ہے: **قد أفلح من تزكى وذكراسم ربه فصلى** (کامیاب ہوگیا وہ شخص جسے تزکیہ حاصل ہوا اور اپنے رب کا نام یاد کرتا رہا اور نماز پڑھا۔

خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم أیکم أحسن عملا۔
(اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تم کو آزمائے تم میں کون عمل کے اعتبار سے اچھا ہے)

انسان کا ہر عضو کسی نہ کسی چیز کا محل ہے۔ جس طرح آنکھ دیکھنے اور کان سننے اور ناک سونگھنے اور زبان قوت ذائقہ کا محل ہے۔ اسی طرح اوصاف حمیدہ کا محل ''روح'' ہے اور نفس اوصاف ذمیمہ، رذائل غضبیہ اور معائب شہویہ کا محل ہے۔ روح کی زبان عقل اور اس کی بصیرت قلب ہے اور نفس کا آلہ خواہش ہے اور جب قلب پر روحانی جذبات غالب ہوتے ہیں تو وہ اللہ کے انوار کا محل بن جاتا ہے اور جب نفسانی جذبات قابو پا لیتے ہیں تو اس پر شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے اور دل میں تاریکی پیدا ہو جاتی ہے۔

علمائے اسلام کے مابین اس امر میں اختلاف ہے کہ نفس اور روح ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا دونوں کی حقیقت الگ الگ ہے۔ اکثر اہل علم انہیں ایک ہی چیز تصور کرتے ہیں۔ جیسا کہ علماء کی ایک جماعت (اللہ یتوفی الأنفس حین موتھا) کی آیت میں نفس کی تفسیر نفس ہی کے معنی سے کی ہے۔ کوئی تاویل نہیں کی، جیسا کہ علامہ سید شریف جرجانی ''کتاب التعریفات'' میں لکھتے ہیں۔

نفس ایک لطیف بخاری جوہر ہے جو قوتِ حیات حس اور حرکت ارادی کا حامل ہے۔ حکماء اسے روحِ حیوانیہ کا نام دیتے ہیں۔ بدن اسی کی شعاع سے حرکت پذیر ہوتا ہے۔ موت کے وقت اس کی شعاع بدن کے ظاہر اور باطن دونوں سے منقطع ہو جاتی ہے اور نیند کی حالت میں فقط ظاہر بدن سے منقطع ہو جاتی ہے، باطن سے نہیں۔ بعض اہل علم نے قبض اور وفات میں فرق نہیں رکھا۔ کتاب وسنت میں نفس کہہ کر مجازاً روح اور روح کہہ کر مجازاً نفس مراد لینا عام ہے۔ جیسا کہ امام لغت علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب القاموس المحیط نے نفس کے پندرہ معانی بیان کئے۔ اس لیے یہ دونوں کلمات مجازاً ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں۔

اہل تحقیق کے نزدیک نفس اور روح دو الگ ممتاز حقیقتیں ہیں۔ اس لیے بعض مقامات پر نفس کو روح کی جگہ اور روح کو نفس کی جگہ استعمال نہیں کر سکتے۔ علامہ زبیدی صاحب تاج العروس، الروض الأنف، امام سہیلی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: اگر یہ دونوں نام ایک ہی چیز کے ہوتے جیسا کہ اللیث والاسد (شیر) تو البتہ نفس اور روح کا ایک دوسرے کی جگہ ذکر کر دینا صحیح ہوتا مثلاً ارشاد الٰہی ہے: ونفخت فیہ من روحي (میں نے اس میں خاص اپنی طرف سے روح پھونکی) یہاں (من نفسي) نہیں فرمایا۔ نیز قرآن مجید میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: تعلم مافی نفسي (تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے) آپ نے (مافی روحي) نہیں فرمایا اور ایک مقام پر قرآن میں ہے، ویقولون فی أنفسھم (وہ اپنے نفسوں میں کہتے ہیں۔ یہاں فی اروا حھم (اپنی روحوں میں کہیں گے) کا استعمال مناسب نہ ہوتا، نیز ارشاد

باری(أن تقول نفس)(کوئی شخص یہ کہے گا) یہاں أن تقول روح (کوئی روح کہے گی) ایسا کوئی بھی عربی شخص نہیں کہے گا۔پس اگر نفس اور روح ایک ہی چیز کے دونام ہیں تو پھر یہ فرق کیسا؟ یقیناً ان دونوں کے مابین تعبیری فرق ہے۔

اس امر کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو امام عبدالرؤف مناوی نے اپنی مشہور تصنیف ''فیض القدیر'' میں ذکر فرمایا ہے:

إن الله تعالیٰ خلق أدم وجعل فیه نفساً و روحا فمن الروح عفافه و فهمه و حلمه وسخاؤه ووفائه. ومن النفس شهوته و طیشه و سفهه و غضبه''
(فیض القدیر،عبدالرؤف مناوی ۴۲۳/۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اس میں نفس اور روح رکھی، پس روح کی بدولت آدمی کی عفت' فہم،حلم سخاوت اور وفا ہے اور نفس کی وجہ سے اس کی شہوت، طیش، بیوقوفی اور غصہ ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ نے نفس کی جو تعریف کی ہے،اس سے صوفیہ کی فکر کی مکمل ترجمانی ہوتی ہے:

أحدهما أنه یرادبه المعنی الجامع لقوة الغضب والشهوة فی الإنسان و هذا الإستعمال هو الغالب علی أهل التصوف لأنهم یریدون بالنفس الأصل الجامع للصفات المذمومة من الإنسان فیقولون لابد من مجاهدة النفس و کسرها (احیاءالعلوم۴/۳)

ان میں سے ایک نفس ہے جو غضب اور شہوت کی ایک جامع قوت ہے اور اہل تصوف کے نزدیک لفظ'' نفس'' اکثر اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔اس لیے کہ وہ نفس کو صفات مذمومہ کی اصل جامع قوت قرار دیتے ہیں، اسی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ نفس کی، حدت (تیزی) کو توڑنے کے لیے مجاہدۂ نفس لازمی ہے۔نفس اور روح کے متعلق حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی کی تحقیق بڑی اہمیت کی حامل ہے،آپ فرماتے ہیں:

نفس کو جسم لطیف کہتے ہیں۔ اسے حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کی مثال بنایا ہے ،جو آفتاب کے بالمقابل رکھ دیا گیا ہوتو آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آ جاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے۔نفس انسانی اگر تعلیم وحی کے مطابق ریاضت ومحنت کر لیتا ہے تو وہ بھی سنور ہوجاتا ہے، ورنہ جسم کثیف کے خراب اثرات میں ملوث ہوتا ہے۔یہی نفس جب منور ہو چکا ہوتو اسی جسم لطیف کوفرشتے بعد وفات اوپر لے جاتے اور پھر اعزاز کے ساتھ نیچے لاتے ہیں۔ روح مجرد کا تعلق جسم لطیف کے واسطے سے جسم کثیف کے ساتھ ہوتا ہے اور اس پر موت طاری نہیں ہوتی،قبر کا عذاب وثواب بھی اسی جسم لطیف یعنی نفس سے وابستہ ہے اور اس نفس کا تعلق قبر سے ہی رہتا ہے اور روح مجرد علیین میں رہتی ہے اور روح مجرد اس کے عذاب وثواب سے بالواسطہ متاثر ہوتی ہے،اسی طرح روح کا قبر میں ہونا طبعی نفس کے لیے صحیح ہے۔

روح فطرۃً نیکی کی طرف مائل ہوتی ہے اور نفس کا میلان بدی کی طرف ہوتا ہے۔ "قلب"، نفس اور روح کے درمیان ہوتا ہے کبھی نفس سے متاثر ہوتا ہے۔ اور کبھی روح سے اسی لیے اس کو قلب کہا جاتا ہے۔ قلب کے معنی "بدلنے" کے ہیں۔

جب قلب پر نفس کا غلبہ ہوجاتا ہے تو "روح" اکیلی ہوجاتی ہے، وہ ایسی ہوجاتی ہے جیسے فولاد پر زنگ چڑھ گیا ہو۔ ایسی روح کا کچھ اثر نہیں رہتا۔ نفس کی طبیعت میں اگرچیکہ "شر" ہے مگر تزکیہ نفس، ریاضت اور مجاہدہ اور صحبت صالحین سے نفس پر روح وقلب کی نورانیت غالب آنے سے صفات حمیدہ پیدا ہوجاتے ہیں اور وہ نفس، نفس امارہ سے بتدریج لوامہ پھر مطمئنہ وملہمہ کا درجہ حاصل کرکے بارگاہ ربانی سے راضیۃً مرضیۃ کی سند حاصل کرتا ہے۔

کیونکہ تزکیہ نفس ایک نازک مسئلہ ہے، جس کے لیے ایک مرشد اور معلم کی سخت ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد تعلیم کتاب وحکمت وتزکیہ نفس قرار دیا۔ ارشاد ربانی ہے: **لقد من الله على المؤمنين إذبعث فيهم رسولا من أنفسهم يتلو عليهم اٰيته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين** ۔ (یقیناً اللہ نے مومنین پر احسان کیا ہے جبکہ ان ہی کی جانوں میں سے ان میں ایک رسول کو مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)

اگر قرآن مجید میں یہ مضمون ایک مرتبہ بھی آتا تو کافی ہوجاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن میں چار مقامات پر، ان میں سے ایک حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کی صورت میں اور تین جگہ اس کی قبولیت کی صورت میں بیان کیا۔ قرآن حکیم میں کسی بات کی اہمیت کو بتانے کے لیے اتنی طویل قسم نہیں کھائی گئی۔ جیسی قسمیں تزکیہ نفس کے لیے بیان کی گئیں، چنانچہ قرآن حکیم کی سب سے بڑی قسم سورہ والشّمس میں مذکور ہے۔ **والشمس وضحها** (سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی قسم) اس طرح اللہ تعالیٰ نے جملہ سات چیزوں کی قسم گیارہ (۱۱) قسم کے صیغوں کے ساتھ ارشاد فرمائی، جس بات پر قسم کا یہ طویل سلسلہ آیا ہے وہ یہ ہے: **ونفس وما سواها فألهمها فجورها و تقواها، قد افلح من زكها وقد خاب من دسها** ۔

تزکیہ نفس کے بغیر عبادت میں جان اور لذت پیدا نہیں ہوتی ہے، اس لیے سورۃ الاعلیٰ میں اللہ تعالیٰ نے نماز سے پہلے اور ذکر الٰہی سے پہلے تزکیہ نفس کی اہمیت کو بتایا۔ ارشاد الٰہی ہے: **قد أفلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى** (کامیاب ہوگیا وہ شخص جسے تزکیہ حاصل ہوا اور اپنے رب کا نام یاد کرتا رہا اور نماز پڑھا۔

تزکیہ نفس کو تمام اعمال پر اس لیے تقدم حاصل ہے کہ تمام گناہوں کا تعلق نفس سے ہے۔ بخل کا تعلق نفس سے ہے،

ارشادالٰہی ہے:''**وأحضرت الأنفس الشح**'' حسد کا تعلق نفس سے ہے۔ارشادالٰہی ہے: **حسدا من عند أنفسهم** تکبر کا تعلق نفس سے ہے۔ **لقد استکبروا في أنفسهم**۔گناہوں کی اصل خواہش نفس ہے۔ارشادربانی ہے: **وما أصابک من سیئة فمن نفسک**۔

راہ معرفت اورقرب الٰہی کی راہوں میں سب سے بڑی رکاوٹ بننے والی چار چیزیں ہیں:

(۱)دنیا (۲)مخلوق (۳)نفس

(۴)شیطان

پھران چاروں میں سب سے زیادہ خطرناک دشمن نفس اور شیطان ہیں، کیونکہ دنیا اورمخلوق، ظاہری طور پرنگاہوں کے سامنے ہیں جبکہ نفس اورشیطان یہ دونوں نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور یہ واضح بات ہے کہ نگاہوں سے پوشیدہ دشمن نظرآنے والے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

پھران دونوں میں بھی نفس کوسب سے بڑادشمن قراردیا گیا، جس نے خودشیطان کے ایمان کو برباد کیا تھا۔

حضرت امام غزالیؒ''منہاج العابدین''میں فرماتے ہیں کہ جس وقت شیطان نے سجدہ سے انکار کیا تو کوئی دوسرا شیطان تو تھا نہیں جو اسے بہکاتا تو وہ آخر کونسا سبب تھا جس کی بناء پر شیطان بے ایمان ہوگیا؟ پھرخود ہی جواباًارشادفرماتے ہیں کہ وہ اس کا نفس تھا،جس نے اسے سرکشی اورتکبر کی جانب مائل کیا اورتباہی کے گہرے گڑے میں گرنے پرمجبور کردیا۔

اسی لیے حضور رحمۃ للعالمین علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اعلان فرمایا:

أعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک۔ (بیہقی)

تیرے دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں میں ہے۔اسی لیے کہا گیا:

نہنگ و اژدھا و شیر نرمارا تو کیا مارا

بڑے موذی کو مارا، نفس امارہ کو گرمارا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قول کی خبر دی ہے:

إن النفس لأمارة بالسوء إلا مارحم ربي (بیشک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے،مگرجس پر میرا رب رحم کرے)

اللہ تعالیٰ نے''**إلا ما رحم ربی**''کے ذریعہ ان کومستثنیٰ کیا ہے جن کا نفس کڑے مجاہدہ وریاضت وعبادت کی وجہ سے مغلوب ہوکر لوامہ پھرمطمئنہ بن گیا ہے۔ان دونوں نفسوں کا ذکر اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔

کمال ایمان کا حصول حب نبی واتباع رسول اوراپنی ساری خواہشات کوشریعت مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موافق کئے بغیر ممکن نہیں، جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: **لایؤمن أحدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به**. (مشکوٰۃ المصابیح)

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس دین کے تابع نہ ہوجائے، جو میں لے کر آیا ہوں۔

اس متابعت کے بھی کئی درجات ہیں۔ متابعت کا کمال فنائے نفس میں ہے۔ حضور غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فنا کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) فنائے اول: فنا عن الخلق ہے۔ یعنی تو مخلوق سے فنا ہوجا! ان سے تو نفع کی امید رکھے اور نہ نقصان کا خوف مطلب یہ ہے کہ تیری نظر حق تعالیٰ پر ہو اور مخلوق سے نظر کلی اٹھ جائے۔

تعین سے جب اٹھ جائے نظر
تو پھر ذات ہے سر بسر

(۲) فنائے دوم: فنا عن النفس ہے۔ یعنی تو اپنے نفس سے فانی ہوجا! جس کا مطلب یہ ہے کہ تیرا نفس تابع شریعت ہوجائے اور خواہشات نفس سے فنا ہوجائے۔

(۳) فنا عن الارادہ: یعنی تو اپنے ارادہ سے فنا ہوجائے! تو تقدیر کے سامنے ایسا ہوجائے، جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ تیری اپنی کوئی خواہش نہ رہے، کوئی ارادہ نہ رہے۔ تیرا ارادہ، ارادہ الٰہی میں فنا ہوجائے۔

فنائیت جو قرب الٰہی کی منازل میں سے اہم منزل ہے۔ بغیر ریاضت ومجاہدہ نفس کے حاصل نہیں ہوتی اور مجاہدہ، محاسبہ کے بغیر مفید نہیں ہوتا۔ صرف آرزو اور تمنا سے یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا وإن الله لمع المحسنین (اور جنہوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا ہم ضرور ضرور انہیں اپنی راہ دکھائیں گے اور بے شک اللہ محسنین کے ساتھ ہے)۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **الکیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع هواها و تمنی علی الله۔** (المستدرك للحاکم)

(عقلمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اور موت کے بعد کے لیے تیاری کی اور وہ شخص عاجز (کمزور) ہے جس نے اپنے نفس کی پیروی کی اور (اس کے باوجود) اللہ تعالیٰ سے آرزو رکھی۔)

حضرت سیدنا عمرؓ کا مشہور قول ہے: حاسبوا قبل أن تحاسبوا۔ (تم اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو! قبل اس کے کہ تمہارا حساب لیا جائے۔)

محاسبہ کا پہلا مرحلہ کیا ہے۔ حضرت امام حارث محاسبی سے پوچھئے جو حضرت جنید بغدادیؒ کے استاذ ہے، آپ اپنے نفس کا کثرت سے محاسبہ کرنے کی وجہ سے حارث بصری کے بجائے حارث محاسبی سے مشہور ہوئے۔ آپ سے ایک شاگرد نے سوال کیا: محاسبہ کیا ہے، فرمایا: عقل کا مسلسل نفس کی نگرانی کرنا، تاکہ وہ نفس کی خیانت کو پکڑے اور اس کی افراط وتفریط کا جائزہ

لے۔ پھر شاگرد نے سوال کیا: مزید وضاحت کیجئے فرمایا: جوتم کام کرنا چاہتے ہوتو اس سے پہلے یہ سوچ لو کہ کس لیے کرتے ہواور کس کے لیے کرتے ہو، پس اگر وہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہوتو کر گذرواور اگر غیر اللہ کے لیے ہوتو رک جاؤ اور اپنے نفس کو ملامت کرواور اس کا تعاقب کرو کہ اس خواہش کا داعیہ کیوں پیدا ہوا۔

یہ وہ طریقہ ہے جو اولیاء اللہ نے عابدوں و عارفوں کے امام مولیٰ مشکل کشا سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے سیکھا۔

جیسا کہ مولانا رومؒ مثنوی میں یہ حکایت نقل کرتے ہیں کہ ایک جنگ میں مولیٰ مشکل کشا کافر کو زیر کردیتے ہیں۔ دشمن نیچے گرتے ہی آپ کے چہرہ مبارکہ کی جانب تھوکا تو آپ مزید اس پر سختی کرنے کے بجائے فوراً اٹھ جاتے ہیں۔ جب اٹھنے کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: تجھے زمین پر گرانا اللہ کے لیے تھا اور تو نے وہ کام کیا جس کی وجہ سے نفس کا غصہ درمیان میں آ گیا، اس لیے اٹھ گیا کہ کہیں تیرا قتل نفس کے لیے نہ ہوجائے۔

تا أحب لله آید نام من

تاكه ابغض لله آید کام من

گبراین بشنید و نورے شد پدید

درد دل او تاکه زنارش برید

اس کافر نے جو یہ بات سنی تو اس کے قلب میں نور ایمان ظاہر ہوا جس سے اس نے اپنا زنّار کفر توڑ ڈالا

اگر آپ اس حالت میں اس کا کام تمام کردیتے تو کافر کٹ جاتا، لیکن اپنے عمل کو نفس کی مخالفت کرتے ہوئے رب کی مرضی کے تابع کردیا تو کفر کٹ گیا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جہاد سے واپسی کے موقع پر فرمایا:

رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر ۔

(ہم، کافروں کے جہاد، جہاد اصغر سے۔ نفس کے جہاد، جہاد اکبر کی طرف لوٹے)۔

نفس کے جہاد کو جہاد اکبر اس لیے کہا گیا کہ دشمن کا جہاد وقتی ہے اور یہ جہاد زندگی کی آخری سانسوں تک ہے۔

اس لیے حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا: تصوف ایک جنگ ہے جس میں کوئی صلح نہیں۔ نفس کی مخالفت کے ساتھ تمام عمر یہ جنگ باقی رہتی ہے۔

''جہاد اکبر'' اس لیے بھی کہا گیا: نفس کی چالبازیاں اور مکاریاں خطرناک ہوا کرتی ہیں۔ بہت احتیاط اور ہمیشہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، کیونکہ نفس ہمیشہ تاک میں رہتا ہے کہ قلب پر غلبہ حاصل کرکے روح کو کمزور کردے، اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم امت کے لیے یہ دعا فرمائی:

اللهم رحمتک أرجو فلاتكلني إلى نفسي طرفة عين، أصلح لي شأني كله، لا إله إلا أنت.

(مسند احمد) (اے اللہ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ آنکھ جھپکنے کے بقدر بھی مجھے اپنے نفس کے حوالہ نہ کر اور میرے تمام امور کی اصلاح فرما، تیرے سواء کوئی معبود نہیں۔)

حضرت حصین بن عبداللہ نے جب اسلام قبول کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ کلمات تعلیم فرمائے کہ انہیں پڑھا کرو: اللھم ألھمنی رشدی وقنی شر نفسی. (جامع ترمذی)، (اے اللہ مجھے ہدایت الہام فرما اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچا۔)

نفس کا شر کتنا خطرناک ہے اس کی وضاحت اس حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے پوچھا: ما تقولون فی صاحب لکم إن أنتم أکرمتموہ و أطعمتموہ و کسوتموہ أفضی بکم إلی شر غایۃ و ان أھنتموہ و أعریتموہ وأجعتموہ افضی بکم إلی خیر غایۃ قالوا یا رسول اللہ ھذا شر صاحب فی الارض قال فوالذی نفسی بیدہ إنھا لنفوسکم التی بین جنوبکم۔ (تفسیر قرطبیؒ ۹/۲۱۰)

(تم اپنے ایسے ساتھی کے بارے میں کیا کہتے ہو! اگر تم اس کی تکریم کرو اور اس کو کھلاؤ اور اس کو پہناؤ تو تمہیں برائی کی انتہاء کو پہنچا دے اور اگر تم اس کی اہانت کرو، اسے ذلیل کرو اور اسے ننگا اور بھوکا رکھو تو تمہیں بھلائی کی انتہا کو پہنچا دے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ روئے زمین پر سب سے بدترین ساتھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلوؤں کے درمیان موجود ہے۔

اسی لیے صوفیہ کرام نے اسی نفس کی سرکوبی کے لیے مختلف مجاہدوں اور ریاضتوں پر خود عمل پیرا ہوکر دوسروں کو تعلیم دی، ان کی تعلیمات میں سے کم خوردن و کم گفتن و کم خفتن (کم کھانا، کم بولنا اور کم سونا) روح کی سرعت کے لیے کلیدی اہمیت رکھتے ہیں، کیونکہ یہ نفس کے مرغوبات ہیں اور نفس کی مخالفت عبادت واطاعت کی جڑ ہے۔

صوفیہ کرام نے مذکورہ احادیث پر کس طرح عمل کر کے دکھایا اور نفس کی جانب سے دل میں آنے والے خیالات کا کس طرح محاسبہ ومواخذہ کیا، ان کی سیرت پڑھنے سے پتہ چلتا ہے، بطور مثال حضرت بایزید بسطامیؒ کے محاسبہ کی ایک حکایت نقل کی جاتی ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ وہ عظیم صوفی ہے جن کے بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا:

أبویزید منا بمنزلۃ جبریل من الملائکۃ (بایزید بسطامی ہم اولیاء میں ایسے معظم ہیں، جیسے ملائکہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام معظم ہیں)

حضرت بایزید بسطامیؒ کے دل میں ایک مرتبہ یہ خیال گذرا کہ میں بڑا بزرگ اور شیخ وقت ہوگیا ہوں، لیکن اس کے بعد فوراً یہ خیال بھی آیا کہ میرا یہ خیال فخر اور عجب کا آئینہ دار ہے۔ چنانچہ فوراً خراسان کی طرف روانہ ہوئے اور ایک منزل پر پہنچ کر دعاء کی کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی ایسے کامل بندے کو نہیں بھیجے گا جو مجھے میری حقیقت سے روشناس کرا سکے تو اس وقت

تک میں یہیں پڑا رہوں گا۔ تین روز کے بعد ایک شخص اونٹ پر آیا۔ آپ نے اسے رکنے کا اشارہ کیا، لیکن اس اشارے کے ساتھ ہی اونٹ کے پاؤں زمین دھنستے چلے گئے جو شخص اس پر سوار تھا اس نے خشمگیں لہجے میں کہا اے بایزید! کیا تم چاہتے ہو کہ میں اپنی کھلی ہوئی آنکھ بند کرلو اور بند آنکھ کھول دو اور بایزیدؒ سمیت پورے بسطام شہر کو غرق کردوں۔ اس کی بات سن کر آپ کے ہوش اڑ گئے اور آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جس وقت تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا اس وقت میں یہاں سے تین ہزار میل دور تھا اور اس وقت میں سیدھا وہیں سے آرہا ہوں اور تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اپنے قلب کی نگرانی کرو! کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وفوق کل ذی علم علیم (یعنی ہر علم والے پر ایک علم والا ہے)

(تہذیب نفس، پیر عبداللطیف خاں نقشبندی ص ۴۹۶)

حضرات صوفیہ کی تعلیمات میں سے ہے کہ انسان کتنے ہی بڑے مرتبہ پر فائز ہوجائے اپنے نفس سے اطمینان کا اظہار نہ کرے۔ اس سلسلہ میں مولانا روم کی ایک حکایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص جنگل سے ایک بے حس وحرکت اژدھے کو جو سردی کی وجہ سے ٹھٹھر گیا تھا اور مردہ معلوم ہورہا تھا، رسیوں سے باندھ کر شہر لایا اور اپنے کمال کا تذکرہ کررہا تھا۔ اژدھا کو جب دھوپ کی تمازت ملی تو وہ ہلنا چلنا شروع کردیا۔ بالآخر ساری رسیوں کو توڑ کر آزاد ہوگیا۔ مولانا رومیؒ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ چند حالات میں انسانی نفس بظاہر مردہ نظر آتا ہے، لیکن یہ مرتا نہیں گناہ کے اسباب نہ ہونے کی وجہ سے نیک نظر آتا ہے۔ جب بھی اسے شہوت یا حرص یا خودنمائی کی گرمی پہنچے تو یہ ساری رسیاں توڑ تاڑ کر پھر زندہ ہوجاتا ہے۔

یہ حقائق اس بات پر دلیل ہے کہ واقعی نفس کا جہاد ''جہاد اکبر'' ہے۔ جس طرح جہاد اصغر کے لیے کسی قائد یا کمانڈر کی ضرورت ہے اسی طرح جہاد اکبر کے لیے اس سے بڑھ کر کسی رہنما و مرشد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہر شخص بخوبی خود اپنے عیوب سے مطلع نہیں ہوتا، اس لیے کسی شیخ کامل کے زیر سایہ ہی تزکیہ نفس کی راہ آسانی سے طئے کی جاسکتی ہے۔

مولانا رومؒ نے فرمایا:

هیچ نه شد نفس را جز ظل پیر

دامن آں نفس کُش را سخت گیر

نفس کو مرشد کے سایہ عاطفت کے بغیر کوئی چیز مار نہیں سکتی ایسے نفس کو مارنے والے پیر کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔

مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ

نادرونایاب تحقیقی کتب کی اشاعت کا منفرد ادارہ

مولانا سید شاہ نعمت اللہ قادری صاحب، معتمد مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ

مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ 111 سال سے علوم اسلامیہ کی مفید، نادر، تحقیقی، اصلاحی اور معلومات آفریں کتب کی اشاعت کا معتبر ادارہ ہے، جس کو حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمہ نے 1330ھ میں قائم فرمایا۔ عالم اسلام کی مایہ ناز کتب اس ادارہ کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہیں اور کئی ایک نادرونایاب تصانیف کی اشاعت مسلسل جاری ہے۔

اتوار 25 اگسٹ 2019 کو حسب قاعدہ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ کے انتخابات احاطہ جامعہ نظامیہ میں عمل میں آئے۔ جس میں ارکان عام نے رائے دہی میں حصہ لے کر 15 رکنی مجلس عاملہ کو منتخب کیا، جن میں مولانا مفتی محمد عظیم الدین صدر مفتی جامعہ نظامیہ، مولانا مفتی خلیل احمد شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ، مولانا ڈاکٹر محمد عبدالمجید نظامی سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ، مولانا ڈاکٹر سید بدیع الدین صابری صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ، مولانا مفتی سید صادق محی الدین صدر نشین دارالقضاء والافتاء للہند، مولانا شیخ محمد عبدالغفور شیخ التجوید جامعہ نظامیہ، مولانا محمد فاروق علی سابق مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ (کنوینر انتخابات) مولانا قاضی محمد عبدالقوی سابق شیخ المعقولات جامعہ نظامیہ، راقم الحروف سید شاہ نعمت اللہ قادری سابق صدر مودب جامعہ نظامیہ، مولانا محمد عبد القدیر صدر انجمن طلباء قدیم جامعہ نظامیہ، مولانا محمد سلطان احمد معتمد انجمن طلبائے قدیم جامعہ نظامیہ، مولانا محمد انوار اللہ خان صاحب، رکن انجمن طلبہ قدیم، مولانا محمد انوار احمد نائب شیخ التفسیر جامعہ نظامیہ، مولانا محمد امتیاز احمد منتظم جامعہ نظامیہ، مولانا خواجہ سید ابوتراب شاہ قادری قدیری سجادہ نشین ہلکٹہ شریف شامل ہیں۔

ہفتہ 31 اگسٹ کو ارکان عاملہ کا اجلاس جامعہ نظامیہ میں منعقد ہوا جس میں متفقہ طور پر مولانا مفتی محمد عظیم الدین مفتی جامعہ نظامیہ کو صدر نشین، راقم الحروف سید شاہ نعمت اللہ قادری کو معتمد، مولانا محمد سلطان احمد کو شریک معتمد اور مولانا محمد امتیاز احمد کو خازن منتخب کیا گیا۔

حضرت محبوب الٰہی کا پیغامِ انسانیت

مولانا حافظ سید واحد علی صاحب، نائب شیخ المعقولات جامعہ نظامیہ

اسلام نے محبت ورحمت' اخوت و بھائی چارے کی تعلیم دی اور نفرت وعداوت' تعصب وجانبداری سے منع کیا، عدل وانصاف' مساوات وبرابری کی ترغیب دی اور ظلم وستم' جبر وقہر کو ناپسند کیا، ہمدردی ورواداری' مواسات وغمخواری کی دعوت دی اور قتل وغارت گری' سفاکیت وبربریت پر قدغن لگائی، دین اسلام نے تشدد واستبداد کے دور میں انسان کو بحیثیت انسان محترم قرار دیا اور شرفِ آدمیت کو غیر معمولی وقعت دی، دین اسلام کا یہ پیغامِ انسانیت' نیوکلیر ٹکنالوجی کے اس دور میں پہلے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ تعلیمات ساری انسانیت کی سلامتی وبقا کے لئے ہیں، ارشاد الٰہی ہے: **کنتم خیر أمة أخرجت للناس.** ترجمہ:تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے (فائدہ کے) لئے لایا گیا ہے۔(سورۃ ال عمران:110)

منشائے الٰہی یہی ہے کہ خلق خدا کو ہر طرح سے سہولت وآسانی حاصل ہو، لوگوں کو فائدہ پہنچایا جاتا رہے جیسا کہ امام طبرانی کی معجم کبیر میں حدیث پاک ہے: **عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الخلق كلهم عيال الله فأحب الخلق الى الله انفعهم لعياله.**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالی کے پاس

صحابہ کرام واہل بیت اطہار اور تابعین وتبع تابعین نے انسانوں کو فائدہ پہنچانے والی تعلیمات کو دنیا کے گوشوں تک پہنچایا، صوفیہ کرام واولیاء عظام نے اس مشن کو آگے بڑھایا اور اقطاع عالم میں پوری ذمہ داری کے ساتھ عام کیا، ان صوفیہ کرام میں ایک عظیم صوفی سلطان المشائخ محبوب سبحانی نظام الحق والدین زرزری بخش حضرت محمد بن احمد بن علی بخاری بدایونی دہلوی معروف بہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

سب سے زیادہ پسندیدہ وہ لوگ ہیں جو اس کے کنبہ کو زیادہ فائدہ پہنچانے والے ہیں. (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث 10033:)

نیز صحیح بخاری شریف میں حدیث پاک ہے: **عن ابی موسی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فکوا العانی یعنی الأسیر وأطعموا الجائع وعودوا المریض.** ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا. حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیدی کو رہا کرو، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو۔ (صحیح البخاری، باب فکاک الأسیر، حدیث نمبر 3046)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غمزدوں کی غمگساری' مصیبت زدہ افراد کے ساتھ ہمدردی' بیماروں کی تیمارداری' بیواؤں اور یتیموں کی امداد' مہمانوں کی ضیافت اور ہر فرد انسانی کے ساتھ نیک برتاؤ کی تاکید وتلقین فرمائی، اس میں مسلمان وغیر مسلم' امیر وغریب' رفیق وبیگانہ یا سیاہ وسفید کا کوئی فرق نہیں کیا، کیونکہ انسانیت کے رشتہ میں سب برابر ویکساں ہیں۔

صحابہ کرام واہل بیت اطہار اور تابعین وتبع تابعین نے انسانوں کو فائدہ پہنچانے والی انہیں تعلیمات کو دنیا کے گوشوں تک پہنچایا، صوفیہ کرام واولیاء عظام نے اس مشن کو آگے بڑھایا اور اقطاع عالم میں پوری ذمہ داری کے ساتھ عام کیا، ان صوفیہ کرام میں ایک عظیم صوفی سلطان المشائخ محبوب سبحانی نظام الحق والدین زرزری بخش حضرت محمد بن احمد بن علی بخاری بدایونی دہلوی معروف بہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

آپ کی ولادت شریفہ 636ھ شہر بدایوں میں ہوئی، نجیب الطرفین سید ہیں، بیس سال کی عمر شریف میں تمام علوم وفنون 'معقولات ومنقولات میں کمال حاصل کیا، نام سے زیادہ اپنے القاب نظام الدین اولیاء' محبوب الٰہی' سلطان المشائخ اور زرزری بخش سے مشہور ہیں، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں اور حضرت نصیر الدین چراغ دلی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں، صاحبِ کمالات و صاحبِ کرامات بزرگ ہیں، مشہور جملہ ''ہنوز دلی دوراست'' آپ ہی کا فرمودہ ہے، جو آپ کی ایک کرامت کا مظہر اور ضرب المثل بن چکا ہے، آپ کا وصال مبارک 725ھ دلی میں ہوا، مزار پرانوار مرجع خلائق ہے۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے بلاتفریقِ مذہب وملت لوگوں کی ہمدردی وغمگساری کی، بلاتعیینِ دین ومذہب پریشان حال افراد کی پریشانیوں کو دور فرمایا، ضرورتمندوں کی ضروریات کی تکمیل کی ، بھوکوں کے لئے غذا اور ننگوں کیلئے پوشاک کا انتظام فرمایا، لنگر خانہ میں روزانہ ہزاروں افراد کو کھلاتے ،کوئی سائل آتا تو اسے نوازتے ، داد ودہش میں اجانب واقارب آشناو نا آشنا، دوست ودشمن سب برابر ہوتے۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں مختلف مذاہب رکھنے والوں اور الگ الگ پیشے وحرفے والوں کو باہم

جوڑ دیا، مختلف گروپوں اور گروہوں کو ایک ساتھ مل بیٹھنے کے لائق بنایا اس طرح کہ لوگوں کے مختلف طبقات ایک دوسرے سے تعلقات استوار رکھیں، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے عصبیت وجانبداری سے روکا، نابرابری وعدم مساوات سے منع فرمایا، احترامِ آدمیت وعظمتِ انسانیت کا درس دیا، آپ نے اخلاقی محاسن وکمالات کی تعلیم دی اور ظلم وجبر، تشدد ودہشت گردی سے پرہیز کرنے اور انسانی اقدار کی پامالی سے اجتناب کرنے کی تاکید وتلقین فرمائی، آپ نے اعمال کی اصلاح کے ساتھ عقیدہ کی بھی اصلاح فرمائی، مسلمانوں کے ذہن ودماغ کو جب گمراہی یا بے دینی سے متاثر کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی تو آپ نے اپنی نصیحتوں کے ذریعہ اس پر روک لگائی۔

آسمان کی حرکت کے بارے میں قدیم فلاسفہ کا یہ نظریہ رہا ہے کہ وہ طبعی ہے، آسمان اپنی طبیعت کی بنیاد پر حرکت کرتا ہے، کسی کے حرکت دینے کی وجہ سے متحرک نہیں ہوتا، حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا کہ آسمان کی حرکت طبعی نہیں بلکہ قسری ہے، فرشتہ کے حرکت دینے کے سبب آسمان حرکت کرتا ہے خود سے نہیں، اس ضمن میں آپ نے ایک ایمان افروز واقعہ بیان فرمایا:

ایک دفعہ کوئی فلسفی خلیفۂ وقت کی خدمت میں اپنی کتابیں لے کر آیا اور چاہا کہ خلیفہ کو راہِ حق سے برگشتہ کردے اور خلیفہ نے بھی اس کے علم میں دلچسپی دکھائی۔ یہ خبر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کی خدمت پہنچی تو شیخ نے اس کی طرف توجہ کی اور فرمایا کہ جب خلیفہ ان فلسفیوں کی طرف مائل ہوگا تو ایک جہاں اندھیر ہوجائے گا۔ یہ فرما کر کھڑے ہوگئے اور خلیفہ کے محل میں تشریف لائے۔ اس وقت خلیفہ نے اسی بد بخت حکیم کے لئے تخلیہ کرا رکھا تھا اور اسی علم کی بحث میں مشغول تھا، خبر کی گئی کہ شیخ شہاب الدین تشریف لائے ہیں، شیخ کو اندر بلایا گیا، شیخ اندر آئے تو خلیفہ اور فلسفی کو دیکھ کر پوچھا کہ تم لوگ اس وقت کیا بحث کررہے تھے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ کچھ اور بات ہورہی تھی، فلسفے کی بحث کو انہوں نے چھپایا۔ شیخ نے بہت اصرار کیا کہ بتاؤ کیا بات کررہے تھے؟ جب شیخ نے بہت تقاضا کیا تو وہ فلسفی بولا کہ ہم اسوقت یہ بحث کررہے تھے کہ آسمان کی حرکت طبعی ہے۔ حرکتوں کی تین قسمیں ہیں، (۱) طبعی (۲) ارادی (۳) قسری۔ حرکت طبعی وہ ہے کہ خود اپنی خاصیت سے گردش کرے، اور ارادی وہ ہے کہ اپنی مرضی سے جس طرف چاہے حرکت کرے۔ حرکت قسری وہ ہے کہ اسے کوئی اور حرکت میں لائے جیسے کہ کوئی فضا میں پتھر پھینکے، اس کو حرکت قسری کہیں گے، جب پھینکنے کی قوت کم ہوگی تو وہ اپنی خاصیت کے مطابق زمین پر گر پڑے گا، جس کو حرکت طبعی کہتے ہیں، اب ہم اس بحث میں ہیں کہ فلک کی حرکت طبعی ہے۔ شیخ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔

اس کی حرکت قسری حرکت ہے۔ وہ بولے کہ کیسے؟ شیخ نے ارشاد کیا کہ اس ہیئت وصورت کا ایک فرشتہ ہے۔ وہ خدائے تعالی عزوجل کے فرمان کے مطابق آسمان کو گردش میں رکھتا ہے، جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے، فلسفی ہنسنے لگا، اس کے بعد شیخ خلیفہ اور حکیم کو اس چھت کے نیچے سے کہ جہاں

بیٹھے ہوئے تھے' باہر لائے اور آسمان کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ خداوندا جو کچھ تو اپنے خاص بندوں کو دکھاتا ہے وہ انہیں بھی دکھادے، پھر خلیفہ اور فلسفی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آسمان کی طرف دیکھو۔ ان دونوں نے آسمان کی طرف دیکھا تو وہ فرشتہ نظر آ گیا جو فلک کو گردش دیتا ہے، اس وقت خلیفہ اس عقیدے سے تائب ہوا اور دین اسلام پر پکا ہو گیا۔ **والحمد لله رب العالمين.** (فوائد الفؤاد، 202,203)

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں یکے بعد دیگرے سات بادشاہوں نے حکومت کی، ان میں اکثر آپ کے عقیدت مند تھے یا بالآخر معتقد ہو چکے تھے، شاہوں اور امیروں کی جانب سے جو نذرانے آتے وہ سب آپ مخلوق خدا پر خرچ کر دیتے، آپ دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے ، دوسروں کی راحت کا خیال رکھتے، کسی سے قصور ہو جائے تو درگزر فرماتے۔

لوگوں کی تکلیف دور کرنے کی فکر

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو دوسروں کی تکلیف کا پورا احساس تھا اور ان کی تکلیف دور کرنے کا غیر معمولی جذبہ رکھتے تھے جیسا کہ فوائد الفؤاد میں مذکور ہے:

بہت لوگ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر (محبوب الٰہی) کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے بعض کو سایہ میں جگہ نہیں ملی تھی، دھوپ میں بیٹھ گئے، حضرت نے دوسرے لوگوں سے کہا کہ اور قریب ہو کر بیٹھو تا کہ ان لوگوں کے لئے بھی جگہ نکل آئے کیوں کہ دھوپ میں وہ بیٹھے ہیں اور جلتا میں ہوں ! اسی کی مناسب حال حکایت بیان فرمائی کہ بدایوں میں ایک بزرگ تھے جن کو شیخ شاہی موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا ہے' ایک دوست انہیں تفریح کیلئے باہر لے گئے اور کھیر پکائی جب کھانا سامنے لگایا تو خواجہ شاہی موئے تاب بولے کہ اس کھانے میں خیانت ہوئی ہے۔ شاید دو آدمیوں نے اس میں کچھ دوستوں کے سامنے لانے سے پہلے پی لیا تھا اور یہ درویشوں میں بہت بڑی خطا سمجھی جاتی ہے۔ الغرض جب خواجہ شاہی نے کہا کہ ایسا کیوں ہوا کہ دوستوں کے سامنے کھانا لانے سے پہلے کسی نے اس میں سے کچھ کھالیا تو وہ بولے کہ دیگ میں دودھ ابل کر باہر گر رہا تھا۔ ہم نے تو باہر گرنے والے دودھ کو لیا ہے اسے کیا کرتے گرنے دیتے ؟ ناچار اسے پی لیا۔ خواجہ شاہی نے کہا: نہیں اس طرح دودھ پینا غلط تھا' بہتا تھا بہنے دیتے' (ممکن ہے حضرت کا منشا یہ ہو کہ وہ حیوانات یا حشرات الارض کی غذا بن جائے جو مکلّف نہیں ہوتے برخلاف مکلفین کے؛ جنہیں بلا اجازت لینا درست نہیں) چنانچہ ان کا یہ عذر نہیں سنا گیا وہ پیچھے چلے گئے۔ وہاں دھوپ تھی۔ دھوپ میں کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ان کا پسینہ بہہ بہہ کر گرنے لگا۔ اس وقت خواجہ شاہی نے کہا کہ حجام (پچھنا لگانے والے) کو بلاؤ۔ پوچھا گیا کہ آپ کیا کریں گے؟ جواب دیا کہ جس قدر پسینہ میرے دوستوں کا بہا ہے اسے کہوں گا کہ اتنا خون میرا نکال دے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ شاباش! محبت ہو تو ایسی ہو اور انصاف کا خیال رکھا جائے تو اس طرح رکھا جائے۔ (فوائد الفؤاد ص258)

بیماروں کو تیمارداری

سفر میں کسی شخص کی طبیعت بگڑ جائے، کسی شخص کو کوئی مرض لاحق ہو جائے تو ساتھیوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے، اس سلسلہ میں فوائد الفؤاد کے مرتب حضرت امیر حسن عُلا سنجری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ملیح جو میرا آزاد کردہ غلام اور رفیق ہے کسی قدر بیمار تھا، اس بیماری کی حالت میں حاضر اور راقم کے ساتھ ہی خدمت میں پہنچا' اس کے مرض کا حال دریافت فرمایا' بندے نے عرض کی کہ بندے کو راستے میں ان کی بیماری کی وجہ سے ٹھہرنا پڑا تھا۔ فرمایا تم نے اچھا کیا اگر کوئی اپنے دوست کے ساتھ جائے اور دوست کو زحمت اور تکلیف پہنچے تو اس پر واجب ہے کہ دوستی کا حق نبھائے اور اس کا خیال رکھے۔(فوائد الفؤاد، ص360)

اغماض وچشم پوشی

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ عفو ورگزر' اغماض وچشم پوشی سے کام لیتے اور اس کی تلقین فرماتے، آپ کی انسانیت نوازی کا یہ عالم تھا کہ ایک مسلح شخص جب پکڑا گیا تو نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ اسے نواز کر روانہ فرمایا جیسا کہ فوائد الفؤاد میں ہے:

ایک شخص کو جماعت خانے میں چھری کے ساتھ پکڑا گیا تھا واللہ اعلم وہ کون تھا اور کیوں آیا تھا جب خدمت گاروں نے اسے پکڑ لیا اور خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کو اس کی خبر ہوئی تو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ کہیں لے جائیں اور اسے تکلیف پہنچائیں۔اس کو سامنے بلوایا اور فرمایا کہ خدا کے سامنے عہد کرو کہ کسی مسلمان کو دھوکا نہیں دو گے۔اس نے عہد کر لیا خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اسے چھوڑ دیا اور خرچ بھی عطا فرمایا۔(فوائد الفواد،ص334،335)

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ خدا کی مخلوق پر اس قدر مہربان تھے کہ عام لوگوں پر آپ کی عنایتیں ہوتی ہی تھیں' جو لوگ مختلف طریقوں سے تکلیفیں دیتے تھے یہاں تک کہ جادو کے ذریعہ تکلیف پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے تھے، آپ انہیں بھی معاف کر دیا کرتے تھے چنانچہ آپ پر کئے گئے جادو سے متعلق فوائد الفؤاد میں مذکور ہے:

ارشاد ہوا کہ ہاں دو مہینے تک بیمار رہا' سخت تکلیف اٹھائی یہاں تک کہ ایک شخص کو لایا گیا جو جادو کی علامتوں کو ڈھونڈ نکالنے میں کمال رکھتا تھا' قصہ مختصر وہ شخص آیا اور گھر کے دروازے کے سامنے اور اطراف پھرا اور ہر دفعہ تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور اس کو سونگھ کو بولا کہ یہاں سے کھودو، جب کھودا گیا تو جادو کی چیزیں نکل آئیں۔اس وقت مرض میں تھوڑی سی کمی ہوگئی' اس عرصے میں اس شخص نے کہا کہ میں اس قدر مہارت بھی رکھتا ہوں کہ اگر کہا جائے کہ کس نے جادو کیا ہے؟ تو میں اس کا نام بتا دوں۔ یہ اطلاع مجھ تک پہنچائی گئی تو میں نے کہا: ہرگز نہیں، اس کو منع کر دو کہ نام نہ بتائے۔جس کسی نے بھی جادو کیا تھا میں نے اسے معاف کر دیا۔اس درمیان بندے نے عرض کیا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز پر بھی جادو کیا گیا تھا؟ فرمایا کہ ہاں وہ جادو بھی ظاہر ہو گیا تھا اور

جن لوگوں نے یہ حرکت کی تھی ان کا پتہ بھی چل گیا تھا اوران کو اجودھن کے حاکم اور وہاں کے بااختیار لوگوں نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بھیج دیا تھا اور عرض کی تھی کہ آپ کیا فرماتے ہیں، ان لوگوں کے ساتھ کیا کیا جائے ؟ ارشاد ہوا تھا کہ میں نے انہیں معاف کردیا، انہیں چھوڑ دو۔(فوائدالفواد،ص360،361)

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کے حق میں بھی عفوورگزر سے کام لیتے جو سرعام آپ کے بارے میں برا کہتے اور بدگوئی کرتے تھے'فوائدالفوٴاد میں مذکور ہے:

حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض داشت کی کہ بعض لوگ کیا برسرمنبر اور کیا دوسرے مقامات سب جگہ آپ کی بدگوئی کے طور پر کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں اور ہم سے نہیں سنا جاتا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کردیا ہے۔ پھر کیا موقع ہے کہ لوگ عداوت اور کسی کی دشمنی میں مشغول ہوتے ہیں۔ جو بھی مجھے برا کہتا ہے میں اسے معاف کردیا، تم کو بھی چاہیے کہ معاف کردو اور اس شخص سے دشمنی نہ رکھو۔اس کے بعد فرمایا کہ چھجو اندرپت کا رہنے والا تھا اور برا کہتا اور میرا برا چاہتا۔ برا چاہنا کہنے سے بھی برا ہے۔ الغرض جب وہ مرگیا تو میں تیسرے روز اس کی قبر پر گیا اور میں نے دعا مانگی اور کہا کہ الٰہی اس نے جو کچھ بھی مجھے برا کہا اور میرا برا چاہا میں نے اس کو معاف کردیا۔تو میری وجہ سے اسے عذاب نہ دیجیو ! اسی سلسلے میں فرمایا کہ اگر دوآدمیوں کے درمیان رنجش ہوتو اس کا علاج یہ ہے کہ ایک شخص اپنی طرف سے صفائی کرلے جب یہ شخص اپنے اندر سے عداوت کونکال دیگا تو ضرور دوسری جانب سے بھی آزار کم ہوجائے گا۔اس کے بعد فرمایا کہ لوگ اس برا (بھلا) کہنے سے آخر کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں ؟ کہا گیا ہے کہ صوفی کا مال سبیل ہے اوراس کا خون مباح !جب معاملہ یہ ہوتو برا کہنے کی وجہ سے کسی سے دشمنی کیوں کی جائے۔(فوائدالفوٴاد،ص 261)

مہربانی اور ہمدردی کی ستائش

عہد قدیم سے غلاموں اور باندیوں کی خرید وفروخت کا رواج رہا' حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بھی غلاموں کا استعمال ساری دنیا میں رائج تھا اور لوگ غلاموں' کنیزوں کو اپنی سہولت کے مطابق ایک مقام سے دوسرے مقام لے جاتے اور یہ شرعی لحاظ سے یاعقل ودانش اورعرف ورواج کے اعتبار سے کوئی معیوب بات نہیں تھی لیکن حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت امیرحسن علاء سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے کنیز کواس کے والدین سے جدا کرنا گوارانہ کیا، جیسا کہ حضرت امیرحسن علاء سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ملیح جو میرا پرانا خدمت گار ہے'اس نے پانچ تنکے میں ایک کم عمر کنیز خرید لی، جب لشکر شہر کی طرف واپس آنے لگا تو اس کنیز بچی کے ماں باپ کہیں سے نکل آئے اور عاجزی و زاری کے ساتھ خدمت گذار کے پاس دس تنکے لے کرآئے کہ یہ لےلو اور بچی کو ہمیں دے دو۔ بندے کا ان کی آہ وزاری

پر کلیجہ کٹ گیا۔دس تنکے ملیح کو اپنے پاس سے دیئے اور کہا کہ تو نے اسے پانچ تنکے میں خریدا تھا۔دس تنکے میں میرے ہاتھ بیچ دے'اس نے بیچ دیا، میں نے میں خریدلیا،اس کے بعد ان کی لڑکی کو ان کے حوالے کر دیا اور جو تنکے وہ لائے تھے وہ بھی انہیں واپس کر دیئے ۔ بندے نے یہ کام کیا تھا مخدوم کیا فرماتے ہیں؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا بہت اچھا کیا!۔(فوائد الفواد،ص388)

فقراء کے درمیان تحائف کی تقسیم

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عوام وخواص کی جانب سے جو نذرانے و تحفے تحائف آتے وہ سب آپ تقسیم کر دیتے 'اپنے لئے کچھ ذخیرہ نہ رکھتے' آپ کی خدمت میں پیش کی جانے والی ہر چیز انسانیت کی فلاح و بہبود کیلئے خرچ کی جاتی ۷۲۰ھ میں خسرو خان تخت نشین ہوا جیسا کہ مرآۃ الاسرار میں ہے:

اس نے خزانے کے دروازے کھول دیئے اور لوگوں کی پرورش شروع کر دی جس سے لوگ اس کے گرد جمع ہونے لگے ۔اس نے کافی رقم درویشوں کے لئے بھی وقف کی۔ چنانچہ اس نے پانچ لاکھ روپے سلطان المشائخ کی خدمت میں ارسال کئے ۔دوسرے درویشوں نے روپیہ جمع کر لیا لیکن سلطان المشائخ نے سب کچھ فقرا میں تقسیم کر دیا۔چار ماہ کے بعد غیاث الدین تغلق نے جو قطب الدین کی طرف سے ملتان کا حاکم تھا لشکرکشی کی اور خسرو خان بھاگ نکلا۔ چونکہ سلطان علاؤالدین کی نسل کا کوئی آدمی موجود نہ تھا سب اراکینِ سلطنت نے سلطان غیاث الدین تغلق کو دہلی کے تخت پر بٹھایا۔ دوسرے دن اس نے خزانے کا معائنہ کیا اور خسرو خان نے جس کسی کو رقم دی تھی سلطان نے واپس طلب کی درویشوں سے بھی رقم واپس طلب کی گئی ۔ جب سلطان المشائخ سے رقم کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا بیت المال کی رقم تھی ہم نے درویشوں میں تقسیم کر دی ہے۔(مرآۃ الاسرار،ص794)

طعن وتشنیع اور عیب جوئی کی ممانعت

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے نفرت وعداوت کو پسند نہیں فرمایا،توڑنے کے بجائے جوڑنے کی ہدایت دی' نفرت کی جگہ الفت کی تلقین فرمائی،چنانچہ ارشاد فرمایا:

ایک شخص نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں چاقو کا تحفہ پیش کیا۔شیخ نے وہ چاقو اس کو واپس دے دیا اور فرمایا کہ میرے پاس چھری مت لاؤ،سوئی لاؤ کہ چھری کاٹنے (اور جدا کرنے) کا آلہ ہے اور سوئی جوڑنے کا آلہ ہے۔(فوائد الفؤاد،ص421)

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسروں پر طعن وتشنیع اور عیب جوئی کرنے سے منع فرمایا اور اپنے عیوب پر نظر رکھنے اور محاسبہ کرنے کا حکم فرمایا،چنانچہ فرمایا:

اگر کوئی شخص کسی کو کسی عیب کا طعنہ دیتا ہے تو پہلے اس کو سوچنا چاہئے کہ یہ عیب مجھ میں ہے یا نہیں؟ اگر وہ عیب اس میں بھی ہے تو اس کو شرم نہیں آتی کہ جس عیب میں خود مبتلا ہے اس کا طعنہ دوسروں کو دیتا ہے اور اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے تو خدائے عزوجل کا شکرانہ ادا کرے کہ اس عیب سے محفوظ رکھا ہے' دوسروں

کواس عیب کا طعنہ نہیں دینا چاہئے ۔(فوائدالفؤاد،ص 421)

تحمل کی تاکید اور ایذارسانی سے بچنے کی تلقین

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا احترام کرے' گفتگو میں سختی نہ برتے گفتگو کے وقت تیور نہ بدلے،غصہ کا گھونٹ پی جائے' حسن سلوک کرنے والوں کے ساتھ تو حسن سلوک کیا ہی جاتا ہے، بدسلوکی کرنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرے، چنانچہ انسانی اقدار کی حفاظت و پاسداری کی تعلیم دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: شکایت کے وقت بات اس طرح کرنی چاہئے کہ گردن کی رگ نہ ابھرے یعنی غصے اور تعصب کا اثر پیدا نہ ہو۔ پھر تحمل اور بردباری کے بارے میں بہت غلو فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جو بھی جفا کو سہ لیتا ہے وہ سب سے اچھا ہے،غصہ کو پی جانا چاہئے اور بدلے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہئے۔

یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے

ہرکہ ما را یار نبود ایزد او را یار باد
وآنکہ ما را رنجہ دارد راحتش بسیار باد!

ترجمہ:- جو ہمارا دوست نہ بنے اللہ اس کا دوست رہے اور جو ہمیں تکلیف پہنچائے اس کو خوب راحت ملے۔

اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

ہرکہ او خارے نہد در راہِ ما از دشمنی
ہر گلے کز باغِ عمرش بشگفد بے خار باد

ترجمہ:- جو بھی دشمنی سے ہمارے راستے میں کانٹا رکھے اس کی زندگی کے چمن کا ہر پھول بے کانٹے کھلا رہے۔

پھر فرمایا کہ اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی جواب میں کانٹا رکھو تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے ۔ ان کلمات کے درمیان فرمایا کہ عوام میں یہ دستور ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھائی اور بروں کے ساتھ برائی، لیکن درویشوں میں یہ طریقہ ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھے اور بروں کے ساتھ بھی اچھے ۔(فوائد الفواد،ص246)

الغرض محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے انسانوں کو انسانوں کے ساتھ رہنے کا طریقہ بتایا، آپ نے قولی اور عملی طور پر یہ پیغام دیا کہ نفرت وعداوت کا بدلہ الفت ومحبت سے دیا جائے، بدسلوکی و درشت مزاجی کی جگہ حسن سلوک وخندہ پیشانی اختیار کی جائے' بدگوئی وبدکلامی کے عوض سچائی وخوش کلامی سے کام لیا جائے، تعصب وجانبداری کے مقام پر انصاف وحق پسندی اپنائی جائے' محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم فرمایا کہ نیکی کا بدلہ نیکی سے دیا جائے اور بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے، دوستوں سے نیک برتاؤ کرنے کے ساتھ دشمنوں سے بھی نیک برتاؤ کیا جائے۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات بجائے خود پیغام ہے کہ انسانی قدروں کی بلندیوں کو تسلیم کیا جائے اور انسان خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو یا لادینیت کا قائل ہو انسان ہونے کی حیثیت سے وہ لائق احترام ہے ،اس کی جان ومال' عزت وآبرو کی حفاظت وصیانت لازمی وناگزیر ہے، کسی ایک فرد انسانی پر زبانی زیادتی روا نہیں رکھی جاسکتی چہ جائے کہ اسے ایذا پہنچائی جائے یا قتل کیا جائے۔

اللہ تعالی ساری انسانیت کو امن وامان میں رکھے اور سب کو توفیقِ خیر نصیب فرمائے۔ امین

حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ ایک قادرالکلام شاعر

ڈاکٹر محمد عظمت اللہ خان احساسؔ، ایس اے، ای آر پی، محکمہ تعلیمات

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم والہ وصحبہ اجمعین.

بانیٔ جامعہ نظامیہ حیدرآباد شیخ الاسلام المقلب بہ فضیلت جنگ محمد انواراللہ شاہ فاروقیؒ جہاں علوم اسلامیہ کے متبحر عالم تھے، وہیں اردو زبان وادب کے حوالے سے بھی ان کا شمار اردو زبان وادب کے خاموش اور عظیم المرتبت خدمت گزاروں میں ہوتا ہے، انہیں علم وادب کا ذوق ورثہ میں ملا تھا، ان کے والد عربی و فارسی کے عالم تھے، وہ ۴ رربیع الثانی ۱۲۶۴ھ بمقام ناندیڑ پیدا ہوئے۔ (حضرت انواراللہ فاروقی شخصیت علمی و ادبی کارنامے، از: حمیدالدین اکبر، ص: ۱۴، ۲۰۰۰ء)

انہوں نے گیارہ سال کی عمر میں حفظ کلام اللہ مکمل فرمالیا تھا، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی، مولوی محمد فیاض الدین سے فقہ کی کتابیں پڑھیں اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی سے بھی حیدرآباد میں فقہ اور معقول کی تکمیل کی۔

مولانا ایک عالم، صوفی، مفکر، دانشور، فلسفی، متکلم، فقیہہ، محدث اور مدبر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین ادیب و شاعر اور ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔

مولانا انواراللہ شاہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و ادبی کارناموں میں ان کی شاعری بھی اہمیت کی حامل ہے، وہ انورؔ تخلص فرماتے تھے، مولانا انواراللہ نے شعر گوئی کا آغاز انوارِ احمدی کے منظوم ترجمہ سے کیا جو باسنٹھ بندوں پر مشتمل مسدس کی ہیت میں ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، معجزات اور میلاد شریف کے موضوعات شامل ہیں، مولانا نے مدینہ میں قیام کے دوران ان موضوعات کو احادیث اور سیرت

عدم شکل ہستی میں بن بن کے آیا — کہیں کیا ہوئے امتحاں کیسے کیسے

ہوئی خانۂ دل کی تعمیر مٹ کر — بنے لامکاں میں مکاں کیسے کیسے

ذرا دیکھو انورؔ کہ انوارِ غیبی — نہاں کس قدر ہیں عیاں کیسے کیسے

کی کتابوں سے منتخب کر کے منظوم کیا تھا، جس کی تشریح خود مولانا موصوف نے سادہ اردو نثر میں کی اور اپنے پیرومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو حرف بہ حرف سنایا، حاجی صاحب نے کمال مسرت سے اس کتاب کا نام ''انوارِ احمدی'' تجویز کیا اور توصیفی کلمات سے نوازا۔

مولانا نے اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد تیسرا حج کیا، اس سفر میں انہوں نے تین سال مدینہ منورہ میں گزارے، اس وقت مولانا کی زندگی میں ایک کرب کی حالت پیدا ہوگئی تھی، اس حالت کرب میں مولانا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق قلبی کو بڑھایا اور اس کے اظہار کے لئے شاعری کا سہارا لیا، چنانچہ اس عرصے میں آپ نے جو اشعار لکھے، ان کا ہر لفظ حب رسول کی صدا دیتا ہے، انہیں اشعار کی نثری وضاحت کا نام انوارِ احمدی ہے، اس کے علاوہ مولانا نے فارسی میں بھی چند نعتیہ غزلیں کہی تھیں، جن کو انوارِ احمدی میں شامل کیا، اس کتاب میں مظفر الدین معلیٰ کا قطعہ تاریخ بھی شامل ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوئی۔

انوارِ احمدی کے شعری متن کے علاوہ مولانا کا ایک اور مجموعۂ کلام ''شمیم الانوار'' کے نام سے مولانا کے انتقال کے بعد مطبع اشاعت العلوم شبلی گنج حیدرآباد سے شائع ہوا، اس مجموعے میں فارسی کی چوبیس نعتیہ غزلیں، ایک نعتیہ قصیدہ اور سینتیس (۳۷) اشعار شامل ہیں، ان کے علاوہ اردو کی ایک مثنوی جس کے اشعار کی تعداد اٹھائیس (۲۸) ہے اور دس غزلیں بھی اس میں شامل ہیں، جن میں مولانا نے تصوف و اخلاق کے موضوعات کو شعری لوازمات کے ساتھ پیش کیا ہے، علاوہ ازیں کلام انور ''انوار الانوار'' (قلمی نسخہ مخزونہ درگاہ شاہ راجو حسینی) میں فارسی غزلوں کے ساتھ اردو کی دو غزلیں بھی شامل ہیں۔

اپنی شاعری کے بارے میں خود مولانا کی رائے یہ تھی کہ:

ہر چند فن شاعری میں نہ کسی سے تلمذ ہے نہ مہارت، نہ اہل ہند کے محاورات سے واقفیت مگر صرف اس لحاظ سے کہ یہ خدمت غالباً، مناسب مقام ہے اور تعجب نہیں کہ اسلام سے اس کو کچھ فائدہ حاصل ہو، چند اشعار لکھے۔ (انوارِ احمدی، از: مولانا انوار اللہ فاروقی تمہید مصنف۔ ص ط، ناشر: مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، ۲۰۰۲ء)

مولانا کا یہ کہنا کہ فن شاعری میں مہارت نہیں، محاورتِ اہل ہند سے واقفیت نہیں وغیرہ یہ سب ازراہِ انکساری تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا شاعری کے سارے مسائل ولوازمات سے واقف تھے، مولانا کس درجے کے شاعر تھے، اس بابت ابوالخیر کنج نشین رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''وہ اپنے عہد کے علمی ہمہ دانست کے بہت اچھے نمونہ تھے اور عربی، فارسی اور اردو کے اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے''۔ (انوارِ احمدی (سوانح حضرت فضیلت جنگ) ۳۴۹، از: مولانا ابوالخیر کنج نشین، ناشر: مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، ۲۰۰۲ء)

مولانا کے مزاج میں نثر پر قابو کے باوصف، شعر کہنے کی بھی

صلاحیت بدرجۂ اتم موجود تھی ، مولانا انور کی شاعری برائے شاعری نہیں بلکہ برائے عبادت تھی ، انہوں نے اپنے مقصد شاعری کا ذکرایک نعتیہ مسدس میں اس طرح کیا ہے ؎

لکھا اس کو نظم میں ہر چند میں شاعر نہیں
کیوں کہ خوش ہوتے تھے اکثر نظم ہی سے شاہِ دیں
تھا یہی لم جو محمد حساں کے تھے روح الامیں
کعب اور ابن رواحہ کو اسی کا تھا یقیں
ذکر ختم المرسلیں اس نظم سے مقصود ہے
جو ازل سے تا ابد ممدوح اور محمود ہے

مولانا انوؔر نے اپنی غزلوں کے لئے عموماً ان بحروں کا انتخاب کیا ہے جن سے کلام میں روانی اور نغمگی پیدا ہوتی ہے اور ایسے موزوں الفاظ کا استعمال کیا ہے جس سے شعر میں موسیقیت پیدا ہوجاتی ہے، مولانا انور کی شاعری کی آواز آواز ربانی کا احساس دلاتی ہے، مولانا انوؔر کے کلام میں قرآنی طرز کہیں لفظوں کے آہنگ سے پیدا ہوتا ہے کہیں ردیف وقافیے سے اور کہیں بحروں کے حسن انتخاب سے واضح ہوتا ہے ، اس مقصد کے حصول میں مولانا انوؔر نے بحر متقارب کے علاوہ بحر ہزج ، بحر مضارع اور بحر رمل کی مختلف شکلوں سے اپنے کلام میں موسیقی اور ترنم کو پیدا کیا ہے ۔جیسے ؎

جہاں میں ہیں جلوے عیاں کیسے کیسے
ہیں اسرار دل میں نہاں کیسے کیسے
ذرا دیکھو انوؔر کہ انوارِ غیبی
نہاں کس قدر ہیں عیاں کیسے کیسے

مولانا انوؔر کی شاعری کے موضوعات وسیع اور متنوع ہیں ،انہوں نے تصوف واخلاق ، حب رسول ، مناظرِ قدرت پند و نصائح جیسے موضوعات پر اشعار کہے ہیں ، مولانا انوؔر نے شاعری کے ذریعہ اسرارِ حق کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے،ان کے شعری سرمائے میں معرفت اور درسِ عبرت کے پہلو پائے جاتے ہیں،جیسے ؎

عارف کو فہم آیۂ تخلیق کے لئے
اوراق گل ہیں نسخۂ تفسیر ایک ایک
ہاتھ آئے جس کو سلسلۂ زلف عنبریں
توڑے تعلقات کی زنجیر ایک ایک
نظر جب دوربیں ہونے لگے آثارِ قدرت میں
تو دل ہوجائے گا پھر جامِ جم آہستہ آہستہ
نہ خنجر پاس ہے ان کے نہ وہ شمشیر رکھتے ہیں
مگر ابرو کی جنبش میں عجب تاثیر رکھتے ہیں

مولانا انوؔر کے موضوعات کا تعلق شاعری کے داخلی پہلو سے ہے ، انہوں نے حیات انسانی اور کائنات کے مختلف موضوعات اور مسائل کو موضوع سخن بنایا ہے، جیسے ؎

یک روش دور زمانہ کا نہیں رہ سکتا
رکھی رہتی ہے صراحی بھی کبھی جام سے دور

عمر رواں اور آب رواں کی مماثلت میں عبرت کا کیسا پہلو نکالا ہے، ملاحظہ ہو ؎

عمر کی طرح نہیں لوٹ کے پانی آتا
سیرِ پل جاکے بھی تم نے یہ تماشا دیکھا

حضرت انورؔ کے اس شعر سے انسانیت نوازی کا درس ملتا ہے۔

کیا لطف سنگ و گل کی عمارت میں منعمو!
دل ہیں شکستہ قابل تعبیر ایک ایک

خوف آخرت، سزا اور جزا کا تصور بھی ان کے کلام میں ملتا ہے جیسے ۔

کیا حال ہو جو حشر کے دربارِ عام میں
بھر سزا سنائیں گے تقصیر ایک ایک

فراق اور جدائی کے کرب کو یوں بیان کرتے ہیں ۔

یہاں آتے ہی رودیا بے تکلف
جدائی کا ہوتا ہے غم پہلے پہلے

ہر شئے میں خدا کی جلوہ گری ہے، انھوں ے اس نکتہ کی گرہ کشائی اس طرح کی ہے ۔

ہر چیز میں ہے صنعتِ خلّاق جلوہ گر
اس وجہ سے ہے قابل تصویر ایک ایک

مولانا انورؔ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لازوال قدروں کے حامل اشعار کہے ہیں ۔

کی صدقِ دل سے جس نے اطاعت رسول کی
عالم میں اس کی کرتا ہے توقیر ایک ایک
طیبہ کی سرزمیں کی مہوس کو قدر کیا
خاشاک و خاک واں کی ہے اکسیر ایک ایک

تصوف و معرفت کے مسائل بھی ان کی شاعری کے خاص موضوعات ہیں، مولانا انورؔ کا صوفیانہ رنگ کچھ اس طرح ہے۔

عدم شکل ہستی میں بن بن کے آیا
کہیں کیا ہوئے امتحاں کیسے کیسے
ہوئی خانۂ دل کی تعمیر مٹ کر
بنے لامکاں میں مکاں کیسے کیسے

مراد و نامرادی عاشقوں کے پاس ہے یکساں
وہ کب تعجیل کا شوق اور غمِ تاخیر رکھتے ہیں
ذرا دیکھو انورؔ کہ انوارِ غیبی
نہاں کس قدر ہیں عیاں کیسے کیسے

بقول حالؔی محاورہ اگر عمدہ طور پر باندھا جائے تو بلا شبہ پست شعر کو بلند اور بلند کو بلند تر کر دیتا ہے، مولانا انورؔ کے کلام میں بھی محاورہ کا لطف ملتا ہے، اشعار ملاحظہ ہوں ۔

دل ٹھکانے نہیں ہے کیا باعث
وہ کسی زلف میں پھنسا تو نہیں
ہاتھ آئے جس کو سلسلۂ زلف عنبریں
توڑے تعلقات کی زنجیر ایک ایک

مولانا انورؔ کی شاعری کا خارجی پہلو صنائع بدائع کے ساتھ ساتھ دیگر شعری خصوصیات کا حامل ہے، جن کی بنیاد پر انہیں ایک قادر الکلام شاعر کہا جاسکتا ہے، مولانا انورؔ کے اشعار میں صنائع بدائع کا استعمال بھی شعری حسن کو بڑھا دیتا ہے، اس سلسلہ میں چند مروجہ صنعتوں کے اشعار درج کئے جاتے ہیں ۔

حسن تعلیل ۔

یہاں آتے ہی رو دیا بے تکلف
جدائی کا ہوتا ہے غم پہلے پہلے

مراعات النظیر۔

عشاق کے دلوں کو پھنسانے کا دام ہے
ہر تار موئے زلف گرہ گیر ایک ایک

صنعتِ تضاد ۔

سیر عارف کی بدایت ہے نہایت کا مقام
دائرہ ہی نہیں آغاز ہے انجام سے دور

ایہام ۔

زلف کے دام میں دانا بھی پھنسے جاتے ہیں
کون ایسا ہے بھلا جو رہے اس لام سے دور

لف ونشر ۔

مراد و نامرادی عاشقوں کے پاس ہے یکساں
وہ کب تعجیل کا شوق اورغمِ تاخیر رکھتے ہیں

تجاہل عارفانہ۔

دوسروں کے وہ قصے کہتے ہیں
وہ ہمارا ہی ماجرا تو نہیں

تلمیح ۔

زندگی سولی پہ منصور نے کاٹی الحق
اہل تحقیق کو ہے دارِ اماں دار کے پاس

تکرارِ لفظی ۔

چشم بیمار کی جانے دلِ بیمار ہی قدر
قدرِ بیمار ہوا کرتی ہے بیمار کے پاس

مولانا انوؔر کو عربی اور فارسی زبانوں پر غیر معمولی عبور حاصل تھا،اس لئے انھوں نے ایسی تراکیب بھی ایجاد کی ہیں جن کے ذریعہ وہ مفہوم جو کئی جملوں میں ادا نہیں ہوسکتا چند الفاظ سے ادا ہوجاتا ہے، ان مرکب الفاظ کو حضرت انوؔر نے بڑے سلیقے سے باندھا ہے جن سے زبان کا لطف بھی ملتا ہے ۔

رحم و اظہارِ و فا ، خوئے دلآرام سے دور
صبر آسودہ دلی عاشق ناکام سے دور

مولانا انوؔر جہاں ایک بلند پایہ عالم وخطیب تھے، وہیں ایک شعر وادب کے خاموش خادم بھی تھے، انھوں نے اپنے اندرون کے پاکیزہ جذبات کے اظہار کے لئے صالح مقصد کے پیش نظر شاعری کا سہارا لیا اور اردو نظم ونثر میں وہ نمایاں خدمات انجام دیں کہ ایک قادرالکلام شاعر کی حیثیت سے بھی ان کی شناخت کو استحکام ملا۔

ان کی کتاب ''انوارِ احمدی'' کے منظوم ترجمہ سے ان کی شعری خدمات کا آغاز ہوا۔مگر ان کا باضابطہ شعری مجموعہ شمیم الانوار ہے ،جو اولاً ۱۳۳۶ھ میں مولوی حافظ ولی الدین صاحب فاروق مہتمم دفتر اشاعت العلوم حیدرآباد کے زیر اہتمام شائع ہوا جو ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور جس میں صفحہ نمبر ۲۶ تک فارسی اور باقی اردو کلام ہے، پھر محمد فصیح الدین نظامی کی مساعی جمیلہ اور حسن ترتیب سے ازسرنو مولانا انوؔر کے کلام کو کتابی شکل موسوم بہ ''دیوان انوؔر'' دی گئی ،۲۰۰۳ء م ربیع الثانی ۱۴۲۴ء میں شیخ الاسلام لائبریری اینڈ ریسرچ فاؤنڈیشن حیدرآباد کے زیر اہتمام جس کی اشاعت عمل میں لائی گئی ،اس

مجموعہ میں حضرت مولانا کے تمام کلام کو یکجا کیا گیا اور فارسی غزلوں اور اشعار کے ترجمہ کی خدمت مشہور بزرگ ادیب و شاعر حضرت قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری مدظلہ کی ذات گرامی نے انجام دی جس کی وجہ سے اس کا وقار واعتبار اور بڑھ کر یہ مفید عام وخاص ہوگئی اور اب ترجمہ کی مدد سے حضرت کے فارسی کلام کا نہ صرف مطالعہ کیا جاسکتا ہے بلکہ مولانا انوؔر کی فکر بلند نیز ان کے مزاج ومنہاج کو بھی بآسانی سمجھا جاسکتا ہے، علاوہ ازیں اس مجموعہ میں مولانا انوؔر کا وہ کلام بھی جمع کیا گیا جو شمیم الانوار (پہلے شعری مجموعے) میں نہ تھا بلکہ مولانا کی مختلف دیگر تصانیف میں مضامین کی نسبت سے بکھرا پڑا تھا، اس طرح یہ دیوانِ انوؔر اب جامع ہوگیا ہے، ''عرض ترجمہ'' مضمون کے تحت حضرت سید شاہ اعظم علی صوفی قادری مدظلہ رقم طراز ہیں:

''آپ کی ہمہ پہلو شخصیت اپنی ذات میں ایک انجمن تھی، مفتی، محدث، مفسر ومفکر، مصنف ومؤلف، خطیب وادیب اور صوفی و عارف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قادرالکلام شاعر و سخنور بھی تھے کہ جن کے عشق رسول میں ڈوبے ہوئے کلام کو پڑھ کر علامہ جامؔی قدس سرہ السامی کے جذبۂ وارفتگی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، آپ کی کثیر تصانیف سے قطع نظر آپ کے اردو فارسی کلام کے مطالعہ سے جہاں ایمان کی شیرینی وحلاوت ملتی ہے، وہیں عشق و سرمستی اور شیفتگی و سرشاری اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے''۔(انتخاب دیوان انور، ص:۱۹)

اسی طرح عصر حاضر کے مشہور ومقبول، نامور اور معتبر ادیب وشاعر ناقد اور عروضی پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی نے مولانا انوؔر کی شاعری کے بارے میں اپنی رائے کا یوں اظہار کیا:

''علامہ انوار اللہ انوؔر کے کلام میں کلاسیکی پختگی اور مشاق قدم قدم پر نمایاں ہے، زبان نہایت ٹکسالی اور بامحاورہ ہے''
(شخصی مکتوب شمس الرحمٰن فاروقی مورخہ ۲۲؍اکٹوبر ۱۹۹۳ء)

مولانا کی غزلوں میں حسن وعشق کے اسرار، رندی وسرمستی کے آثار اور بلا کی شوخی پائی جاتی ہے، جیسے ؎

نہ خنجر پاس ہے ان کے نہ وہ شمشیر رکھتے ہیں
مگر ابرو کی جنبش میں عجب تأثیر رکھتے ہیں

نہیں رہتا ہے دل قبضے میں ان کی ہم کلامی سے
نہیں معلوم باتوں میں وہ کیا تاثیر رکھتے ہیں

زلف کے دام میں دانا بھی پھنسے جاتے ہیں
کون ایسا ہے بھلا جو رہے اسلام سے دور

زلف و رخسار کا ہر وقت جو رہتا ہے خیال
صبح عاشق نہیں رہتی ہے کبھی شام سے دور

کڑی ہیں منزلیں ہر چند راہِ عشق کی لیکن
بڑھا جاتا ہے وہ روکا قدم آہستہ آہستہ

دل ٹھکانے نہیں ہے کیا باعث
وہ کسی زلف میں پھنسا تو نہیں

مژگاں ہیں عاشقوں کے لئے تیر ایک ایک
اور تار موئے زلف ہے زنجیر ایک ایک

مولانا انوؔر کے یہاں دینی، اسلامی، تعمیری اور فکری پہلوؤں پر بھی سخن کی روشنی اور مہک ملتی ہے، جن کے ذریعہ سے معرفتِ الٰہی کے وہ خزانے ہاتھ آتے ہیں کہ جن سے راہِ

سلوک کی منازل بآسانی طئے ہوجاتی ہیں۔جیسے ؎

ہر چیز میں ہے صنعتِ خلّاق جلوہ گر
اس وجہہ سے ہے قابل تصویر ایک ایک
عارف کو فہمِ آیۂ تخلیق کے لئے
اوراقِ گل ہیں نسخۂ تفسیر ایک ایک
کیا حال ہو جو حشر کے دربار عام میں
بہر سزا سنائیں گے تقصیر ایک ایک
جوانی ڈھلتے ہی ہر دم خدا یاد آنے لگتا ہے
پئے سجدہ ہوئے جاتے ہیں خم آہستہ آہستہ
سیر عارف کی بدایت ہے نہایت کا مقام
دائرہ میں نہیں آغاز ہے انجام سے دور

مولانا انوؔر نے اپنے پاکیزہ افکار کو شعری پیکر میں ڈھالنے کے لئے چھوٹی چھوٹی بحروں کا بھی سہارا لیا ہے اور سہل ممتنع انداز میں بہترین اور معیاری اشعار کہے ہیں جن سے ان کی شاعرانہ قدرت اور کلام کی پختگی ظاہر ہوتی ہے ملاحظہ ہو ؎

ہمارے لئے اب غذا وہ بنی ہے
جسے ہم سمجھتے تھے لم پہلے پہلے
ذرا دیکھو انوؔر کہ انوارِ غیبی
نہاں کس قدر ہیں عیاں کیسے کیسے
دل ٹھکانے نہیں ہے کیا باعث
وہ کسی زلف میں پھنسا تو نہیں
واعظا ہم نے تو فیض عشق سے
قہر میں بھی مہربانی دیکھ لی

اسی طرح دیوان انوؔر میں مولانا انورؔ کا ایک منظوم مسدس بنام ''انوارِ احمدی'' ہے جس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد شریف سے متعلق مضامین کو نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے، چنانچہ اس کے بارے میں انوارِ احمدی کتاب کی ابتداء میں حضرت انوؔر نے یوں لکھا ہے:

''جس زمانہ میں آقائے دارین نے بنظر کمال بندہ پروری اس ناچیز کی حضوری افضل البلاد مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً میں منظور فرمائی تھی ، چند روز ایسے گزرے کہ کوئی کام درس و تدریس وغیرہ کا متعلق نہ رہا، چوں کہ نفسِ ناطقہ بیکار نہیں رہتا ، یہ بات دل میں آئی کہ چند مضامین میلاد شریف وفضائل و معجزات سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتب احادیث وسیر سے منتخب کر کے منظوم کئے جائیں ، ہر چند فن شاعری میں نہ کسی سے تلمذ ہے نہ مہارت، نہ اہل ہند کے محاورات سے واقفیت مگر صرف اس لحاظ کہ یہ خدمت غالباً مناسب مقام ہے اور تعجب نہیں کہ اہل اسلام کو اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو، چند اشعار لکھے''اس منظوم مسدس میلاد شریف کے چند بند ملاحظہ ہوں (انوارِ احمدی ۔ ابتدائیہ ۲۰۰۲ء دفتر مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد)

شکرِ حق اس نظم میں ہیں وہ مضامیں دلپذیر
جس سے ایماں تازہ ہو اور ہوں دل اعدا پہ تیر
ہے حدیثوں کا جو یہ مضموں بلاریب ونکیر
جو محدث ہیں وہ اس کو مان لیں گے ناگزیر

گرچہ یہ اشعار ہیں پر شاعری اس میں نہیں
ترجمہ منقول کا ہے خود سری ان میں نہیں
لکھا اس کو نظم میں ہر چند میں شاعر نہیں
کیوں کہ خوش ہوتے تھے اکثر نظم ہی سے شاہِ دیں
تھا یہی لم جو مدحساں کے تھے روح الامیں
کعب اور ابن رواحہ کو اسی کا تھا یقیں
ذکر ختم المرسلیں اس نظم سے مقصود ہے
جو ازل سے تا ابد ممدوح اور محمود ہے
حضرت عباس نے جب نعت میں اس شاہ کی
اک قصیدہ لکھا جس سے ہو خجل سحبان بھی
سن کے فرمایا صلہ شاعر کو دیتے ہیں سبھی
ہم نے دی اس کے صلہ میں سلطنت اسلام کی
مل گیا پروانہ با مہر قضا اک بات میں
سلطنت کی کنجیاں دیں خانداں کے ہاتھ میں

(انوارِ احمدی، ص:۱۳۱، دیوانِ انوؔر (جدید ایڈیشن)، ص:۴۹۔۵۰)

اس طرح حضرت فضیلت جنگ کی ایک اور شاہکار نظم ''خدا کی قدرت'' ہے، جس میں خدا کی طاقت وقوت، انبیاء کرام کا احترام اور اولیاء کرام کی عظمت و مرتبت، ان سے تعلق اور ان سے استفادہ کا بیان ہے جس کے چند اشعار یوں ہیں ۔

خدا کی قدرتِ کامل عیاں ہے
اسی کی ساری قدرت ہے جہاں ہے
دیے انساں کو اس نے فہم و ادراک
کیا کرتا ہے جس سے سیر افلاک
اسی نے دی ہے عظمت انبیاء کو
کرامت بخشی اس نے اولیاء کو
سنو یارو نصیحت کرتے ہیں ہم
اسے مانو ۔ رہو دلشاد و خرم

مولانا انوؔر نے نثری نمائندگی کرتے ہوئے بھی کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں انوارِ احمدی اور انوار الحق وغیرہ شامل ہیں، علاوہ ازیں انہوں نے کتب خانہ شیخ الاسلام اور کتب خانہ محمودیہ سے بہت سارے عربی و فارسی مخطوطات کی نقل کروائی، جن کی تفصیل یوں ہے:

۱) کنز العمال (حدیث کی کتاب، سات جلدوں میں)
۲) جامع مسانید امام اعظم
۳) جوہر نقی علی بیہقی
۴) احادیث قدسیہ (سخن ورانِ عہدِ محبوبیہ، از: ڈاکٹر عطاﷲ خان، ص:۸۷، ۲۰۰۳ء)

مولانا انوار اللہ شاہ فاروقی نے اردو زبان میں مختلف موضوعات پر کئی کتابیں لکھی ہیں، نثر میں وہ ادب کی جملہ خصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بات کہنے کے فن سے پوری طرح واقف ہیں، ان کی نثر میں خیالات کی صحت، رفعت، درستی، بلندی اور ان کا تسلسل پایا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

خواتین اسلام کیلئے

حضرت شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ کی ہدایات

محترمہ سیدہ عطیہ فاطمہ، نائب شیخ المعقولات، کلیۃ البنات

قدوۃ الاصفیاء امام الاتقیاء شیخ الاسلام امام اہل سنت حضرت علامہ مولانا حافظ محمد انوار اللہ فاروقی قدس سرہ علوم دینیہ میں ہمہ گیر شخصیت گذرے ہیں۔ آپ کی عقل و دانش اور علم و معرفت سے انسانیت کے تمام طبقات کو خوب سیرابی ملی۔ مسلم ہوں یا غیر مسلم، مرد حضرات ہوں یا خواتین، اکابر ہوں یا اصاغر سب آپ کے علوم و معارف اور عدل و فضل کے ممنون ہیں۔ انوار الٰہی کی مجالس پرنور سے مرد حضرات کے ساتھ' خواتین اسلام و دختران ملت نے بھی اپنے ظاہر و باطن کو منور مجلی کیا۔ یہاں تک کہ ان کے سینے اسرار الٰہی کے گنجینے اور انوار نبوی کے آئینہ بن گئے۔ رہتی دنیا تک اہل اسلام کے فائدہ کی خاطر حضرت شیخ الاسلام نے کتب و رسائل تصنیف فرمائے اور انہیں دختران ملت کو بھی جا بجا مخاطب فرما کر ہدایات عطا فرمائی ۔' ان متفرق تعلیمات کو جمع کیا جائے تو بڑا دفتر ہوگا۔ توفیق الٰہی سے اس بے بضاعت نے معدودے چند ہدایات وتعلیمات کو جمع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

ایمان کے خاطر ہر ستم گوارا ہے : ابتدائے اسلام میں جہاں صحابہ کرام نے جان کی بازی لگا کر دین کی حفاظت کی وہیں صحابیات نے بھی قدم بقدم ساتھ رہ کر قربانیاں دیں اور کفار کا ظلم وستم برداشت کیا اور رضائے الٰہی اور خوشنودئ نبوی حاصل کرنا اپنا مطمح نظر بنایا۔ گویا ان کی حیات اس شعر

عصر حاضر کی خواتین' حضرت شیخ الاسلام کے بیان فرمودہ اصول و ہدایات اور نصائح و مواعظ پر عمل پیرا ہوں تو یقیناً سارے زمانے کے لئے شرم وحیاء' اخلاق و کردار کا عظیم نمونہ بن سکتی ہیں اور آنے والی نسلوں کے دین و ایمان کی محافظ اور ساری دنیا میں علم وعرفان کی روشنی بکھیرنے والی بن سکتی ہیں۔

کی مصداق تھی۔

ہر ستم ہر جفا گوارا ہے
بس اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

چنانچہ اسلام کی بہادر خاتون صحابیہ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کے متعلق روایت میں ہے ان کے شوہر ہجرت کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے شوہر کے افراد خاندان نے حضرت ام شریک سے ان کے دین کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں میرے شوہر کے دین پر ہوں تو افراد خاندان نے انہیں بے حد ستایا اور بہت اذیتیں دی۔ یہ بھی سزا دی کہ انہیں روٹی اور شہد کھلا کر ایک قطرہ پانی نہ دیتے اور سخت دھوپ میں چھوڑ دیتے۔ آپ فرماتی ہیں کہ ان تکلیفوں کی وجہ سے میری عقل اور سماعت و بصارت جاتی رہی۔ تین دن تک وہ ایسا ہی کرتے رہے۔ تیسرے دن انہوں نے مجھے کہا کہ اسلام کو چھوڑ دو' میں لاغر' بے ہوشی کی حالت میں تھی' اس کیفیت میں بھی میں نے توحید کا اشارہ کیا۔ وہ مجھے چھوڑ کر خیموں میں چلے گئے۔ پھر میں نے یکایک دیکھا کہ میرے سینے پر ڈول کی سردی محسوس ہو رہی ہے جب دیکھا تو اس میں پانی تھا' میں نے خوب پانی پیا اور اپنے کپڑوں پر انڈیل لیا۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ خیموں سے نکلے اور پانی دیکھ کر پوچھا کہ یہ پانی کہاں سے آیا' میں نے کہا اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو خاص میرے لئے بھیجا گیا ہے وہ لوگ فوراً برتنوں کی طرف دوڑے دیکھا کہ وہ محفوظ ہیں۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ تائید غیبی ہے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارا بھی وہی رب ہے جو تمہارا ہے۔ اور جس نے خدا نے اس مقام اور ایسی خطرناک حالت میں تمہیں پلایا۔ اسی نے اسلام اتارا ہے۔ پھر وہ سب مسلمان ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ للامام بیہقی ج6۔ص124۔ خصائص کبریٰ' باب ماوقع فی وفد دوس من الآیات۔ ج2ص2)

اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد حضرت شیخ الاسلام' امام العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نے دختران ملت کو ہدایات دی کہ: (1) ان مقدس بیوی کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ان پر کیا مصیبت گذری ہو گی' مگر آپ نے اسلام سے منہ نہ موڑا۔ ایمان اسے کہتے ہیں (2) سماعت' بصارت' عقل سب زائل ہونے کو تھی مگر انہوں نے اشارہ سے کچھ کہا بھی تو توحید ہی کا اشارہ کیا۔ (3) ایمان جب اس درجہ کا ہوتا ہے تو آدمی اللہ تعالیٰ کے پاس کتنا مکرم و معزز ہو گا۔ (4) اور جب آدمی اللہ کے پاس مکرم ہوتا ہے تو اس کی خصوصیت ظاہر فرمائی جاتی ہے جسے کرامت کہتے ہیں اور اس خصوصیت کی وجہ سے وہ بندہ ممتاز ہو جاتا ہے۔ (5) وہ بیوی تھیں تو عورت مگر ان کی ہمت کیسی مردانہ تھی کہ آخری زمانہ کے ہزارہا مردوں میں شاید کوئی ہو بخلاف اس زمانے کے کہ ہر شخص کی حالت یہی تھی۔ (خلاصہ از مقاصد الاسلام ج9ص91)

شدت غم میں قرب الٰہی کی لذت: چین وسکون میں عبادت کرنا اور اطاعت میں لگے رہنا مرد وخواتین کے لئے

عموماً آسان ہوتا ہے لیکن غم وآلام میں بھی رضائے الٰہی کے لئے کوشش کرنا اوراپنی زندگی خدمت اسلام کے لئے وقف کرنے کا عہد کرنا یہ جانبازوں کا شیوہ ہوتا ہے۔حضرت شیخ الاسلام امام محمد انواراللہ فاروقی علیہ الرحمۃ نے اس قسم کے کئی احوال ذکر فرمائے۔اوراسلاف کی شجاعتوں کی مثال دے کر اخلاف میں جذبہ قربانی پیدا فرمائے ۔ چنانچہ آپ نے صحابیات کا صبر وتحمل، شجاعت و دلیری کی عظیم مثال بیان فرمائی جوبطور خاص عصر حاضر کی خواتین میں ایک عظیم روحانی انقلاب پیدا کرسکتی ہے۔

حضرت زید بن سعید رضی اللہ عنہ کا نکاح ان کی چچازاد بہن سے ہوا، تھوڑے دن ہی گذرے تھے کہ دمشق کی لڑائی میں وہ سخت زخمی ہوئے، معرکہ جنگ سے انہیں لشکر میں لایا گیا۔ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم جس چیز کی مجھے آرزو تھی وہ نصیب ہوئی اورکلمہ شریف پڑھتے ہوئے انتقال کئے جب یہ کیفیت آپ کی دلہن کومعلوم ہوئی تو وہ شوہر نامدار کے دیدار کو آئیں حال یہ تھا کہ مہندی کا رنگ بھی ہاتھوں سے اڑا نہ تھا اور نکاح کے دن سر میں لگائی ہوئی خوشبو اب تک باقی تھی شوہر پر بے اختیار گر کر کہا اللہ تعالیٰ نے جو دولت آپ کو دی ہے وہ آپ کو مبارک ہو، آپ خدا کے پاس چلے گئے، اب میں نے بھی اپنے نفس کوراہ خدا میں وقف کردیا امید ہے کہ عنقریب آپ سے ملاقات ہوگی اس کے بعد وہ ہر معرکہ جنگ میں شریک ہوئیں اوردشمنان دین کو تہ تیغ کرتیں۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہر شخص جانتا ہے نئی دلہن کو اپنے دولہا کی موت سے کتنا زیادہ غم ہوتا ہے مگر انہوں نے غم کو اپنے پاس آنے ہی نہ دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنے شوہر سے کمال درجہ کی محبت تھی اور شوہر کی ہر خوشی بیوی کی اپنی خوشی تھی، انہوں نے دیکھا کہ اپنے محبوب کو آج وہ خوشی نصیب ہوئی ہے کہ اس سے بہتر کوئی خوشی نہیں ہوسکتی یعنی وصال الٰہی اوراس وصال سے وہ مسرت ہوئی جو عمر بھر کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی اسی لئے اہلیہ نے جدائی کا غم اپنے پاس آنے ہی نہ دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس مقدس خاتون کو وصال الٰہی اورشہادت کی اہمیت وقدر معلوم تھی۔اسی لئے آہ و فغاں نہ کیا۔ تیسری اہم خاصیت یہ ہے کہ ان کا ایمان کمال درجہ کا تھا۔ طبعی اور بشری عادات اس پر غالب نہ آسکیں۔ (خلاصہ از مقاصد الاسلام: ج۔۱۰ص۸۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعداز وصال خواتین کو ہدایت:

ملک شام کے فتوحات میں حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا جاتا ہے کہ شہر بصریٰ پر جب آپ نے چڑھائی کی تو وہاں کے بادشاہ جس کا نام روماس تھا، عین جنگ میں اسلام سے متعلق چند سوالات کئے۔حضرت خالد بن ولید کے سمجھانے سے وہ خفیہ مسلمان ہوگئے اوراپنی قوم کو آہستہ آہستہ اسلام کی ترغیب دیتے رہے۔لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی اوردیرجان نامی دوسرے شخص کو ان کی جگہ بادشاہ بنالیا۔ کئی روز تک جنگ جاری رہی ۔ایک رات روماس رحمۃ اللہ

علیہ نے تدبیر سے مسلمانوں کو قلعہ میں پہنچا دیا اور سخت جنگ ہوئی پھر دیر جان مارا گیا۔ فتح کے بعد روماس رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا آج رات میں نے خواب میں دیکھا' ایک نہایت خوبصورت نورانی چہرہ والی ذات مبارک تشریف فرما ہے اور فرمایا مسلمانوں کے ہاتھوں شام اور عراق فتح ہو گئے ۔ میں نے پوچھا حضرت آپ کون ہیں؟ ارشاد فرمائے میں محمد رسول اللہ ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر مجھ اسلام لانے کا حکم فرمایا چنانچہ میں مسلمان ہوگئی ۔ اس کے بعد حضرت نے مجھے دو سورتیں سکھائیں ۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کیا وہ سورتیں آپ پڑھ سکتی ہو' انہوں نے کہا ہاں ! پھر انہوں نے سورہ فاتحہ و سورۂ اخلاص پڑھ کر سنایا دیا پھر حضرت روماس کی اہلیہ نے فرمایا'' چونکہ ان کو ان کے شوہر کے مسلمان ہونے کا حال معلوم نہ تھا'' روماس یا تو مسلمان ہوجائیں یا مجھے چھوڑ دیں تا کہ میں مسلمانوں میں اپنی زندگی بسر کروں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے ہیں۔

اس واقعہ کے مطالعہ سے چشم بصیرت اور دل بینا رکھنے والا کیا نکتہ سنجییاں کرتا ہے' جاننے کے لئے مقاصد الاسلام حصہ دہم کا مطالعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ چنانچہ اس عبارت کا خلاصہ جو حضرت شیخ الاسلام نے تحریر فرمایا پیش ہے:

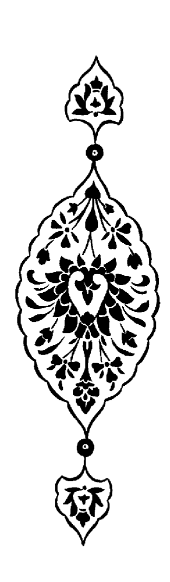
(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت روماس رحمۃ اللہ علیہ کو جلا وطن اور بے مونس دیکھا تو آپ کی طبع غیور کو یہ گوارا نہ ہوا کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ان پر یہ آفت آئے اسی لئے ان کی اہلیہ محترمہ کو مسلمان ہونے کا حکم فرمایا۔ (۲) وہ کیسی معزز خاتون ہیں کہ اسلام لائیں تو اپنی جان و مال اور شوہر کو تک چھوڑنے کے لئے تیار ہوگئی ۔ (۳) یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف کہ ادھر حکم ہوا' ادھر وہ صاحب ایمان ہوئیں اور حکومت اس کو کہتے ہیں ۔ وہ بھی عالم ارواح میں جہاں دلوں پر تصرف ہوا کرتا ہے (مقاصد الاسلام ج ۱۰۔ ص۹۲)

خواتین جنگوں میں شریک ہوتیں اور ہمت بڑھاتیں : شیخ الاسلام حضرت حافظ محمد انوار اللہ فاروقی قدس سرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں نثار چچی حضرت ہندہ رضی عنہا کے متعلق لکھا ہے کہ آپ اسلام قبول کرنے کے بعد ماضی کی تلافی کے لئے خود جنگوں میں شریک ہوئیں اور زخمیوں کا مداوا کرتیں ۔ عین لڑائی میں کوئی پسپا ہوتے تو انہیں شوق شہادت اور داد شجاعت دینے پر ابھارتیں ۔ جیسا کہ منقول ہے جنگ یرموک میں مخالفین کی تعداد ایک قول کے مطابق چار لاکھ اور دوسرے قول کے مطابق بارہ لاکھ تھی' اسلام کی فوج بہت کم تھی اس لئے مسلمان سنبھل کر حملہ کرتے کہ کہیں ہزیمت نہ اٹھانی پڑے ۔ ایک بار اس حصہ کی فوج کو شکست ہوئی جس میں حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ تھے' ان کا گذر کسی کام سے عورتوں کے خیموں کے پاس سے ہوا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے خیمہ کا ستون لیکر گھوڑے کے منہ پر مار کر کہا: اے

حرب کے بیٹے صخر! آپ کہاں جا رہے ہو؟ یہ وقت جان فدا کرنے کا ہے تا کہ اس کا بدلہ ہو جائے جو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کفار کو برانگیختہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان نے شکستہ فوج لیکر کفار پر حملہ کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے چھ ہزار سوار لیکر فوج کے قلب پر حملہ کیا اور اس وقت ان سب کی زبان پر یا محمد یا منصور امتک امتک تھا انہیں فتح حاصل ہوئی۔ (مقاصد الاسلام ج ۱۰۔ص ۹۴)

یہ واقعہ واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام کو مردوں کی شہادت وشجاعت کے ساتھ ساتھ خواتین کی بہادری وقربانی سے ترقی ملی ہے۔ خواتین اسلام کی جاں نثاریاں فراموش نہیں کی جاسکتی ہیں۔ امہات المؤمنین، صحابیات وتابعیات وغیرہ کے نصیحت آموز ودلچسپ احوال حضرت شیخ الاسلام نے اپنی تصانیف میں ذکر فرمائے۔ جن سے بنات اسلام و دختران ملت کو ایمان وایقان، علم وعرفان، زہد وتقویٰ، یقین وتوکل، فکر آخرت اور حسن اخلاق اختیار کرنے کا درس ملتا ہے۔

عصر حاضر کی خواتین، حضرت شیخ الاسلام کے بیان فرمودہ اصول و ہدایات اور نصائح ومواعظ پر عمل پیرا ہوں تو یقیناً سارے زمانے کے لئے شرم وحیاء، اخلاق وکردار کا عظیم نمونہ بن سکتی ہیں اور آنے والی نسلوں کے دین وایمان کی محافظ اور ساری دنیا میں علم وعرفان کی روشنی بکھیرنے والی بن سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



شیخ الاسلامؒ کا اسلوب اصلاح وتربیت

محترمہ حافظہ فرحین بیگم، معلّمہ وسطانیہ کلیۃ البنات جامعہ نظامیہ

دنیا میں بہت سارے علماء ربانیین جلوہ گر ہوئے کہ جنہوں نے اپنی علمی صلاحیتوں اور فکری گہرائیوں سے جہالت کی تاریکیوں کو علم کی روشنیوں سے بدل دیا اور امت کی ہدایت اور رہنمائی کا فریضہ بدرجہ اتم پورا کیا۔ اور بے شمار صوفیا و پیران طریقت نے اپنے وجود با مسعود سے ایک عالم کو فیضیاب کیا۔ بہت سی ایسی شخصیات گزری جنہوں نے درس وتدریس کو اپنا مقصد زندگی بنایا اور بہت ساروں نے عوامی اصلاحات کو۔ بعض مخصوص رعایا اور قوم تک محدود رہی تو بعض نے درباروں میں جا کر شاہان سلطنت کی اصلاح کا کارنامہ سرانجام دیا۔

لیکن ہم جب حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات بابرکت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہمیں آپ کی شخصیت کسی ایک شعبہ کے ساتھ مخصوص نظر نہیں آتی بلکہ منبع کمالات اور مجمع خصوصیات نظر آتی ہے۔ اور حسب روایت: إِنَّهُ لا يَقُومُ بِدِينِ اللَّهِ إلا مَنْ حَاطَهُ مِنْ جَمِيعِ جَوَانِبِهِ (کنز العمال حرف الھمزۃ) (اللہ کے دین قائم کرنے والا وہی ہوتا ہے جو ہر جہت سے اسکا احاطہ کرے) آپ شان مجددیت کے پیکر نظر آتے ہیں۔ آپ نے درس وتدریس تصنیف وتالیف تزکیہ وتحلیہ رشد وہدایت اصلاح عوام تربیت شاہان الغرض ہر میدان علم وفن اور معرفت وعمل میں وہ نقوش تابندہ چھوڑے ہیں کہ انشاء اللہ رہتی دنیا تک وہ ایک عالم کو

دور حاضر میں اصلاح عقیدہ کے نام پر تنفیر وتحقیر اور بداخلاقی کا بازارگرم ہے۔ مدمقابل کی تذلیل کرنا اور مذمت میں اخلاق سے بعید الفاظ کا استعمال کرنا اور اسکو غلطیوں کا احساس دلا کر اسکو اپنے قریب کر کے اسکی اصلاح کرنے کے بجائے اس کو مزید نفرت اور ضد پر اکسانا پایا جاتا ہے۔ جبکہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کا طریقہ تربیت عقیدہ میں اسلوب تفہیم وترغیب اور خیر خواہی پر مبنی نظر آتا ہے۔

منور کرتے رہیں گے۔

حضرت شیخ الاسلام کو بحیثیت مصلح و مربی دیکھا جائے تو ہمیں آپ کی تربیتی گوشوں میں اصلاح وتربیت کے انگنت اسلوب و جواہر نظر آتے ہیں جن کو دور حاضر میں اپنانے کی پہلے سے زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی تربیت واصلاح کا دائرہ کار محدود نہیں بلکہ حیات زندگی کے ہر شعبہ پر محیط ہے۔

اگر ایمان وعقیدہ کی بات کی جائے تو آپ نے اس اہم باب میں امت مسلمہ کی بھر پور رہنمائی کی ہے: چنانچہ آپ کی تصنیفات مقاصدالاسلام افادۃ الافہام خصوصاً انوار احمدی اصلاح عقیدہ کے مضامین سے پر ہیں۔اور تربیت عقیدہ کے باب میں آپ کے اسلوب تربیت پر ہم نظر کرتے ہیں تو ہمیں بہت ساری رہنمائیاں حاصل ہوتی ہیں دور حاضر جس کا کہ محتاج ہے۔

دور حاضر میں اصلاح عقیدہ کے نام پر تنفیر وتحقیر اور بداخلاقی کا بازار گرم ہے۔مدمقابل کی تذلیل کرنا اور مذمت میں اخلاق سے گرے الفاظ کا استعمال کرنا اور اسکو غلطیوں کا احساس دلاکر اسکو اپنے قریب کرکے اسکی اصلاح کرنے کے بجائے اسکو مزید نفرت اور ضد پر اکسانا پایا جاتا ہے۔جبکہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کا طریقہ تربیت عقیدہ میں اسلوب تفہیم وترغیب اور خیرخواہی پر مبنی نظر آتا ہے۔چنانچہ صحیح احادیث کا مدار صحاح ستہ پر رکھنے والوں کی تفہیم کرتے ہوئے:اب دیکھئے کہ اگر صحاح ستہ ہی پر صحیح حدیثوں کا مدار کہا جائے تو لاکھوں حدیثِ صحیح بیکار ہوئی جاتی ہیں اور تصنیف ان کتابوں کی لغو ٹھہر جاتی ہے حالانکہ ایسے ایسے محدثین جن کا حال اظہر من الشمس ہے، بے فائدہ کام کے مرتکب نہیں ہوسکتے اور اہل علم یہ تو بخوبی جانتے ہیں کہ بڑے بڑے محدثین مثل ابن حجر عسقلانی وغیرہ ہزار ہا مواقع میں سوائے صحاح ستہ کے دوسرے کتب حدیث سے برابر استدلال کیا کرتے ہیں۔پھر ہر بات پر صحاح ستہ کی حدیث کا طلب کرنا تکلیف مالایطاق ہے بلکہ یہ الزام در حقیقت امام بخاریؒ وغیرہ اکابر محدثین پر عائد ہوگا کیونکہ باوجود یکہ لاکھوں حدیثیں صحیح یاد رکھتے تھے کیوں جمع نہ کیں ۔(انوار احمدی،ص:12) ۔

اور ایک مقام پر دعوت غور وفکر دیتے ہوئے رقم طراز ہیں: اہل انصاف ضرور یہاں غور فرمائیں گے کہ امام ترمذیؒ باوجود تجربہ علم وعلوشان کے متقدمیں کی نسبت کس درجہ کا حسن ظن رکھتے تھے کہ باوجود یکہ تفسیر قرآن کیلئے کمال درجہ کی احتیاط چاہئے تاہم ان کی تفسیر مجرد کو یہ نہ کہا کہ ایسے اقوال بلا استدلال حدیث قابل اعتبار نہیں بلکہ حسن ظن ظاہر کیا کہ ان حضرات کو ضرور احادیث پہنچی ہوں گی گو ہمیں معلوم نہیں جب اس درجہ کے علماء ایسے مواقع احتیاط میں اقوال متقدمیں کو صرف بحسن ظن مان لیں تو ہم لوگوں کو متقدمین کی نسبت کس قدر حسن ظن چاہئے کہ نہ ہمیں ویسا علم ہے نہ ویسی فہم۔(انوار احمدی ص:29)

شان ختم نبوت میں غلط توجیہات کرنے والوں سیفر ماتے ہیں: ذرا سوچئے تو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو خاتم النبیین ہونے میں یہ احتمالات نکالے جاتے تو کس قدر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق ہوتا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے صرف توراۃ کے مطالعہ کا ارادہ کیا تھا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت ایسی متغیر ہوگئی کہ چہرۂ مبارک سے آثار غضب ظاہر ہونے لگے تھے۔ اور باوجود اس خلق عظیم کے ایسے صحابیؓ جلیل القدر پر کیسا عتاب فرمایا کہ جس کا بیان نہیں جو لوگ مذاق تقرب و اخلاص سے واقف ہیں اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ (انوار احمدی ص 54)

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان نے کئی گمراہ فرقوں اور کفریہ عقیدوں کا رد کیا ہے۔ وہابیہ ہو کہ قادیانی رافضیہ ہو کہ خارجیہ آپ کی تحریرات انکی گمراہ کن نظریات کا رد کرتی اور امت کو صراط مستقیم کی ہدایت کرتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت اور کامل وابستگی رکھتے تھے: چنانچہ آپ کی تحریرات اس کی گواہی دیتی ہیں: آپ کا بیان ہیکہ جب میں اجلاس پر بیٹھتا ہوں یا فیصلہ لکھنا شروع کرتا ہوں تو پہلے حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرتا ہوں کہ میں ایک ذرہ بے مقدار ہوں میرا معاملہ آپ کے حوالے ہیجب تک آپ مدد نہ فرمائیں راہ راست نہیں مل سکتی (مطلع الانوار ص 46)

اور آپ نے امت محمدیہ کو بھی اس کا درس دیا اور عشق ومحبت نبی کے حوالے سے انکی تربیت فرمائی لیکن اگر انداز بیان واسلوب تربیت کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اظہار محبت میں نہ آداب توحید کی کوئی مخالفت ہے نہ کسی نبی کی تحقیر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَاتُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی (صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء)۔ جسکا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا کہ حضرت موسیٰ پر میری اس انداز سے بہتری وفضیلت بیان مت کرو کہ جس میں انکی تنقیص ہو رہی ہو۔ ایک مقام پر مقامات انبیاء سے متعلق مختلف احادیث شریفہ کے بارے میں محدثین کیطریقہ عمل کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ترتیب مقامات انبیاء علیہم السلام میں کس قدر اختلاف ظاہر ہے پھر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ اس وجہ سے وہ سب احادیث ضعیف ہوگئے ہوں بلکہ محدثین حتی الامکان اس قسم کی احادیث میں توفیق دیدیتے ہیں حضرت آدم کے اپنے فرزند حضرت شیث کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کی وصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں جب انبیائے اولوالعزم نے ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر اہتمام کیا ہو تو ہم امتیوں کو کس قدر اس کا اہتمام والتزام چاہئے کیونکہ ہمارا تو دین وایمان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی محبت کے ساتھ وابستہ ہیدیکھو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں۔ عن انسؓ قال قال النَّبِیُّ صلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لاَ یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ، حَتَّی اَکُونَ اَحَبَّ إِلَیْہِ مِنْ

وَالِـدِهِ وَوَلَـدِهِ وَالـنَّـاسِ اَجْـمَـعِيـنَ .رواه الشیخان. (انواراحمدی ص:34)

اللہ تبارک وتعالی نے حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان سے اصلاح امت اور انکی تربیت کا خوب کام لیا ہے اورآپ کے اصلاحی وتربیتی خدمات وکارناموں کو دنیا حیرت واستعجاب کی نظر سے دیکھتی ہے اور آج بھی انکا اثر اور اسکے فوائد جاری ساری ہیں۔اوراصلاح وتربیت امت میں آپ کا فیضان کسی ایک طبقہ یا گروہ تک محدود نہیں بلکہ آپ نے" کنتم خیر امة اخرجت للناس "پرعمل پیراہوکر جہاں عوام الناس کی اصلاح کی وہیں الناس علی دین ملوکھم کو مدنظر رکھ کرشاہان وقت کی بھی تربیت کیآ پکی تربیت سے جہاں اہل علم مستفید ہوئے وہیں خانقاہی نظام سے وابستہ افراد نے بھی آپ سے فیضیابی حاصل کی۔اوراس میدان تربیت میں آپ کےطرزعمل وتحریرات سے آپ کے اسلوب وطریقہ کارکو اخذکیا جائے تومختلف اسالیب ومناہج کا پتہ چلتا ہے۔اوردور حاضر میں اسکی جابجا ضرورت و اہمیت کا احساس ہوتاہے۔منجملہ انکے چنداسالیب تربیت کو بیان کیا جاتا ہے۔

(1)برائی کے دروازہ کا ہی سدباب کرنا: تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری کے مصداق برائی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوجائے۔نگاہوں کوپست رکھنے عورتوں کو گھروں میں نمازاداکرنے اورپردہ کا اہتمام کرنے کااسلامی حکم اس اسلوب کوثابت کرتاہے: آپ کے شاگردرشیدوخلیفہ حضرت مولانا رکن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مطلع الانوار میں لکھتے ہیں پہلے بعض درگاہوں میں عرس کے ساتھ مینابازار(زنانہ بازار) کا بھی انتظام کیا جاتا تھا۔اس میں جوخرابیاں وقوع پذیر ہوتی تھیں انکو بیان کرنے سے زبان عاجز ہیان خرابیوں کے انسداد کے لئے آپ نے مینابازارہی بندکروادئیتا کہ نہ بنائے فسادرہےنہ فسادہونے پائے(مطلع الانوارص64)

(2)عمل خیرکولاحق خرابیوں کو دور کرنا نہ کہ عمل خیر کی برخواستگی۔مستحب صوم عاشورہ سےنہیں بلکہ اس میں مشابہتِ یہود سے بچنیطوافِ کعبہ سےنہیں بلکہ اسمیں دورِ جاہلیت کے افعال سے بچنے وغیرہ کاحکم اس کی عکاسی کرتاہے۔مطلع الانوار ص پر ہے قدیم سیدستورتھا کہ اعراس کے موقع پرطوائف اولیاءکرام کی مزارات پرآکرمجراپیش کیا کرتی تھیں جس سے اقسام کےلغویات ہوتےتھیاوریہ یقیناً اولیاءکرام کی ناراضگی کاسبب بھی تھا۔آپ نے حکم جاری فرمایا کہ آئندہ سے درگاہوں پرطوائف کےمجرےنہ ہوا کریں۔

(3)آغازِبرائی ہی میں اس سےاحتیاط برتنے کی تربیت کرنا: تاکہ برائی کےجڑپکڑنے کےبعداسکی اصلاح مشکل نہ ہوجائے۔چنانچہ جب قادیانیت کا فتنہ دکن کے علاقہ میں داخل ہونے لگا تو آپ نےخصوصاًاہل دکن کی تربیت اوراس سے انکی حفاظت کے لئے مختصرنہیں بلکہ ضخیم ایک نہیں بلکہ دوتالیفات تحریر فرمائی:دوجلدوں پر مشتمل افادۃالافہام اورانوارالحق۔

اس سے تربیت واصلاح کے لئے ایک چوتھا (4) اسلوب بھی ملتا ہے کہ برائی جتنی شدید ہواتنی ہی شدت اسکے دور کرنے کی کوشش میں کی جائیاوراسکےازالہ کا سامان کیا جائے۔

(5) تربیت میں مقابل کو در پیش ضرورت کا لحاظ رکھنا: شارحین لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سائل کے حسبِ ضرورتِ حال جواب عنایت فرماتے۔ اگرچہ کہ سوال ایک ہی انداز کا ہوتا۔ یہ اسلوب نبوی پر بانی جامعہ بھی عمل پیرا رہے۔ چنانچہ آپ نے علماء ظاہر کوعمل اور علم باطن کی اہمیت بتلائی کیونکہ بعض علماء تصوف اور صوفیاء کو اہمیت نہیں دیتے ۔اور انکے معمولات کو خلاف شرع سمجھتے ہیں: فرماتے ہیں دراصل علم باطن وہ علم ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ ہر پیر اپنے جانشین کوعلاوہ اتباع ظاہر شریعت کے خاص خاص باتوں کی وصیت کرتا ہے جو علمائے ظاہر کے مسلک کے مخالف ہیں مگر اہل طریقت ان وصایا پر عمل کرنے کو نہایت ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ دراصل وہ قرآن وحدیث کے لب لباب ہیں۔ (مقاصدالاسلام، حصہ:3،ص:33)

اورایک مقام پرفرماتے ہیں تصوف ہمارے دین میں اعلی درجہ کا علم ہے۔ (مقاصدالاسلام، حصہ:3،ص:34)

علماء کوعمل کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں یورپ میں اکثر یہود ونصاری علوم عربیہ میں ماہر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے فاضل کہلاتے ہیں مگر دین اسلام کی رو سے انکو علماء نہیں کہہ سکتے ۔اسی طرح اہل اسلام بھی اگر تحصیل کرلیں اور ان میں خوف خدا نہ ہوتو اس آیت شریفہ (انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء) کی رو سے انکو عالم کہنا درست نہ ہوگا۔ دراصل علم اس کیفیت قلبیہ کا نام ہے جو ظن سے متجاوز ہوکر حدِ یقین میں داخل ہوتی ہے۔ (مقاصد ح:8،ص103)

دوسری جانب بعض مشائخ وغیرہم جو کہ علم ظاہر اور علماء کو حقیر جانتے ہیں انکی تربیت کے لئے فرمایا: علماء ہی کے انفاس کی برکت ہے کہ ہر وقت جوشبہات اور وساوس شیاطین الجن و الانس مسلمانوں کے دل میں ڈالتے رہتے ہیں وہ دفع ہوجاتے ہیں (مقاصدالاسلام، ح:4،ص:4)

حقیقۃ الفقہ ح:1،ص:12 میں بیان فرماتے ہیں: آج کل جو دیکھا جاتا ہے کہ ہر طرف سے علماء پر ناحق اعتراضوں کی بوچھار ہیہت سے واعظین سامعین کوصرف خوشخبریاں اور رحمت کی باتیں سناتے ہیں جبکہ ''الایمان بین الخوف والرجاء '' کے مطابق خوف اور رجاء دونوں ضروری ہیں۔ جب تک ہمارے واعظین جو پیشوایانِ قوم ہیں جس طرح آیات واحادیث رجاء کے بیان کرتے ہیں خوف پیدا کرنے والی آیات واحادیث نہ بیان کریں تو مسلمانوں کے تمدن کی اصلاح ہرگز نہیں ہوسکتی۔ (مقاصد الاسلام حصہئص)

(6) تمثیل سے تربیت: حضرت شیخ الاسلام نے اپنے تربیتی پہلوؤں میں مثالوں کا بکثرت استعمال فرمایا ہے۔اور آپ کئی چیزوں بلکہ کھیل کود سے بھی تربیتی پہلو نکال کر بیان

فرماتے۔آپ کے شاگرد رشید وخلیفہ مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مولانا کو مدرسہ نظامیہ کے طلبہ سے بہت محبت تھیچنانچہ سال میں دوتین مرتبہ تمام طلبہ کوکسی باغ یاتفریح گاہ میں لے جاتے دوتین روزتک قیام فرماتیوہاں ان سےتقریریں مناظرہ اور بیت بازی کے مقابلےکراتیطلبہ جب اس سے تھک جاتے تو تھوڑی دیران کو کھیلنے کی اجازت بھی دیتے۔ایک دفعہ بچے آپ کے سامنے لُون پاٹ کھیل رہے تھے۔راقم پاس تھا فرمائے کہ بتلاؤ اس میں امتیازِشرعی کیا ہے؟یعنی اس سے انسان کیا نصیحت حاصل کرسکتا ہے؟راقم نے عرض کیا کہ خادم کی فہم اس کے ادراک سے قاصر ہے۔آپ نے فرمایا کہ اس کھیل کا خاصہ یہ ہیکہ ایک فریق اپنے مخالفین سے بچ کر نکل جائیاور وہ اس کو چھونے نہ پائے۔اسی طرح خداعزوجل کا منشاء بھی یہی ہے کہ انسان شیطان سےاس طرح بچ کرخداتک پہنچ جائے کہ انسان کے مخالفین اسکوچھونے بھی نہ پائیں۔(مطلع الانوار،ص:91)

(7)قول وعمل سے تربیت: حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان نے جہاں اپنے قول سے تربیت کی وہیں آپ نے اپنے عمل سے بھی تربیت کی۔مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:جوکوئی مولانا کی صحبت میں رہا ضرورفیض پایااحباب توخیر ملازمین تک پابند صوم وصلاۃ اورشریعت پرعامل تھے۔(مطلع الانوارص56)

(8)الکنایۃ أبلغ من الصراحۃ کےتحت تربیت میں کنایات واشارات کا استعمال۔چنانچہ ایک مقام پرفرماتے ہیں:اب یہ بات معلوم کرنا چاہئے کہ جب اس سلام(السلام علیک ایھا النبی) کا یہ رتبہ ہوا کہ ایک حصہ عبادت محضہ یعنی نماز کا اس کے لئے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں ہم لوگوں کوکس قدراہتمام وادب چاہئے۔ہرچندعوام الناس اس قسم کے امور سے مرفوع القلم ہیں کیونکہ ان کوتو اسی قدر کافی ہے کہ جتنا شارع نےضروری بتایااتنا کردیا۔مگراہل عقل وتمیزکو چاہئے کہ ایسےامورمیں غوروفکرکریں اورادب سیکھیں۔العاقل تکفیہ الاشارۃ۔(انواراحمدی ص157)

(9)تربیت میں نتیجہ خیز اسلوب کو ترجیح۔یہ اسلوب تربیت آپ کےشان استاذسلاطین سےملتاہے کہ بادشاہوں سے دوری اختیارکرکے ان کی خرابیوں سے بچاتو جاسکتاہے لیکن انکی تربیت کماحقہ نہیں کی جاسکتی۔انکی اصلاح کے لئے انکواپنے قریب کرنا اوراپنی صحبت سےنوازنا پڑتاہے۔اوریہی اسلوب تربیت ہمیں حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہوتاہے۔

(10)وقت ضرورت صراحتی اسلوب میں تربیت: فتنوں یا انکے اصحاب سے بچنے میں قوم وملت کی تربیت کے وقت بسااوقات کنایہ کے بجائے صراحت کا اسلوب ضروری ہوتاہے تاکہ برائی کی پہچان میں غلطی دشواری یاکسی قسم کی کوتاہی نہ ہو۔یہ اسلوب برائی کے عام ہونے یا تیزی سے اپنی

لپیٹ میں لینے کے وقت اختیار کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔چنانچہ بانی جامعہ علیہ الرحمہ نے جہاں بہت سے فتنوں اور گمراہیوں کا کنایۃ ذکر کیا وہی آپ نے کئی باطل افکار مثلاً قادیانیہ وہابیہ خارجیہ کا انکارِمعجزات اور انکے اصحاب کا نام بھی ذکر کیا۔

(11)ترتیب کا لحاظ۔اسلوب تربیت میں یہ بھی شامل ہے کہ جو چیزاہم ہے اور بعد کی چیزوں کا جس پر مدار ہے اسکو تربیت میں مقدم رکھا جائے ۔آپ فرماتے ہیں :واعظوں کا فرض ہے کہ پہلے ایمان کو قوی کرنے کی فکر کریں۔(مقاصد ح7ص181)

اور ایک مقام پر مرید کی تربیت کا اسلوب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:ضروری اور پہلا کام مرشد کا یہ ہوتا ہے کہ افعالِ الٰہیہ وصفاتِ الٰہیہ سے اس (مرید) کو متعلق اور مربوط کردے تاکہ جملہ افعال وحرکات وسکنات ِعالم کو افعا لِ الٰہی سمجھے۔(مقاصدالاسلام،ح:8ص:46)

(12)تربیت کے لئے زمانے کے مختلف وسائل کا استعمال۔حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے تربیتی مشن کے لئے اپنے پاس موجود وسائل کا بھرپور استعمال کیا آپ نے قوم وملت کی تربیت کے لئے اپنی تحریری تقریری شعری صلاحیتوں اور مالیاتی وسائل کو اپنایا۔جہاں جس وسیلہ کی ضرورت ہوتی استعمال فرمایا۔

(13)خرابیوں کے امکانی راستوں کا سد باب۔کامل تربیت وہ ہوتی ہے کہ جس میں خرابیوں کے درآنے کے امکانی راستوں کا بھی سد باب ہو۔اور یہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان کا اسلوب وطریقہ ہے۔آپ نے حرمین شریفین سے واپسی کے بعد مکہ مسجد میں خطبہء میلاد کا آغاز فرمایا: تاکہ شہر کی تاریخی اور مرکزی مسجد میں خطبہ میلاد کے انعقاد کے زیراثر سارے شہر میں عید میلاد کا اہتمام ہو اور شہر کی سب سے اہم مسجد پر بدعقیدگی کا تسلط نہ ہونے پائے۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات بابرکت اورآپ کے افادات قیمہ سے مستفاد یہ چند اسلوبِ تربیت تھے جسکو عرض کرنے کی کوشش کی گئی۔

خلاصہ کلام یہ ہیکہ آپ کا اسلوب تربیت حدیث نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام:**مـن رای منكم مُنكرا فليغِيِّره بيده ، فإن لـم يستـطـعْ فبِـلسانه ، فإن لم يستطع فبقلبه ، وذلک اضـعفُ الإيـمان . رواه مسـلم .** کا آئینہ دارتھا ۔بقول اہل علم کے'' **فليمنعه** ''کے بجائے'' **فليغيره** ''کے لفظ کا استعمال دلالت کرتا ہے کہ اسلوبِ تربیت اس طرح ہوکہ سامنے والے میں تبدیلی واقع ہو اور تربیت بارآور ہو۔اور یہ بات ہمیں حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان کے اسلوب ِتربیت میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

مؤطا امام مالک میں فقہ مالکی کی غیر معمول بہ روایات
ایک جائزہ

مولوی ذاکر حسین، متعلم کامل دوم

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی مراتب اور رفع درجات کا ذریعہ ایمان اور علم ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' **یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اولو العلم درجات** ''ترجمہ: اور وہ جو تم میں سے ایمان لائے اور وہ جن کو علم دیا گیا اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے گا ۔ (سورہ مجادلہ۔ آیت ۱۱)

علم، میراث نبوت ہے اور اس علم کے حاصل کرنے والے وارثین انبیاء کہلاتے ہیں ۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ '' **ان العلماء ورثۃ الانبیاء** '' (رواہ ابوداود والترمذی) بڑے بڑے فضلاء نے اس علم کو حاصل کیا اور اپنی فہم و بصیرت سے اس بحر علم میں غوطہ زن ہوئے اور اسی علم کے تحقیق و تدقیق و تحصیل میں اپنی پوری زندگی وقف کر دیا۔ ان ہی علماء کرام، فقہاء ذوی الاحتشام میں ایک ذات والا صفات جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت مالک بن انس اصبحی رحمہ اللہ ہے ۔ جنھوں نے نہ صرف علم کو حاصل کیا بلکہ اپنے بعد والوں تک اس علم کو پہنچانے کے لئے

فقہ مالکی اہلسنت کے چار بڑے مسالک، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں سے ایک ہے۔ حضرت امام مالک ان ائمہ اعلام میں سے ہیں جو دنیائے علم میں بیک وقت حدیث اور فقہ کے امام کہلائے ۔ حضرت امام مالک نے ۶۲ سال تک مسجد نبوی شریف میں مسلسل حدیثی، فقہی اور تدریسی مخلصانہ خدمات انجام دیں ۔ اس عرصہ میں آپ نے اپنی مشہور و معروف کتاب ''موطا'' لکھی ۔

شب و روز محنت کر کے مسائل کا استنباط کیا اور مقام اجتہاد تک پہنچے اور عالم المدینہ کی پیشن گوئی کے مصداق بنے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استنباط شدہ مسائل پر عمل کرنے والوں کو مالکی کہا جاتا ہے۔فقہ مالکی اہلسنت کے چار بڑے مسالک، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں سے ایک ہے ۔حضرت امام مالک ان ائمہ اعلام میں سے ہیں جو دنیائے علم میں بیک وقت حدیث اور فقہ کے امام کہلائے۔حضرت امام مالک نے ۶۲ سال تک مسجد نبوی شریف میں مسلسل حدیثی، فقہی اور تدریسی مخلصانہ خدمات انجام دیں۔اس عرصہ میں آپ نے اپنی مشہور و معروف کتاب ''موطا'' لکھی۔

سبب تالیف : خلیفہ منصور عباس نے فرمائش کی حضرت امام مالک سے کہ آپ ایک کتاب تالیف فرمائیں، میں اس پر عمل کرنے کے لئے لوگوں کو آمادہ کروں گا، لیکن امام مالک بار بار عذر پیش کرتے رہے پھر منصور عباسی کے بہ اصرار شدید آپ نے ''مؤطا'' لکھنے کا آغاز فرمایا۔لیکن اس کتاب کی تکمیل سے پہلے خلیفہ منصور عباسی کا انتقال ہوگیا۔جب یہ کتاب تکمیل کو پہنچی اس وقت منصور عباسی کے بیٹے محمد مہدی تخت نشین ہوئے، چند دن گذرے تھے۔

(تزیین الممالک ص۴۴، از علامہ جلال الدین السیوطی)

مؤطا کے لکھنے میں اخلاص : حضرت امام مالک نے اس کتاب کو لکھنے کے بعد اس کتاب کے تمام اوراق کو پانی میں ڈال دیا اور فرمایا کہ اگر اس کتاب ''مؤطا'' کا ایک ورق بھی بھیگ جاتا ہے تو مجھے اس کتاب کی کوئی حاجت نہیں۔تب اس کتاب کو باہر نکالا گیا تو اس کتاب کا ایک ورق بھی گیلا نہیں ہوا۔اس طرح امام مالک کے اخلاص اور للّٰہیت کو لوگوں نے دیکھا۔(زرقانی شرح مؤطا ج ا ص ۲۵)۔

مؤطا نام رکھنے کی وجہ : حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''**عرضت کتابی ھذا علی سبعین فقیھا من فقھاء المدینۃ کلھم و اطأنی علیہ**''۔میں نے میری اس کتاب کو مدینہ طیبہ کے ستر (۷۰) فقہاء کے پاس پیش کیا۔سب نے اس کتاب پر موافقت ظاہر فرمائی۔ (زرقانی شرح مؤطا مالک)

مؤطا اگر واطأ سے مانا جائے تو اس کے معنی ''موافقت کرنا'' ہوں گے۔

مؤطا میں تعداد احادیث : ابوبکر العربی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مؤطا کی کل روایات بشمول آثار صحابہ وفتاوی تابعین ایک ہزار سات سو بیس (۱۷۲۰) ہے جن میں مسند چھ سو (۶۰۰) اور مرسل دو سو بائیس (۲۲۲) اور موقوف چھ سو سترہ (۶۱۷) اور اقوال تابعین ایک سو پچھتر (۱۷۵) ہیں۔(از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ج ا ص ۲۵)

حضرت امام مالک نے موطأ میں چند ایسے احادیث بھی جمع فرمائے جو کہ غیر معمول بہ یعنی جن احادیث پر ان کا ہی عمل نہیں ہے۔اور مؤطا میں **لیس العمل علی ھذا** کہہ کر غیر معمول بہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔مثلاً

مدت رضاعت کے بارے میں: ابن شہاب سے بڑے آدمی کو دودھ پلانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے عروہ بن زبیر سے روایت بیان کی کہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ ابو حذیفہ نے سالم کو اپنا متبنّیٰ بیٹا بنالیا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو متبنّیٰ بنایا تھا۔ ابو حذیفہ سالم کو اپنا بیٹا ہی سمجھتے۔ چنانچہ انہوں نے سالم کا نکاح اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید سے کردیا۔ فاطمہ ان دنوں ہجرت کرنے والی عورتوں میں سے تھیں اور قریش کی افضل ثیبہ عورتوں سے تھی۔ جب اللہ تبارک وتعالی نے اپنی کتاب میں حکم نازل فرمایا کہ زید بن حارثہ کے بارے میں ان کو انہی کے والد کے ساتھ پکارو۔ اگر کسی کے والد معلوم نہ ہوں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں یا دوست' اس وقت تمام لوگوں کی نسبت ان کے والد کی طرف ہونے لگی' تو حضرت سلمہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا جو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں وہ حضور پاک علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگی۔ یارسول اللہ سالم کو ہم اپنا بیٹا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ اس حال میں کہ میں ننگے سر ہوتی اور ہمارے پاس ایک ہی گھر ہے۔ اب ہم اس کے متعلق کیا کریں؟ تو حضور پاک علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سالم کو پانچ مرتبہ دودھ پلادو وہ تمہارا محرم ہوجائیگا۔ حضرت سلمہ اس کے بعد سالم کو اپنا رضاعی بیٹا سمجھتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس کو لیا ہے۔ اور وہ یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے متعلق چاہتیں کہ وہ آیا کرے۔ اپنی بہن ام کلثوم یا اپنی بھتیجیوں کو حکم دیتیں کہ وہ اس کو دودھ پلادے۔

(موطأ امام مالک' کتاب الرضاع' باب ماجاء فی رضاعۃ الکبیر)

حضرت امام مالک کا مسلک: حضرت امام کا مسلک مذکورہ حدیث کے خلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مدت رضاعت صرف ۲ سال ہے۔ دوسال کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

(مؤطا مالک بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی مع التعلیق الممجد علی مؤطا محمد شرح عبدالحی الکھنوی حصہ دوم ص۶۰۰ تا ۶۰۰۲)

اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک علیہ الرحمہ نے ایسی روایت کو مؤطا میں جمع فرمایا جو غیر معمول بہ ہے۔

دوسری مثال وتر کے بارے میں: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نماز عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(مؤطا مالک' کتاب صلوۃ اللیل باب الامر بالوتر)

حضرت امام مالک کا عمل اس حدیث کے برخلاف ہے۔ آپ کے پاس وتر ایک رکعت نہیں بلکہ کم از کم تین رکعتیں ہیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرنا

پھر اٹھ کر ایک رکعت وتر پڑھنا۔

(شرح مؤطا اردو، مترجم ومحشی مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری، ص۱۳۳)

امام مالک کی تین رکعت والی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صبح ہونے کے ڈر سے ایک رکعت پڑھے پھر جب مطلع صاف نظر آیا تو اس کے ساتھ ایک اور رکعت کو شامل کر لئے اس طرح دو دو، رکعتیں پڑھتے گئے۔ جب صبح ہونے کے ڈرے تو دو رکعت کے بعد ایک اور رکعت ملا لیئے (کتاب صلوۃ اللیل باب الامر بالوتر)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے باب الامر بالوتر میں ایسی روایت کو درج فرمایا جو کہ غیر معمول بہ ہے۔

تیسری مثال آیت سجدہ کے بارے میں: حضرت نافع مولی ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ ایک مصری نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سورۃ الحج کی تلاوت فرمائے اور اس میں دو سجدے کئے۔ پھر فرمایا کہ اس سورت کو دو سجدوں سے فضیلت دی گئی۔ (مؤطا مالک، کتاب القرآن، باب فی سجود القران)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سورۃ الحج میں سجدہ کی آتیں دو نہیں ہے بلکہ صرف ایک ہی مقام ہے۔ آیت نمبر ۱۸ ''**الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات و من فی الارض و الشمس و القمر والنجوم والجبال و الشجر والدواب و کثیر من الناس و کثیر حق علیہ العذاب و من یھن اللہ فمالہ من مکرم ، ان اللہ یفعل ما یشاء** '' صرف اسی آیت پر سجدہ ہے۔ دوسری آیت ''**یایھا الذین امنوا ارکعوا الخ** '' پر سجدہ تلاوت نہیں ہے۔ (القوانین الفقھیہ ص۹۰، الاستذکار الجامع المذاھب للفقھاء الامصار ج۸)

چوتھی مثال منبر پر آیت سجدہ کا پڑھنا: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن منبر پر آیت سجدہ کی تلاوت فرمائے منبر سے نیچے اتر کر سجدہ کئے۔ پھر تمام لوگ سجدہ کئے اور ایک مرتبہ نماز جمعہ میں آیت سجدہ تلاوت کئے، لوگ سجدہ کر رہی تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سجدہ کرنے سے روک دیا۔

(مؤطا مالک۔ کتاب القرآن، باب فی سجود القران)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منبر پر آیت سجدہ پڑھنے پر امام منبر سے نیچے اتر کر سجدہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ سجدہ نفل ہے۔ (المغنی لابن قدامہ)

امام مالک نے جو روایت مؤطا میں درج فرمائی اس روایت کے برخلاف آپ کا عمل ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''**لیس العمل علی ان ینزل الامام اذا قرأ السجدۃ فیسجد** '' (امام آیت سجدہ منبر پر پڑھ

لے تو منبر سے نیچے اتر کر سجدہ نہیں کرے گا) (مؤطا مالک' کتاب القرآن' باب فی سجود القران)

پانچویں مثال : تاوان کے متعلق : حضرت عبدالرحمٰن بن حاطب کے خداموں نے مزینہ قبیلہ کے اونٹ کو چرایا اور ذبح کیا۔ جب یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا اور فرمایا کہ میرے خیال میں تم ان اونٹوں کو بھوکے رکھتے ہو۔ مزید فرمایا کہ میں تم پر ایسا تاوان مقرر کروں نگا کہ تم گرانی محسوس کرو گے ۔ پھر اس مزنی سے فرمایا کہ اس اونٹ کی قیمت کیا تھی اس نے کہا کہ قسم بخدا میں نے اس اونٹ کو چار سو درہم میں لیا تھا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آٹھ سو درھم دو (کتاب الاقضیہ' باب القضاء فی الضواری والحربیہ)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرماتے ہیں کہ تاوان میں دوگنی قیمت لینا ہمارے پاس (یعنی مالکیہ) کے پاس درست نہیں ہے ۔ اسلاف کے عمل یہ رہا کہ ہ اونٹ و یا دوسرے جانور بطور تاوان اسی دن کی قیمت لی جائے ۔

(مؤطا مالک' کتاب الاقضیہ: باب القضاء فی الضواری والحریبۃ)

چھٹی مثال : قسامہ کے متعلق : بشیر بن یسار روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سھل انصاری اور مُحیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خیبر کی طرف نکلے اور کچھ ضرورت کے پیش نظر الگ الگ ہوگئے تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن سھل رضی اللہ عنہ کا قتل کیا گیا ۔ تو حضرت حویصہ محیصہ اورعبدالرحمٰن تینوں حضور پاک علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حضرت عبداللہ بن سھل کا پورا واقعہ سنایا۔ تو حبیب پاک صلی اللہ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا پچاس قسمیں کھا کر قاتل پر اپنے بھائی کے خون کے مستحق بنتے ہو؟ تو انہوں نے جواباً عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کیسے قسمیں کھائیں جبکہ ہم وہاں حاضر ہی نہیں تھے۔ تو حبیب پاک علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر تو یہودی پچاس قسمیں کھا کر اس قتل سے بری ہوجائیں گے تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ قوم کفار کی قسموں کا کیا اعتبار۔

یحیی بن یسار حضرت بشیر بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دیت ادا فرمائی۔ (کتاب القسامہ باب تبدئۃ اھل الم فی القسامہ)

مذکورہ حدیث پاک میں جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ قسامہ کے ذریعہ فیصلہ ہونے پر دیت لازم آئے گی۔ قصاص نہیں۔ لیکن حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر دعوی قتل کا ہو تو دیت نہیں بلکہ قصاص لازم وضروری ہوگا۔ (اشعۃ اللمعات)

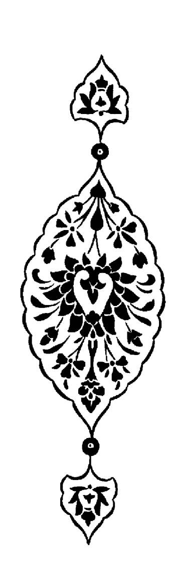
اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حضور پاک علیہ السلام

نے دیت ادا فرمائی' قصاص کا فیصلہ نہیں فرمایا۔لیکن امام مالک جو روایت مؤطا میں کتاب الاقضیہ کے تحت درج فرمائی اس پران کا ہی عمل نہیں ہے۔

ان چندامسئلہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب مؤطا میں ایسی روایتوں کوبھی درج فرمایا جو غیرمعمول بہ یعنی جن روایات پران کا ہی عمل نہیں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنی اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے دلوں کو آباد رکھے صحابہ و اہلبیت کرام اور جمیع صالحین کی محبت و الفت سے معمور فرمائے۔اورتادم زیست سنتوں پرعمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(آمین بجاہ طہ ویسین صلی اللہ علیہ وسلم)



امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ
شیوخ امام بخاریؒ کی نظر میں

سیدہ درخشاں فاطمہ، فاضل سوم کلیۃ البنات جامعہ نظامیہ

اللہ رب العزت کا ارشاد مبارک ہے: ''**ھو الذی بعث فی الأمیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ، و إن کانوا من قبل لفی ضلال مبین، و آخرین منھم لما یلحقوا بھم، وھو العزیز الحکیم**''۔ترجمہ: وہی ہے جس نے امیوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھی (تلاوت، تزکیہ اور تعلیم) دیتے ہیں جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ (سورہ جمعہ، آیت:2/3)

روایتوں سے ثابت ہے کہ سورہ جمعہ کی آیت مبارکہ جب نازل ہوئی تو حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کی تفسیر میں ارشاد فرمایا تھا: ''**لو کان العلم عند الثریا لذھب بہ رجل من أبناء فارس حتی یتناولہ**'' یعنی

قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف حاصل ہے وہ اصل میں امام اعظمؒ کے تلامذہ ہی کی عطا ہے۔اس لئے کہ امام بخاری کی ۲۲ ثلاثیات میں سے ۲۱ کے راوی امام اعظمؒ کے شاگرد ہیں و نیز امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں۔اور وہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہؓ فن فقہ وحدیث کے امام اور اعلی مقام و مرتبہ پر فائز ہیں۔

اگر ایمان ثریا کے پاس ہو تب بھی اس کو ابنائے فارس میں سے ایک صاحب اس تک رسائی حاصل کر کے اس حاصل کرلیں گے۔

(بخاری شریف' کتاب التفسیر، حدیث:4615)

چنانچہ صداقتوں کی یہ تعبیر اس طرح پوری ہوئی کہ قرن اول میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کے مبارک زمانے میں ۸۰ھ میں فقہ حنفی کے سرخیل' فراست نبوت کے عظیم وارث حضرت امام الائمہ سراج الامۃ امام المحدثین امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شخصیت کا ظہور ہوا جن کی عظمت کا تابندہ سورج آسمان علم وفضل پر عرصہ دراز تک جگمگا تا رہا اور ایک زمانے تک اپنے فیضان علم و فقاہت سے مستفید فرماتے ہوئے ۱۵۰ھ میں غروب ہو گیا؛ مگر آپ کا فیضان علمی امت اسلامیہ پر آج بھی جاری وساری ہے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فقیہ عالی وقار، ماہرین حدیث کے امام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی شخصیت کا کیا کہنا ؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں وہبی اور کسبی بے شمار خصوصیات سے نوازا تھا' چنانچہ علم و حکمت کے اعتبار سے اگر آپ کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو وہ ایک بحر ناپید کنار نظر آتے ہیں' زہد وتقوی کو پیش نظر رکھو تو نادر روزگار ہستی سمجھ میں آتے ہیں ،فراست و ذکاوت کے اعتبار سے دیکھو تو اس قدر بے مثل و بے مثال کہ آپ کا کوئی ثانی ہی نظر نہیں آتا آپ کے استنباط مسائل و فقاہت پر نظر ڈالو تو اس کا یہ عالم کہ بڑے بڑے ائمہ وجلیل القدر محدثین آپؒ کے حلقہ درس میں آپؒ کے آگے زانوئے ادب طئے کرتے نظر آتے۔

الغرض امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شخصیت ایک جامع صفات و کمالات کی حامل تھی ۔ چنانچہ جہاں آپؒ کی تعریف وتوصیف ہوتی رہی وہیں آپؒ کی شخصیت کو بغض و عداوت' حسد وکینہ پروری بدگمانی' الزام تراشی اور معاصرانہ رقابت کی تیروں کا نشانہ بنایا گیا۔ اور آپؒ کی شخصیت اور آپؒ کے مرتبہ علم کی نفی کی گئی' کبھی اہل الرأی کا طعنہ دیا گیا اور کبھی منکر حدیث اور قلیل الحدیث کہہ کر علم حدیث میں آپ کے تبحر علمی کی نفی کی گئی اور یہ بھی کہا گیا کہ آپؒ کو صرف سترہ (۱۷) اور ایک روایت کے مطابق انتیس (۲۹) احادیث نبویہ یاد تھی۔ بعدازاں اس الزام کو سچا ثابت کرنے کے لئے آپؒ کے درمیان اور امام بخاری کے درمیان اختلافات کی کڑیاں ڈھونڈ کر مخالفت کی ایک دیوار کھڑی کر دی۔ اور کہا گیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ اگر علمی شخصیت ہوتے تو امام بخاری ضرور اپنی صحیح میں ان سے کوئی روایت نقل کرتے۔ حالانکہ انہوں نے ان سے کوئی روایت نقل نہیں کی ،تو پتہ چلا کہ وہ قابل اعتبار نہیں ہے اور ان کے اصول وضوابط بھی غیر اہم ہے' یہ کہہ کر تقلید سے بھی روکا گیا،مگر......

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہمیشہ سے یہ سنت رہی ہے کہ جب بھی وہ اپنے دین حنیف کی نگہبانی کے لئے کسی ہستی کو چن لیتا ہے تو ان کی حفاظت وحمایت کا فریضہ بھی اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے اوران پر اٹھنے والے افتراءات اتہامات کا دفاع ایسی ہستیوں کے ذریعہ کرتا ہے جوصداقت وعدالت کے امام سمجھے جاتے ہیں ۔ چنانچہ انہی گرانقدر ہستیوں میں علامۂ زماں،فرید دوراں حضرت شیخ الاسلام عارف باللہ حضرت انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ کا بھی شمار ہوتا ہے ۔ چنانچہ آپؒ نے اپنی معرکۃ الاراء تصنیف ''حقیقۃ الفقہ'' میں (جو کہ دو جلدوں پر مشتمل ہے) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی ذات' شخصیت' زہد وتقوی' مقام ومرتبہ اور علم وعمل پر شواہد جمع کئے اور آپؒ کے امام الفقہاء ہونے کے ساتھ امام المحد ثین ہونے کو بھی ثابت کیا۔

فقہاء ومحدثین کی نظر میں آپ کے مقام ومرتبہ کو واضح کیا اور معترضین کے اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیتے ہوئے تقلید کے جواز کو قرآن وحدیث' اجماع امت اور قیاس سے ثابت کیا۔

اب ''حقیقۃ الفقہ'' کی روشنی میں امام بخاریؒ کے شیوخ کی نظر میں امام اعظم ابوحنیفہ کا مقام ومرتبہ ملاحظہ فرمائیں!

مقام امام اعظمؒ شیوخ امام بخاریؒ کی نظر میں : جو لوگ امام بخاریؒ کی فضیلت اور آپؒ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شخصیت پر طعن وتشنیع کے تیر برساتے ہیں انہیں یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے کہ امام بخاریؒ کا امام اعظمؒ کے ساتھ خصوصی تعلق ہے،اور آپ امام اعظم کے بڑے معتقد بھی رہے ہیں چنانچہ خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں:''**ما جلست للتحدیث حتی نظرت فی کتب اھل الرأی و حتی عرفت الصحیح من السقیم**''یعنی: وہ فرماتے ہیں کہ جب تک میں حدیث صحیح کو حدیث سقیم سے ممتاز نہیں کرلیا اور اہل رائے کی کتابیں نہیں پڑھی تدریس کے لئے نہیں بیٹھا۔ (حقیقۃ الفقہ ، جلد :اول،ص:137 بحوالہ مقدمہ فتح الباری)

ونیز قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف حاصل ہے وہ اصل میں امام اعظمؒ کے تلامذہ ہی کی عطا ہے ۔ اس لئے کہ امام بخاری کی ۲۲ ثلاثیات میں سے ۲۱ کے راوی امام اعظمؒ کے شاگرد ہیں و نیز امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں ۔ اور وہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؓ فن فقہ وحدیث کے امام اور اعلی مقام ومرتبہ پر فائز ہیں۔

ا ۔ حضرت عبداللہ مبارکؒ کی نظر میں مقام امام اعظم : حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شان وعظمت میں آپ سے متعدد اقوال مذکور ہیں،جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابوحنیفہ اگر تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو تابعین بھی ان کی طرف محتاج ہوتے''۔

(حقیقۃ الفقہ، جلد: اول، ص: 133 بحوالہ موفق انتصار)

۲۔علماء ابوحنیفہؒ سے مستغنی نہیں ہو سکتے' کچھ نہیں تو تفسیر حدیث میں تو ضرور محتاج ہیں اور آپؒ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے کہ آثار واحادیث کو لازم سمجھو' مگر ان کے لئے ابوحنیفہؒ کی ضرورت ہے' کیونکہ وہ احادیث کا معنی جانتے ہیں۔(حقیقۃ الفقہ' جلد اول ص: 133 بحوالہ موفق انتصار)

۳۔آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر میں سفہاء کی باتیں سنتا تو ابوحنیفہؒ کی ملاقات فوت ہو جاتی اور میری مشقت اور خرچ جو تحصیل علم میں ہوا تھا وہ سب ضائع ہو جاتا۔اگر میری ان سے ملاقات نہ ہوتی' اور ان کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو میں علم میں مفلس رہ جاتا۔اور فرماتے ہیں کہ وہ شخص محروم ہے جسے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علم کا حصہ نہ ملا اور شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے کہ آثار واحادیث کو لازم پکڑو مگر ان کے لئے ابوحنیفہؒ کی ضرورت ہے۔(حقیقۃ الفقہ ج:۱۔ص ۱۳۶ بحوالہ موفق انتصار کردری)

۴۔اور آپؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے بہت سے شہروں کی سیاحت کی ہے مگر جب تک ابوحنیفہؒ سے ملاقات نہ ہوئی حرام وحلال کے اصول معلوم نہیں ہوئے۔(حقیقۃ الفقہ ج1 ۔ص136 بحوالہ موفق انتصار)

اور فرماتے ہیں کہ ''ابوحنیفہ فقہ اور علم اور صیانت اور ورع میں سب پر غالب تھے۔(حقیقۃ الفقہ ج1 ص216 بحوالہ موفق انتصار)

و نیز آپؒ کا کہنا ہے کہ ''امام ابوحنیفہ'' افقہ الناس تھے' میں نے فقہ میں ان کا مثل نہیں دیکھا۔(حقیقۃ الفقہ ج: 1 ص230 بحوالہ: موفق، انتصار)

اور ابن مبارکؒ امام اعظم کے علم حدیث کا انکار کرنے والوں کی نسبت کہا کرتے تھے:''**کیف تقولون الإمام الأعظم لا یعرف الحدث؟** ''یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ کی بابت یہ تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث کو نہیں جانتے؟۔(حقیقۃ الفقہ' جلد اول، ص: 235 بحوالہ کردری)

۵۔حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں جب کوفہ میں گیا تو وہاں کے لوگوں سے پوچھا: یہاں کے علماء میں افقہ کون ہے؟ کہا: ابوحنیفہؒ، پھر پوچھا: زہد میں سب سے زیادہ کون ہے؟ کہا: ابوحنیفہؒ، پھر پوچھا: ورع میں اور پارسائی میں سب سے زیادہ کون ہے؟ کہا: ابوحنیفہ!۔(حقیقۃ الفقہ، ج: 1، ص: 267 بحوالہ موفق انتصار)

۶۔(بعد از وصال) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ابراہیم نخعی اور حماد ابن سلیمان نے مرتے وقت اپنا خلیفہ چھوڑا' خدا آپؒ پر رحم کرے آپ نے اپنا کوئی خلیفہ روئے زمین پر نہیں چھوڑا۔(حقیقۃ الفقہ، ج: 1، ص: 238 ۔بحوالہ: الخیرات الحسان)

مقام امام اعظم حضرت اعمشؒ کی نظر میں:

۱۔حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ'' ابوحنیفہ جو مسائل جانتے تھے وہ نہ تو حسن بصریؒ جانتے ہیں نہ ابن سیرین' نہ

قتادہ جانتے ہیں اور نہ ہی ان کے سواء کوئی جانتے ہیں ۔(حقیقۃ الفقہ' ج:1،ص:245۔بحوالہ انتصار کردری)

اور جب حضرت اعمش سے پوچھا گیا کہ آپؒ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو ابوحنیفہ کی برائیاں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے جو مسائل بیان کئے کچھ تو لوگ سمجھے اور کچھ نہیں سمجھے' اس لئے ان کے دشمن ہوگئے اور حسد کرنے لگے۔(حقیقۃ الفقہ' ج:1،ص:285، بحوالہ:الخیرات الحسان)

مقام امام اعظمؒ حضرت سفیان ثوریؒ کی نظر میں:

۱۔ابن موفق اور ابن محمد نے ثابت زاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے پاس کوئی دقیق مسئلہ پیش آتا تو آپؒ فرماتے اس مسئلہ میں سوائے اس شخص کے جس پر ہم حسد کرتے ہیں (ابوحنیفہؒ) کوئی شخص عمدہ تقریر نہیں کرسکتا، پھر آپؒ حضرت امام صاحب کے شاگردوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھتے کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاد کی کیا رائے ہے؟ وہ جو کہتے اس کے مطابق فتوی دیتے۔(حقیقہ الفقہ' ج:1،ص:134 بحوالہ: مناقب امام ابوحنیفہؒ)

۲۔اور حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ''ابوحنیفہؒ کی مخالفت صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو مقام وعلم میں ان کے برابر ہو! اور ایسا کون ہوسکتا ہے؟۔(حقیقۃ الفقہ ،ج:1، ص:130،بحوالہ:الخیرات الحسان)

مقام امام اعظمؒ کے دیگر شیوخ امام بخاری کی نظر میں:

۱۔ابراہیم بن طہمانؒ: فرماتے ہیں کہ: ابوحنیفہؒ سب چیزوں کے امام ہیں۔(حقیقۃ الفقہ ،ج:1،ص:235' بحوالہ کردری)

۲۔فضل بن موسیٰ سینائیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اورع نہیں دیکھا۔(حقیقۃ الفقہ، ج:1، ص:235،بحوالہ موفق انتصار کردری)

۳۔جریر بن حمیدؒ: فرماتے ہیں کہ ہم حجاز اور عراق کے علماء کی مجلسوں میں جایا کرتے تھے،مگر جو برکت اور نفع ابو حنیفہؒ کے مجلس میں تھا وہ کہیں نہ تھا (حقیقۃ الفقہ' ج:1، ص:238بحوالہ موفق)

۴۔ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ:ابوحنیفہؒ کے زمانے میں کوئی ان سے اورع نہیں سمجھا گیا۔(حقیقۃ الفقہ ج:1 ص :269 بحوالہ انتصار موفق کردری)

۵۔ابن عیینہؒ فرماتے ہیں:''زہد وورع میں امام ابوحنیفہ کا مثل میں نے نہیں دیکھا۔(حقیقۃ الفقہ جلد اول ص ۲۶۷ بحوالہ انتصار موفق کردری)

اور میں نے انہیں رمضان میں دیکھا تھا کہ وہ ساٹھ قرآن ختم کئے۔ ہر روز دو قرآن پڑھتے:ایک دن میں اور ایک رات میں ختم فرماتے۔(حقیقۃ الفقہ' جلد۔1۔ص269 بحوالہ انتصار)

۶۔یحییٰ ابن معینؒ سے جب پوچھا گیا کہ کیا ابوحنیفہؒ ثقہ تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ثقہ تھے' ثقہ تھے! مکرر توثیق کے

بعد کہا کہ ان کا مرتبہ اس بات سے بلند تھا کہ وہ جھوٹ بولتے۔آپ ورع میں سے سب زیادہ تھے اور فرمایا کہ جن کو ابن مبارک اور وکیع نے عدل کیا ہو ان کے متعلق تم کیا گمان کرتے ہو؟۔(حقیقۃ الفقہ۔ج:1 ص 267 بحوالہ‘ موفق انتصار کردری)

۷۔حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی مجلس میں جب امام صاحب کا تذکرہ ہوا تو امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: یقیناً وہ صاحب ورع تھے۔اکیس کوڑے خدمت قضا قبول کرنے کے لئے مارے گئے مگر وہ انکار ہی کرتے رہے۔(حقیقۃ الفقہ‘ج:ا۔ص۲۶۸ بحوالہ موفق انتصار کردری)

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسرمیدان مگر جھکی نہیں

ان حضرات کے علاوہ اور بھی متعدد امام بخاریؒ کے شیوخ ہیں جنہوں نے امام صاحب کے زہد وتقویٰ ورع وعلم فضل وکمال کی تعریفیں کی ہیں جن میں سے چند کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) اسرائیل بن یونسؒ (۲) عبداللہ ابن نمیرؒ (۳) عبدالرحمٰن المسعودیؒ (۴) عبدالرحمٰن مہدیؒ (۵) اسباط بن نضرؒ (۶) ابونمیلہ یحیی بن واضح (۷) اوزاعیؒ (۸) عبدالعزیزؒ بن ابی داود (۹) ابوالاحوص سلام ابن سلیمؒ (۱۰) ابن جریجؒ (۱۱) جریر ابن عبدالحمیدؒ (۱۲) ابوالجویریۃ خطاب ابن خفاف (۱۳) حسن ابن عمارہؒ (۱۴) فضل ابن موسیٰ سینائی (۱۵) حماد ابن زیدؒ (۱۶) رقبہ ابن مصقلہ (۱۷) عثمان المدنی (۱۸) عطاء ابن ابی رباح (۱۹) روح ابن عبادہؒ (۲۰) علقمہ ابن ابی مرثدؒ (۲۱) عمرو بن دینار (۲۲) ابوالزبیر مکیؒ (۲۳) زہیر ابن معاویہؒ (۲۴) سعید بن ابی عروسہ وغیرھم۔(حقیقۃ الفقہ ج:1 ص 196 ‘مکمل تفصیل دیکھیں)

خلاصہ کلام: مذکورہ بالا تمام تفصیلات کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شان وعظمت کی حقانیت آشکار ہوجائے اور آپ کے مقام مرتبہ کا سکہ امت مسلمہ کے دلوں پر بیٹھ جائے تاکہ کوئی آپؒ کی بزرگانہ شخصیت کی نسبت بدگمانی اور زبان درازی کا ارتکاب کرکے کہیں اس حدیث کا مصداق نہ بن جائے کہ آخری زمانے میں لوگ پہلے والے لوگوں پر لعنت کریں گے اور علم کم ہوجائے گا، جہالت بڑھ جائے گی ہر شخص اپنی رائے نازاں ہوگا۔(حقیقۃ الفقہ ج۔1 ۔ص:195)

خود حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ ان تفصیلات کو بیان کرنے کا مقصد بیان کرتے ہیں کہ:"ہمیں یہاں اپنے ہم مشربوں کو یہ معلوم کرا دینا منظور ہے کہ مخالفین کی تقریریں سننے اور دیکھنے سے جو وساوس شیطانی پیدا ہوں ان کے دفیعہ میں ان بزرگان دین کے اقوال سے لاحول کا کام لیں اور عقیدہ میں تزلزل آنے نہ دیں۔وماتوفیقنا إلا باللہ.(حقیقۃ الفقہ ج۔1 ص:195)

نثر المرجان فی رسم نظم القرآن
اہمیت وافادیت

مولوی سید شہباز، فاضل دوم

قرآن مجید خدائے تعالیٰ کی وہ لاریب کتاب ہے جس میں کسی قسم کی غلطی کا کوئی شائبہ نہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ یوں تو قرآن مجید اپنے اندر سینکڑوں علوم رکھتا ہے اور ہر علم اتنا گہرا سمندر ہے کہ جس کے کنارہ تک پہنچنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام ہے اور خدائے تعالیٰ کی ذات لا محدود ہے اور انسان کی ذات محدود ہے۔ لہذا محدود کا لامحدود تک پہنچنا محال ہے۔ انہیں علوم وفنون میں ایک اہم اور بنیادی علم ''النص القرآنی'' قرآنی رسم الخط کا ہے جس پر کئی سارے علماء نے قلم اٹھایا اور کئی ساری تصانیف وجود میں آئی۔ اورانہی علماء وفضلاء میں سرفہرست ایک نام غیاث الملۃ والدین علامہ غوث نائطی آ کارتی کا ہے جن کی کتاب ''نثر المرجان فی رسم القرآن'' اس فن میں جامعیت اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔

صاحب کتاب کا مختصر تعارف: علامہ غوث بن ناصرالدین نائطی آ کارٹی ہندوستان کے شہر آ کارت میں پیدا ہوئے۔

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ سب سے پہلے ''نثر المرجان فی رسم نظم القرآن'' کی طباعت کی ذمہ داری شہر حیدرآباد میں حضرت شیخ الاسلام کی قائم کردہ تحریک مجلس اشاعت العلوم نے حضرت ہی کے حکم سے لی۔ اس کتاب کی اہمیت کے متعلق حضرت شیخ الحدیث محمد خواجہ شریف علیہ الرحمہ جب بھی کوئی عرب جامعہ نظامیہ کے دورہ پر آتے تو فرمایا کرتے تھے ''**لا یوجد مثله فی العالم کله**'' اس کتاب کا پوری دنیا میں کوئی ثانی ہیں۔

ابتدائی تعلیم اپنے دادا احمد نظام الدین کے پاس کی پھر آپ کی وفات کے بعد کئی سارے اساتذہ کے پاس علم حاصل کیا اور مزید حیدرآباد تشریف لاکر یہاں کے قابل ترین علماء کرام سے تعلیم حاصل کئے اور آپ نے اپنے پیچھے بے حساب علمی ورثہ چھوڑا' آپ کا وصال ۱۲۳۸ھ کو رمضان پور میں ہوا۔ (مآثر الانوار' فصیح الدین نظامی' مطبوعہ انوار پرنٹرس سن اشاعت ۲۰۱۵ء ص:۲۸۹)

اجمالی تاریخ رسم القرآن: ''رسم'' کے لغوی معنیٰ اشارہ اور نقوش کے آتے ہیں اور اصطلاح میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں باتفاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس خط پر اجماع ہوا اس کا نام رسم مصحف عثمانی ہے جو تقریباً چوتھے دور یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے دور کے بعد طئے ہوا۔

(نثر المرجان فی رسم القرآن'' اکارٹی' محمد غوث ج ا' ۱۷)

''نثر المرجان فی رسم نظم القرآن'' کی اہمیت وافادیت:
درحقیقت کسی بھی کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے اندر لکھے مضمون سے کیا جاتا ہے اور علامہ نائطی نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہر دور میں علماء کا دلچسپ موضوع رہا ہے۔ کیونکہ رسم القرآن ایک ایسا علم ہے جس سے کئی علوم جیسے قراءت' لغت' ائمہ قرات کے اختلافات وغیرہ تو ہم اس بات سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس فن میں قلم اٹھانے کے لئے آپ کو کتنے علوم کا مطالعہ کرنا پڑا ہوگا۔ اس علم کے لئے بس یہی بات کافی ہے کہ رسم مصحف عثمانی کے علاوہ کسی دوسرے قیاسی خط میں لکھنا غیر قابل قبول ہے۔ اور اس خط پر بھی ایسے ہی اتفاق نہیں کر لیا گیا بلکہ اس کے لئے تین شرائط ذکر کی گئی۔

(۱) تواتر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا (۲) نطق قرأت بھی خط کے مطابق ہونا (۳) عربی قواعد میں کسی ایک توجیہ سے مطابقت ہونا۔

ایک اور بات یہاں قابل ذکر ہے کہ سب سے پہلے اس کی طباعت کی ذمہ داری شہر حیدرآباد میں حضرت شیخ الاسلام کی قائم کردہ تحریک مجلس اشاعت العلوم نے حضرت ہی کے حکم سے لی۔ اس کتاب کی اہمیت کے متعلق حضرت شیخ الحدیث محمد خواجہ شریف علیہ الرحمہ جب بھی کوئی عرب جامعہ نظامیہ کے دورپر آتے تو فرمایا کرتے تھے''**لا یوجد مثلہ فی العالم کلہ**'' اس کتاب کا پوری دنیا میں کوئی ثانی ہیں

''نثر المرجان فی رسم نظم القرآن'' بیک نظر: علامہ غوث نائطی علیہ الرحمہ نے اس کتاب کو حضرت ابوالعیاش محمد بن علی استاذ کامل کی لطف وعنایت سے ایک مقدمہ اور دو مقالوں پر ترتیب دے کر سات جلدوں میں لکھا ہے۔ مقدمہ میں آپ نے رسم القرآن کی تاریخ مصادر ومراجع اور اس فن کی مزید کتابوں پر بات کرتے ہوئے اس فن کے علماء پر نظر ڈالی۔ اور پہلے مقالہ میں مبادیات رسم قرآنی' قراءت' نطق وغیرہ کا ذکر کیا جبکہ دوسرے مقالہ میں فروش الحروف اور رکلمہ کی

مختلف شکلوں میں بات کی ۔ واضح رہے کہ علامہ نائطی نے سات جلدوں میں اس کو مرتب کیا۔ پہلی جلد سورہ نساء تک دوسری سورہ توبہ' تیسری سورہ نحل چوتھی سورہ فرقان پانچویں سورہ یٰسین' چھٹی سورہ ذاریات اور ساتویں جلد کو سورناس تک کرکے مکمل کیا۔ ان سات جلدوں میں آپ نے پانچ ابواب (۱) اثبات و حذف (۲) زیادات (۳) وصل وقطع (۴) ابدال اور (۵) ہمزہ پر تفصیلی گفتگو جملہ چھ قواعد میں ذکر کیا۔(مآثرالانوارص۲۹۰)

علامہ نائطی کا اسلوب: علامہ نائطی کا اسلوب جامعیت کا حامل ہے جس مضمون پر آپ نے بات کی ہے اس کے پورے مالہ و ماعلیہ سے بات کی اور بالخصوص دفع مقدر کا آپ نے خاص خیال رکھا۔ کسی مقام پر اگر قواعد میں ٹکراو پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتاہے تو آپ اس کو صاف صاف ذکر کرکے اسکا حل فرماتے ۔ یہی اس کتاب کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسے جامعیت تک پہنچاتی ہے۔

علامہ آ کارتی نے بات شروع کی رسم القرآن سے تو اس میں آپ نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں رسم الخط کی کیا شکلیں تھی۔ اہل عرب کس طرح لکھتے تھے' لکھنے والوں میں مشہور کون تھے' کتابت قرآن مجید کب شروع ہوئی۔ اس کو لکھنے والوں میں مہاجرین میں سے کتنے تھے اور انصار میں کتنے تھے۔ ان سب کو آپ نے شرح وبسط کے ساتھ ذکر کیا۔ پھر قراءت پر بات کی تو نطق قرأت کی صورتیں ائمہ کا اختلاف احادیث صحیحہ و معتبرہ کی روشنی میں ہر دور کی صورتحال میں کو مالہ و ماعلیہ کے ساتھ پیش کیا۔ بہرحال آپ کے اسلوب و منہج کے متعلق اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ بڑی جامعیت کا حامل ہے کہ کسی چیز کو آپ نے نہیں چھوڑا۔

رسم مصحف عثمانی کی خصوصیت ''نثر المرجان'' کی روشنی میں: تمام علماء وائمہ قراء کا اس اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کو غیر رسم مصحف عثمانی میں لکھنا ہرگز درست نہیں' کیونکہ رسم مصحف عثمانی میں کئی ساری حکمتیں پوشیدہ ہیں۔اور رسم عثمانی میں لکھنے کے جو فائدے ہیں ان میں سے چند یہاں ''نثر المرجان فی نظم رسم القرآن'' کی روشنی میں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) مصحف عثمانی کا رسم وسیع معانی کا حامل: علامہ غوث نائطی علیہ الرحمہ نے ان سات جلدوں میں حصر کے طور پر چھ قواعد ذکر کئے اس میں سے قاعدہ نمبر (۲) وصل اور قطع میں آپ لکھتے ہیں۔''ام من یکون علیھم و کیل''۱ (سورۃ النساء) پھر ایک اور آیت میں ''امن یمشی سویا '' (سورۃ الملک) یہاں اگر ہم غور کریں تو سورۃ النساء والی آیت میں ''ام'' اور ''من'' فصل کی صورت میں ہے اور اس صورت میں اس کے معنیٰ ''بل'' کے ہے جبکہ دوسری صورت میں 'امن' وصل کی شکل میں ہے جس کے معنیٰ ''بھلا جو کوئی'' کے ہے۔ حالانکہ نطق وتلفظ میں کوئی تبدیلی نہیں۔ قرات میں

کوئی فرق نہیں لیکن فصل اور وصل کرنے سے اس طرح معانی میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

(نثر المرجان۔۔ج ا سورۃ النساء بحوالہ مناھل العرفان فی علوم القرآن م محمد عبد العظیم الزرقانی متوفی ۱۳۶۷ھ ص ۳۶۷)۔

رسم عثمانی اختلاف قراء کی صورت میں : قیاس رسم کے بجائے رسم عثمانی میں لکھنے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس سے ائمہ قراء کے اختلافات معلوم ہوتے ہیں جبکہ خط و کتابت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔

''ان ھذا ن لساحران'' اس آیت مبارکہ کو رسم عثمانی میں لکھنے کی وجہ سے ہم چار طریقہ سے بڑھ سکتے ہیں۔(۱) ان ھذان لساحران نون مشددہ (نّ) کے ساتھ باقی تخفیف کے ساتھ یہ امام نافع کی قرأت ہے۔(۲) ان ھــــذانّ لســاحــران ۔نو تخفیف (نْ) اور ھذ انّ کے نون پر تشدید کے ساتھ ہے۔ابن کثیر کی قرأت ہے(۳) ان ھــــذان لســاحران . ان اور ھذان دونوں ہی تخفیف کے ساتھ یہ امام حفص کی قرأت ہے۔(۴) ان ھـــذیـــن ۔ یہ ابوعمر کی قرأت ہے۔ اسطرح یہ ایک شکل والی آیت رسم عثمانی کی روشنی میں چار اختلافات کو اپنے اندر لی ہوئی ہے۔

(نثر المرجان۔۔۔ج:۴۔بحوالہ مناھل العرفان فی علوم القرآن ج ا ص ۳۶۶)۔

رسم عثمانی اور مخفی معنی کی طرف اشارہ: علامہ نائطی علیہ الرحمہ نے ہماری توجہ اس طرف بھی مبذول کی کہ رسم عثمانی میں لکھنے کا ایک اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پوشیدہ معنی کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔جیسے:''**والسمـاء بـنـیـنـھا بأید**'' یہ آیت مبارک بعض رسم عثمانی کے نسخوں میں دو''ی'' پائیں کے ساتھ بأییدا سطرح مکتوب ہے جس کے معنی''ہاتھ'' کے علاوہ اس مادہ کے آتے ہیں جس سے آسمان بنایا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا علم انسانی عقل سے ماوراء ہے۔

(نثر المرجان ج ۷ بحوالہ مناھل العرفان ج ا۔ص ۳۶۷)

خلاصہ کلام : حاصل کلام یہ ہے کہ علامہ غوث بن ناصرالدین نائطی آ کارتی علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی کا اچھا خاصہ عرصہ اس کتاب میں لگا کر اس کو فن کی تمام کتابوں کا جامع بنایا۔اس کتاب میں آپ نے لفظاً لفظاً ہر کلمہ پر بحث کی ۔نثر المرجان فی رسم نظم القرآن اپنے اس فن کی جامع کتاب ہے۔ حیدرآباد دکن میں حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کے حکم سے طبع ہونے والی پہلی کتاب ہے جس کا ثانی پوری دنیا میں ملنا مشکل نہیں ناممکن ہے۔اگر کوئی خط قرآنی کی باریک سے باریک ادق سے ادق پر ہر اعتبار سے بحث و مباحثہ کرنا چاہئے تو اس کے لئے یہ ایک کتاب کافی ہے۔ اہل عرب کے آج بھی اس کتاب ہر کسی نہ کسی جزء کے متعلق مقالات چھپتے رہتے ہیں۔صرف ایک ایک باب پر کئی علماء پی ایچ ڈی کے مقالات پیش کر چکے ہیں۔

علمِ جرح وتعدیل' ایک مطالعہ

مولوی محمد عمران' متعلم عالم دوم

دنیا کے تمام مذاہب میں دین اسلام وہ واحد مذہب ہے جس کی تعلیمات ہر قسم کی تحریف وترمیم سے منزہ اور پاک ہیں۔اور یہی چیز اسلام کو دیگر مذاہب وادیان سے ممتاز کرتی ہے۔قرآن مجید اسلامی شریعت کا اولین مصدر وسرچشمہ ہے اور اس کے بعد کسی کا درجہ ہے تو وہ سنت نبویؐ کا ہے۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت حدیث کی ترغیب دلائی تو وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں تحریف و ترمیم کرنے والوں کے لئے وعید سنائی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''**من كذب عليّ متعمداً فليتبؤا مقعده من النار**''. (بخاری' کتاب العلم)

امت مسلمہ کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ اس نے حدیث شریف کی صیانت وحفاظت میں غیر معمولی اہتمام کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی بات کو قبول کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیا ۔ ہر دور میں علماء حق نے جنم لیا جنھوں نے صدق وکذب کے مابین فرق کو امت پر آشکار کیا ۔ علماء حدیث سے روایت حدیث میں سند بیان کرنے کو لازم وضروری قرار دیا ۔ یہ

امت مسلمہ کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ اس نے حدیث شریف کی صیانت وحفاظت میں غیر معمولی اہتمام کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی بات کو قبول کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیا۔ ہر دور میں علماء حق نے جنم لیا جنھوں نے صدق وکذب کے مابین فرق کو امت پر آشکار کیا۔ علماء حدیث سے روایت حدیث میں سند بیان کرنے کو لازم وضروری قرار دیا۔ یہ معاملہ اتنا عام ہوکر سند کے ساتھ بات کو ذکر کرنا صرف علم حدیث کے ساتھ ہی استعمال نہیں ہوا بلکہ دیگر علوم میں بھی اس کو فروغ حاصل ہوا۔

معاملہ اتنا عام ہوکر سند کے ساتھ بات کو ذکر کرنا صرف علم حدیث کے ساتھ ہی استعمال نہیں ہوا بلکہ دیگر علوم میں بھی اس کوفروغ حاصل ہوا۔ چنانچہ امام طبری نے اپنی تاریخ کی کتاب میں اسی طرح کواپنایا ہے۔علماء حدیث کی اس کاوش کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس دور میں ادب کی کتابوں میں تک سند کے ذکر کا رواج پڑا جیسا کہ بدیع الزماں ہمدانی اورحریری نے اپنے مقامات کی ابتداء ''حدثنا'' کے لفظ سے کی ہے جو کہ خالص حدیث شریف کی سند میں استعمال ہونے والی ایک اصطلاح ہے۔اسی طرح عصر عباسی کا مشہور ادیب ابو القرح اصفہانی (م ۳۵۶ھ) نے اپنی مشہور زمان کتاب 'اغانی' میں بھی یہی طریق اختیار کیا ہے۔ الغرض ان علماء نے حفاظت حدیث کا جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں مفقود ہے۔

حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے مذکورہ بالا قول کے نتیجے میں محدثین کرام نے حفاظت حدیث کی غرض سے ایک خاص فن کی تخلیق کی جس کو'علم الجرح والتعدیل' کہا جاتا ہے ۔اوران کے شرف کے لئے یہی بات کافی ہے کہ انہوں نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کو بتانے کے لئے لاکھوں کے احوال کومحفوظ کردیا۔

علماء حدیث کی اس جانفشانیوں اور اخلاص کوخراج عقیدت پیش کرتے ہوئے حضور شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ امام محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ رقم طراز ہے'' ملاحظہ فن رجال سے واضح ہے کہ محدثین نے اپنی خدمت اور فرائض منصبی جس خوبی اورعمدگی سے ادا کئے اس کی نظیر نہ کسی امت میں مل سکتی ہے نہ اسلامی کسی دوسرے فرقہ میں ان کی حافظ، تقوی، دیانت، تورع، صدق، جفاکشی وغیرہ ضروریات اس درجہ کوپہونچے ہوئے تھے کہ ان پراطلاع ہونے کے بعد منصف مزاج بےاختیار یہی کہے گا کہ جن احادیث کومحدثین اہل سنت و جماعت نے صحیح کہا ہے بے شک وہ صحیح ہیں'' حقیقۃ الفقہ ۔ص:۱۸/۱۹)

۱۔جرح کی لغوی تعریف: مشہور لغوی ابن سیدہ اپنی مشہور لغت المحکم والمحیط الأعظم میں جرح کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لغت میں جرح کے معنی اسلحہ سے زخمی اور مجروح ہونے کے ہیں جرحہ یجرحہ جرحا۔أثر فیہ بالسلام (۳) (المحکم والمحیط الأعظم الا بن سیدہ ۔ ج ۳۔ص ۴۴)

جرح کی اصطلاحی تعریف: ''**وصف متی التحق بالراوی و الشاھد سقط الإعتبار بقولہ و بطل العمل**'' ہے۔ترجمہ وصف جوراوی اورگواہ کےساتھ لاحق ہوتو اس کا قول ساقط الاعتبار ہوجاتا ہے اوراس پرعمل کرنا باطل ہوجاتا ہے ۔ (۴) جامع الاصول ج ۔۱ لابن اثیر جزوی ا۔۱۲۶)

عدم کا مفہوم: علم حدیث کے ایک مشہور عالم حافظ ابن حزم عدل کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' العدل

ھوالقیام بالفرائض اجتناب المحارم والضبط لماروی وأخبر بہ فقط''
ترجمہ: عدل سے مرادفرائض کا قیام اورحرام چیزوں سے اجتناب کرنا ہےاوروہ چیز جوروایت کرےاور بتائے اس کواچھی طرح سے یادکرنا ہے(الاحکام فی اصول الاحکام)۔ج اص۔۱۶۳)

تعدیل کی اصطلاحی تعریف: وصف متی التحق بالراوی والشاھد . اعتبر قولھما و أخذ بہ
(مع الأصول ج' ص ۱۲۶)

شرعی حکم: جو کہ جرح وتعدیل کا مقصد کسی کی بھی طعن و تشنیع یاعیب جوئی نہیں بلکہ اسکا مقصداظہارحقیقت ہے تاکہ کسی بھی غیر کا قول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ونے پائے۔اس لحاظ سے یہ ایک دینی ضرورت بھی ہے اس لئے یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ضروری ہے ۔ اور شریعت کامسلمہ اصول ہے کہ الامور بمقاصدھا۔

اس علم کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح مسلم میں رقم طراز ہے ہ''اعلم أن جرح الرواۃ جائزبل واجب بالاتفاق للضرورۃ الداعیۃ الیہ الصیانۃ الشریعۃ المکرمۃ . و لیس ھو من الغیبۃ المحرمۃ بل من النصیحۃ للہ تعالیٰ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمین ' و لم تزل فضلا الامۃ و أخیارھم و أھل الورع منھم یفعلون ذلک . کما ذکر مسلم فی ھذا لباب عن جماعت منھم ما ذکرہ''

(شرح صحیح مسلم: ج۱) ترجمہ: جان کوراویوں کی جرح جائز بلکہ واجب ہے ۔ اس لئے کہ شریعت مقدسہ کے تحفظ کے لئے ضرورت اس بات کی داعی ہےاور یہ عمل غیبت محرمہ سے نہیں ہے ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اورمسلمانوں کی خیرخواہی سے ہے۔امن کےفضلاءاخیاراور اہل ورع برابر راویوں کی جرح کرتے آئے ہیں جیسا کہ امام مسلم نے اس باب میں ان کی کئی ایک جماعتوں سے جرح رواۃ کا ذکرکیاہے۔

اسباب جرح: کسی بھی راوی پرجرح کرنے کے لئے اس راوی میں چند صفات کا پایا جانا ضروری ہے جن صفات کو اسباب جرح طعن یاضعف بھی کہتے ہیں۔علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دس اسباب بتائے ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق عدالت سے ہیں جبکہ باقی پانچ کا تعلق ضبط سے ہیں اوروہ یہ ہیں۔(نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر) میں

عدالت سے متعلق اسباب : (۱) کذب فی الحدیث النبوی (۲) اتہام بالکذب (۳) فسق (۴) جہات (۵) بدعت

۱۔کذب فی الحدیث النبوی سے مراد حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف ایسا قول منسوب کرنا جوآپ نے نہ فرمایا ہو یا ایسا فعل جو آپ سے صادر نہ ہوا ہو۔ چاہے وہ راوی خود سے وضع کرے یا دوسرے کی وضع کی ہوئی بات کو منسوب کرے۔اس طرح کی روایت کوموضوع کہا جاتا ہے۔

۲۔اتہام بالکذب سے مراد: اس سے مراد یہ ہے کہ راوی پر آپسی گفتگو میں جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہوا گر چہ کہ اس کی دروغ گوئی حدیث شریف میں ثابت نہ ہوئی۔ایسی روایت کومتروک کہا جا تا ہے۔

۳۔فسق: اس کے معنی یہ ہے کہ راوی گنا کبیرہ کا مرتکب ہو یا گناہ صغیرہ پر مصر ہو،جس راوی کا فسق ظاہر ہو جائے اس کی روایت غیر منقول ہے اور ایسی روایت کو'منکر' کہا جا تا ہے۔

۴ ۔ جہالت : اس کا معنی یہ ہے کہ راوی کی ذات یا صفات غیر معروف ہو،اس طرح کے راوی کو مبہم کہا جا تا ہے۔ حدیث شریف کی روایت کرنے میں راوی کا عادل ہونا شرط ہے جب یہاں راوی ی مجہول ہے تو اس کا عادل وغیر عادل ہونا بھی ثابت نہ ہوگا اس لئے ایسے راوی کا حال معلوم ہونے تک توقف کیا جائیگا۔

۵۔بدعت: ایسے امر کا اعتقاد جس کی اصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معروف طریقہ میں نہ ہو۔(اعتقاد ما احدث علی خلاف المعروف عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حاشیۃ نزھۃ النظر)

ضبط سے متعلق اسباب: (۱) کثرت غفلت (۲) کثرت غلط (۳) مخالفت ثقات (۴) وھم (۵) سود حفظ

ا۔کثرت غفلت کا معنی یہ ہے کہ راوی سماع حدیث میں تحمل حدیث میں غفلت برتے۔

۲۔کثرت غلط کا معنی بھی کثرت غفلت کے متقارب ہے دونوں میں فرق یہ ہے کہ غفلت کا تعلق سماع اور تحمل حدیث سے ہے۔جبکہ غلط کا تعلق اسماع اور ادائے حدیث سے ہے (مقدمۃ فی اصول الحدیث للعلامۃ الشیخ عبدالحق رحمہ اللہ۔ص۔۹۹)

۳۔مخالفت ثقات: جب کسی راوی میں یہ عیب پایا جائے کہ وثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہے تو اس وجہ سے ایسے راوی کی روایت کردہ حدیث فعین وجاتی ہے اور مخالفت کی کئیں صورتیں ہوتی ہے۔مثلاً کبھی مخالفت سند میں ہوتی ہے تو کبھی متن میں چاہے وتقدیم وتاخیر میں ہو یا حروف کی تبدیلی میں ۔ہر حال ثقات کی مخالفت شذوذ کا سب ہوتی ہے۔''ومخالفۃ الثقات فی الاسناد ذو المتن یکون علی انحاء متعدوۃ' تکون موجبۃ للشذوذ''(مقدمہ فی اصول الحدیث۱۰۰)۔

۴۔وھم: اسکا معنی یہ ہے کہ بطور وہم حدیث کو روایت کر دینا مثلاً مرسل یا منقطع کو موصول روایت کرنا یا کسی ضعیف راوی کو ثقہ سے تبدیل ہ کر دینا وغیرہ جس روایت میں وہم ہونے کی اطلاع ہو جائے تو اس کو معلل کہتے ہیں۔

۵۔سود حفظ: اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی کا حافظہ کمزور ہو اور اس کے بیان میں غلطیاں بہت زیادہ ہو اور صحت نادر ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ا) سوءحفظ لازم (۲) سوءحفظ طاری۔

ا۔سوحفظ لازم یعنی راوی بچپن سے اسی کیفیت میں ہو تو اس کی روایت کو'شاذ' کہتے ہیں اور یہ مردود ہے۔

۲ ۔سوء حفظ طاری: یعنی اس میں حافظہ کی کمزوری کی عارضی سبب کی بناء پر ہو۔ایک رائے کے مطابق جیسے کبرسنی' یا بصارت کا ضائع ہوجانا یا اور کوئی سبب ۔ ایسے راوی کی

روایت کو'مختلط' کہتے ہیں۔اس کا حکم یہ ہے کہ اختلاط پہلے کی روایتیں مقبول ہیں۔اوراختلاط کے بعد کی روایتوں میں متابعت درکار ہے۔(مقدمہ صوفی:اصول الحدیث۔۱۰۴/۱۰۳)

الفاظ جرح وتعدیل:فن جرح وتعدیل ایک دقیق علم ہے اورراوی پرحکم لگانے کے لئے وسیع علم درکار ہے۔اس لئے ماہرین جرح وتعدیل نے چند الفاظ کو متعین کر دیا ہے۔درحقیقت یہ الفاظ راویوں کو ماپنے کے پیمانے ہیں اورانہیں کے ذریعہ راوی کا ثقہ وغیر ثقہ ہونا معنی ظاہر ہوتا ہے۔

الفاظ جرح:(۱) أکذب الناس (۲) رجال (۳) وضاع (۴) کذاب (۵) لین (۶) سئی الحفظ (۷) فیہ أولی مقال۔

الفاظ تعدیل:(۱) أوثق الناس (۲) ثقۃ ثقۃ (۳) ثبت ثبت (۴) ثقۃ حافظ

جرح وتعدیل میں تعارض:کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایک روای پر جرح کرتے ہیں اور بعض دوسرے لوگ اس روای کی تعدیل کرتے ہیں تو ایسی صورت میں جرح کو مقدم کیا جائیگا یا تعدیل؟اس سلسلہ میں معتبر قول یہ ہے کہ جرح کو تعدیل پر مطلقا مقدم کیا جائیگا اگر چہ لین کی تعداد زیادہ ہو۔البتہ اس میں شرط یہ ہے کہ جرح مبین ومفسر ہواور جرح کے اسباب سے واقف شخص کی جانب سے جرح ہو۔جیسا کہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں''**والجرح مقدم علی التعدیل ان صدر مبینا من عارف بأسبابه**''

ترجمہ: جرح' تعدیل پر مقدم ہے کہ جبکہ وہ اسباب جرح سے واقف شخص سے صادر ہو(نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر)

نوٹ : واضح رہے کہ جرح مبین اس جرح کو کہتے ہیں جس میں سبب جرح مذکور ہو۔

۲۔'لم یصح' کے الفاظ وارد ہونے سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا یعنی اگر کسی حدیث کے متعلق 'لم یصح' کے الفاظ آئے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ موضوع ہے۔ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں''لا یلزم من کون الحدیث لم یصح أن یکون موضوعا''لاالقول المسدود فی۔۔۔عن مسند أحمد)

ائمہ جرح وتعدیل: یوں تو اس فن میں بہت سے علماء نے اپنی خدمات صرف کی لیکن ان میں سب سے زیادہ معروف ہونے والی شخصیات ہیں:

۱۔امیر المومنین فی الحدیث امام شعب رضی اللہ عنہ (م ۱۶ھ)۔۲۔یحیی بن سعید القطان رحمہ اللہ (م ۱۹۸ھ)۔۳۔عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ۔(م ۱۹۸ھ)۔۴۔یحیی بن معین علیہ الرحمہ (م ۲۲۳ھ)۔۵۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ)۔۶۔امامہ نسائی علیہ الرحمہ (م ۳۰۳ھ)۔۷۔امامہ دارقطنی علیہ الرحمہ (م ۳۸۵ھ)

جرح وتعدیل پر کتابیں:

۱) کتاب الضعفاء۔امام بخاری (۲) کتاب الضعفاء المتکر وکین۔امام نسائی (۳) الکامل فی الضعفاء۔ابن عدی (۴) امام دارقطنی۔(۵) حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمہ کی کتاب الرفع۔۔۔ہے۔

مطالعہ کی اہمیت

مولوی محمد عبدالمقتصد حماد، مولوی دوم

انسان اور دیگر مخلوقات میں فرق عمل اور علم کا ہی ہے کہ دیگر مخلوقات میں یہ اہلیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنی معلومات اور علم میں اضافہ کریں جبکہ انسان دیگر ذرائع کو استعمال کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرسکتا ہے۔

علم ایک ایسا نور ہے جو انسان کو مہذب بناتا ہے۔اُسے اچھے اور برے میں فرق سکھاتا ہے اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز بھی علم کی آیت سے کیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اقرأ باسم ربک الذی خلق''۔(سورۃ العلق)

جس طرح کھیتی کیلئے پانی ضروری ہے۔ اُسی طرح علم کیلئے مطالعہ ضروری ہے۔ مطالعہ استعداد وصلاحیتوں میں نمو پیدا کرتا ہے، علم دریا ہے تو مطالعہ کرنے والا ان میں جواہر تلاش کرتا ہے۔ مطالعہ میں ایسی مسرت ہیکہ جس کا پانے والا بادشاہیت کو ٹھکرادے۔

حضرت امام محمد بن اسماعیل البخاری علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں۔''ادمان النظر فی الکتب'' یعنی کتب بینی (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۹۰)

حضرت امام برہان الدین زرنوجی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اے طالب علم! تو ہمیشہ درس ومطالعہ میں مصروف رہ اس

مطالعہ کا مادہ ''طلوع'' سے ہے اور طلوع پردہ غیب سے عالم ظہور میں آنے کو کہتے ہیں ۔اسی لیے کہا جاتا ہے: طلعت الشّمس یعنی سورج عالم غیب سے عالم ظہور میں نمودار ہوا اور مطالعہ باب ''مفاعلہ'' سے ہے اور مفاعلہ میں جانبین سے برابر کے علم کو کہتے ہیں۔ اب مطالعہ کا معنی یہ ہوا کہ ادھر طالب علم نے اپنی پوری توجہ کتاب کی طرف مبذول کی، اُدھر کتاب نے طالب علم کو اپنے فیوض وبرکات سے نوازا اور اب دونوں کے گہرے رابطہ سے کام بن گیا۔(کچھ دیر طلباء کے ساتھ ۱۳۰)

سے کبھی جدا نہ ہو کیونکہ مطالعہ کے سبب ہی علم میں ترقی ممکن ہوسکتی ہے۔(**تعلیم المتعلم طریق التعلم** ص ۵۹)

مطالعہ کی لغوی تعریف: ۔لغت میں مطالعہ کا معنی یہ لکھا ہے کہ ''کسی چیز کو اس کی واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے دیکھنا۔(اردو لغت ج ۱۸/ص ۲۱۵)اور مطالعہ کا معنی یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے:غور'توجہ دھیان۔وغیرہ(فیروز اللغات)

اور ایک معنی یہ بھی لکھا ہے جیسے:۔خوص' غور' توجہ' دھیان' خیال مشاہدہ' کتاب بینی' کتاب خوانی۔(قاموس مترادفات ص'۱۰۰۰)

مطالعہ کی اصطلاحی تعریف: ''تحریر کے ذریعہ مصنف یا مولف کی مراد سمجھنا'' مطالعہ'' کہلاتا ہے۔(ابجد العلوم ج ا ص ۲۱۸)

مطالعہ کا موضوع: ۔فن مطالعہ کا موضوع ''تحریر'' ہے۔

مطالعہ کی غرض وغایت: ۔فن مطالعہ کی غرض وغایت'' خطا سے بچتے ہوئے غرض مصنف کو سمجھنے میں کامیابی'' یا یوں بھی کہ'' مطالعہ'' کرنے والا لکھنے والے کی مراد کو درست سمجھنے میں کامیاب ہو جائے' خطاء سے محفوظ رہے اور تحریر کو نفس عبارت کے لحاظ سے باطل قرار دینے سے بچے۔(ابجد العلوم ج ۱)

مطالعہ کا ایک دلچسپ نکتہ: ۔ لفظ'' مطالعہ'' جس لفظ سے بنا ہے' علامہ غلام نصیر الدین صاحب نے اس لحاظ سے ایک دلچسپ نکتہ نقل فرمایا ہے یہاں ان کا بیان فائدے سے خالی نہیں ہوگا۔

نکتہ:۔مطالعہ کا مادہ ''طلوع'' سے ہے اور طلوع پردہ غیب سے عالم ظہور میں آنے کو کہتے ہیں۔اسی لیے کہا جاتا ہے: طلعت الشّمس یعنی سورج عالم غیب سے عالم ظہور میں نمودار ہوا اور مطالعہ باب'' مفاعلہ'' سے ہے اور مفاعلہ میں جانبین سے برابر کے علم کو کہتے ہیں۔اب مطالعہ کا معنی یہ ہوا کہ ادھر طالب علم نے اپنی پوری توجہ کتاب کی طرف مبذول کی' اُدھر کتاب نے طالب علم کو اپنے فیوض وبرکات سے نوازا اور اب دونوں کے گہرے رابطہ سے کام بن گیا۔(کچھ دیر طلباء کے ساتھ ۱۳۰)

مطالعہ کے مقاصد:

پہلا مقصد: ۔علم حاصل کرنا:۔مطالعہ کا پہلا مقصد علم حاصل کرنا ہے۔جہاں انسان کی شخصیت کو ترقی کی بلند منزلوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے وہیں یہ حصول علم کا بھی وسیلہ ہے اور علم وہ نور ہے کہ جو شئے اس کے دائرے میں آجاتی ہے وہ منکشف وظاہر ہوجاتی ہے۔

دوسرا مقصد: ۔تحقیق کرنا: مطالعہ کا دوسرا مقصد کسی الجھے ہوئے یا گنجلک مسئلہ کا حل تلاش کرنا یا کسی مخفی حقیقت کی عقدہ کشائی کرنا ہوتا ہے جسے ہم علمی تحقیق کا نام دیتے ہیں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ'' استدلال' شواہد اور مآخذ کی بنیاد پر کسی نظریہ کو ثابت کرنے یا کسی شئے کو محکم بنانے یا کسی بات کی درستی کو ثابت کرنے یا کسی امر کی حقیقت کو آشکار کرنے کیلئے باقاعدہ اور مربوط فکری وعلمی جدوجہد کو تحقیق کہتے ہیں۔

تیسرا مقصد:۔امتحان کی تیاری کرنا:۔ مطالعہ کا تیسرا مقصد امتحان کی تیاری کرنا ہے۔بعض طلباء صرف اس وقت مطالعہ کرتے ہیں جب امتحان سر پر ہوتا ہے' اس سے قبل کتابوں کی ,,زیارت'' پر اکتفاء کرتے ہیں یا ''بوجھ'' سمجھ کر ساتھ لئے لئے پھرتے ہیں اور امتحان سے ایک دومہینہ پہلے کتابوں کو ہاتھ لگاتے ہیں۔

چوتھا مقصد:۔تقریر اور تبلیغ کرنا: مطالعہ کا چوتھا مقصد وعظ تقریر اور تبلیغ کرنا ہے۔اچھی نیت سے کی جانے والی تقریر وتبلیغ یقیناً امر مستحسن اور باعث ثواب ہے مگر اس کے لئے علم کی ضرورت ہے نیز حکمت عملی اور اچھی نصیحت دسترس ہونا چاہیے اوران امور کے لئے مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

پانچواں مقصد:۔مناظرہ و مجادلہ کرنا:۔ مطالعہ کا پانچواں مقصد احقاق حق اور ابطالِ باطل کے لیے مناظرہ ومجادلہ کرنا ہے اور یہ محمود ہے لہذا اس کیلئے مطالعہ بھی محمود و مستحسن ہے اور اگر اظہار حق مقصود نہ ہوتو یہ فقط مباحثہ کہلائے گا اور یہ مردود ہے۔اوراس کیلئے مطالعہ بھی دنیا وآخرت میں خسارہ کا باعث ہے۔

چھٹا مقصد:۔کتاب کا مقالہ لکھنا:۔ مطالعہ کا چھٹا مقصد کوئی کتاب تصنیف کرنا اور مقالہ یا کالم لکھنا ہے یہ ایسا کام ہے جو مطالعہ اور مشاہدہ کے بغیر ناممکن ہے مگر آج کتابیں لکھنے اور کالم نگاری کرنے کا شوق رکھنے والے کثیر افراد مطالعہ سے بے اعتنائی برت کر''غیروں کے مال'' پر ہاتھ صاف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔آپ کو اس کشتی کا حقیقی سوار بننا ہے تو مطالعہ کا چپو ہاتھ میں رکھنا اور منزل مقصود تک رسائی کیلئے مشاہدہ کوقوی بنانا ہوگا۔مطالعہ جس قدر وسیع اور گہرا ہوگا تحریر اتنی ہی جاندار اور قابل التفات ہوگی۔(مطالعہ کیا' کیوں' کیسے' محمد آصف اقبال ص۲۹)

مطالعہ کن کتابوں کا ہو؟

مطالعہ ایسی کتابوں کا ہو جو نگاہوں کو بلند' سخن کو دل نواز اور جان کو پر سوز بنادے۔اگر مطالعہ فکر کی سلامت روی' علم میں گہرائی اور عزائم میں پختگی کے ساتھ فرحت بخش اور بہار آفریں بھی ہوتو اسے صحیح معنوں میں مطالعہ کہا جائے گا۔

مطالعہ کی افادیت

۱) مطالعہ ہی فیوض وعرفان آیات ہے۔

۲) مطالعہ ہی راز جو ہر حیات ہے۔

۳) مطالعہ ہی نوک قلم کوتوانائی عطا کرتا ہے۔

۴) ذوق مطالعہ سمندر کی تلاطم خیز موجوں سے نبرد آزہونا سکھاتا ہے۔

۵) ذوق مطالعہ ہی سیارگان فلک کی نمود سے انسانی تدبر کو ممیّز کرتا ہے۔

۶) ذوق مطالعہ ہی ظلمت شب کو جمال صبح کی تابانی سے بہرہ یاب کرتا ہے۔

۷) ذوق مطالعہ ہی نکتہ وروں کوکوکب فزوں کا حسن بخشتا ہے۔

۸) ذوق مطالعہ ہی جہان خراب کو اندازِ فراست کے

ضوابط کا اسیر بنا تا ہے۔

۹) ذوق مطالعہ ہی ذرات خاکی میں وہ جمال پیدا کرنے کی جستجو عطا کرتا ہے کہ خوشید جہاں تاب رشک کرتا نظر آتا ہے۔

۱۰) ذوق مطالعہ ہی سفینہ رنج وابتلاء کو مساحل مسرت وانبساط سے آشنائی بخشتا ہے۔

۱۱) ذوق مطالعہ ہی وہ کلیدِ حیات ہے جس سے ہر قفل کھلتا ہی چلا جاتا ہے۔

۱۲) ذوق مطالعہ ہی تحریک جسم میں روح رواں کا کام کرتا ہے اور متحرک رکھتا ہے۔

۱۳) ذوق مطالعہ ہی ذاتی سیرت وکردار میں بنیادی کا کام کرتا ہے۔

۱۴) ذوق مطالعہ ہی نہ صرف تربیت اور ذہنی نشونما میں معاون ہوتا ہے بلکہ گفتگو میں پختگی یقین میں اضافہ اور شخصیت میں اعتماد کا باعث بھی بنتا ہے۔

۱۵) ذوق مطالعہ ہی حافظہ کو اچھا بنا تا ہے۔

۱۶) ذوق مطالعہ ایمان کی مضبوطی وپختگی کا باعث ہے مگر یہ اس وقت ہوگا جب کسی کتاب کے پڑھنے کے بعد ایمان کو تازگی ملے گی۔ (مطالعہ کی افادیت مکتبہ کراچی)

ترک مطالعہ کے نقصانات

۱) ترک مطالعہ: ذہن کو کمزور کرتا ہے۔

۲) ترک مطالعہ: علم میں کمی کرتا ہے۔

۳) ترک مطالعہ: عمل میں کوتاہی لاتا ہے۔

۴) ترک مطالعہ: زبان کیلئے رکاوٹ بنتا ہے۔

۵) ترک مطالعہ: دل میں خلل ڈالتا ہے۔

۶) ترک مطالعہ: عقل میں فتور وخرابی پیدا کرتا ہے۔

۷) ترک مطالعہ: فکر کو خشک کرتا ہے۔

۸) ترک مطالعہ: خیالات کو پراگندہ کرتا ہے۔

۹) ترک مطالعہ: شبہات کو جنم دیتا ہے۔

(مطالعہ کیا' کیوں' کیسے محمد آصف اقبال ص ۹۷)

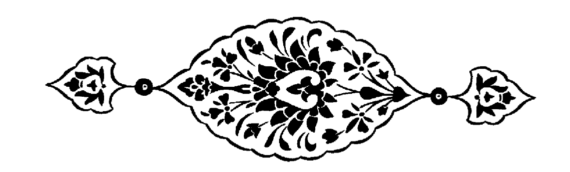
مطالعہ کی اہمیت: ایک مشہور قلم کیلئے مطالعہ اتنا ضروری ہے جتنا انسانی زندگی کی بقاء کیلئے دانا اور پانی کی ضرورت ہے مطالعہ کے بغیر قلم کے میدان میں اک قدم بھی بڑھانا بہت مشکل ہے' علم انسان کا امتیاز ہی نہیں بلکہ اس کی بنیادی ضرورت بھی ہے جس کی تکمیل کا واحد ذریعہ یہی مطالعہ ہی ہے۔ ایک پڑھے لکھے شخص کیلئے معاشرہ کی تعمیر وترقی کا فریضہ بھی اہم ہے۔ اس لیے مطالعہ ہماری سماجی ضرورت بھی ہے اگر انسان اپنے اسکول ومدرسہ کی تعلیم مکمل کرکے اس پر اکتفا کرکے بیٹھ جائے تو اس کی فکر ونظر کا دائرہ بالکل تنگ ہوکر رہ جائے گا۔ مطالعہ استعداد کی کنجی ہے اور صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا بہترین آلہ ہے۔ یہ مطالعہ کا کرشمہ ہی ہے کہ انسان ہر لمحہ اپنی معلومات میں وسعت پیدا کرتا رہتا ہے اور زاویہ فکر ونظر کو وسیع تر کرتا رہتا ہے۔ مطالعہ ایک ایسا دوربین ہے جسکے ذریعہ انسان دنیا کے گوشہ گوشہ کو دیکھتا رہتا ہے۔ مطالعہ ایک طیارے کے مانند ہے جن پر سوار ہوکر ایک

مطالعہ کرنے والا دنیا کے چپہ چپہ کی سیر کرتا رہتا ہے اور وہاں کی تعلیمی، تہذیبی، سیاسی، اور اقتصادی احوال سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ شیشہ کے اندر اگر مشک ہو تو کھولنے کے بعد خوشبو ضرور پھیلتی ہے اسی طرح جب ایک قلمکار کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہوتا ہے تو اس کی تحریر میں قوت واثر ہوتا ہے ورنہ تحریر کمزور اور بے جان ہوتی ہے۔ کتابوں کا مطالعہ انسان کی شخصیت کو ارتقاء کی بلند منزلوں تک پہنچانے کا اہم ذریعہ ہے اور حصول علم ومعلومات کا وسیلہ اور عمل تجرباتی سرمایہ کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے اور ذہن وفکر کو روشنی فراہم کرنے کا معروف ذریعہ ہے۔ کتابوں سے جہاں معلومات میں اضافہ اور راہ عمل کی جستجو ہوتی ہے وہیں اسکا مطالعہ ذوق میں بالیدگی، طبیعت میں نشاط، نگاہوں میں تیزی اور ذہن ودماغ کو تازگی بھی بخشتا ہے الغرض حقیقت یہ بھی ہے کہ مطالعہ کی عادت بڑھانے کی وجہ سے انسان کبھی اکیلا نہیں ہوتا۔ ہمیشہ وہ خالی اوقات میں اپنے آپ کو مطالعہ میں مصروف رکھتا ہے اور اکیلے پن کا احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا جی گھبراتا ہے۔ اور اس کے اندر قوت سمجھ کا اضافہ ہوتا ہے۔ غرض مطالعہ زندگی کیلئے بہت اہمیت کا حامل ہے اس کے بغیر انسان باشعور اور سمجھ دار نہیں ہوسکتا ہے۔

(مطالعہ کی اہمیت مرکز قرآن سُنۃ کراچی)

ایک مقالہ نگار لکھتے ہیں! جذبات کو پڑھنے والے تک منتقل کرنے کیلئے مشق کے علاوہ ذہن براق اور گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے ''مطالعہ لامثال ذوق روح کو بالیدگی، دماغ کو بصیرت اور نگاہوں کو ایسی بصارت بخشتا ہے جس سے انسان تحت الثری کی پستیوں اور آسمان کی رفعتوں کو قریب تر پانے لگتا ہے۔ اور ایک بات کہتا چلوں کہ مطالعہ صرف ایک یا دو سال کرنے کا نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب تک سانس دی ہے تب تک مطالعہ کام آنے والا ہے۔ (مقالات عابد ص۱۰۱)

جو نور علمی چاہیے تو کیجئے مطالعہ
ہاں معرفت بھی چاہیے تو کیجئے مطالعہ
مشاہدات وتجربات سے ہوں مستفید بھی
جو اثر فوری چاہیے تو کیجئے مطالعہ
جو فضل رب بھی ساتھ ہو ضرر نہیں ثنا ذرا
رضائے ربی چاہیے تو کیجئے مطالعہ





بضمن عرس سراپا قدس شیخ الاسلام حضرت بانی جامعہ نظامیہؒ

علمی مذاکرہ

بعنوان

''مسلمانوں کو درپیش چیالنجس اوران کا حل''

منعقدہ 19 / جنوری بروز یکشنبہ بمقام جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

زیرنگرانی: حضرت مولانا سید شاہ علی اکبر نظام الدین حسینی صابری صاحب، امیر جامعہ نظامیہ

زیرصدارت

مفکراسلام حضرت مولانا مفتی خلیل احمد صاحب شیخ الجامعہ، جامعہ نظامیہ

سلسلہ	اسماء مقالہ نگار	عنوان مقالہ
1	مولانا مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی صاحب	''وطن عزیز کا تحفظ اور مسلمانوں کا کردار''
2	مولانا حافظ محمد خالد علی صاحب	''موجودہ حالات اور ایمان کا تحفظ''
3	مولانا حافظ سید رؤف علی صاحب	''جدید چیالنجس اور مسلم خواتین کی ذمہ داریاں''
4	مولانا ڈاکٹر سعید بن مخاشن صاحب	''موجودہ حالات اور سیرت طیبہ سے رہنمایانہ خطوط''

وطن عزیز کا تحفظ اور مسلمانوں کا کردار

ماضی حال اور مستقبل

مولانا مفتی حافظ سید ضیاء الدین نقشبندی صاحب، شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ

وطن عزیز کے تحفظ کے لئے بنیادی بات یہ ہے کہ وطن کے ذرہ ذرہ سے قلبی محبت ودلی وابستگی ہو، یہی محبت تحریک پیدا کرتی ہے کہ وطن کی تعمیر وطن کی ترقی، وطن کے تحفظ اوراس کے آئین ودستور کی حفاظت کے لئے تن من دھن کی قربانی دی جائے۔

وطن ہندوستان سے ہمارا رشتہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسانیت کا تعلق کرہ ارضی سے ہے، مسلمانوں کے تمام طبقات حکمراں، اہل علم، اہل دانش صوفیاء اور عامۃ المسلمین مردوخواتین، بزرگ وجوان سبھوں نے وطن کی حفاظت میں نہ صرف اہم رول ادا کیا بلکہ ہر طرح کی قربانی دی ہے، اور آج بھی قوم مسلم اپنے برادران وطن ہندو، سکھ، دلت، عیسائی کے ساتھ پوری طاقت وتوانائی کے ساتھ اپنے وطن کی حفاظت وترقی کے لئے کوشاں ہے، اور ہم آنے والی نسلوں کو بھی یہ پیغام دیتے ہیں کہ اسلام پر عمل کرتے ہوئے وطن کو تعلیم،

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر ہندوستان ہی میں اُتارے گئے آپ نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا، سب سے پہلے کعبۃ اللہ کی طرف سفر ہندوستان سے کیا آپ نے ہندوستان سے ایک ہزار مرتبہ مکہ مکرمہ کا سفر کیا جس میں چالیس پیدل حج اور نوسو ساٹھ عمرے کئے، غیر منقسم ہندوستان کے علاقہ سراندیپ سری لنکا میں حضرت آدم علیہ السلام کے نشان قدم موجود ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ ہندوستان میں قبول ہوئی، اس حیثیت سے وطن عزیز کو خصوصی شرف حاصل ہے اور یہ برکتوں کا منبع ومرکز ہے۔

تہذیب،تمدن اوراُلفت ومحبت کا گہوارہ بنائے رکھیں!

ہو مرے دم سے یوں ہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
علامہ اقبالؔ

''وطن'' کی لفظی تحقیق:

وطن عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے جائے سکونت اقامت گاہ،مقام پیدائش۔''الوطن: **المنزل تقيم به،وهو موطن الإنسان ومحله**۔(لسان العرب)

قرآن کریم میں وطن سے ماخوذ مواطن جمع کا صیغہ وارد ہے جیسا کہ ارشادالہی ہے: **لقد نصركم الله في مواطن كثيرة** ۔ترجمہ: یقیناًاللہ تعالی نے بہت مقامات پر تمہاری مدد فرمائی ہے۔(سورۃ التوبۃ،آیت نمبر:25)

اور وطن کے معنی ومفہوم میں کلمات: دار،دیار اور ارض،قرآن کریم میں وارد ہیں۔

وطن سے محبت فطری تقاضہ:

کوئی شخص کسی جگہ پیدا ہوتا ہے یا سکونت اختیار کرتا ہے تو اس حصہ زمین سے اس شخص کو ایک خاص قسم کی نسبت حاصل ہوتی ہے وہ اس مقام سے مانوس ہوتا ہے وہاں کے سبزہ زار اس کی آنکھوں کو نور بخشتے ہیں۔وہاں کے گلاب وچمیلی اور گل بنفشی اس کے مشام جاں کو معطر کرتے اور رنگینی ولطف آفرینی کا سامان کرتے ہیں،وہاں کی فضاؤں کی وسعتیں اور ہواؤں کی ٹھنڈک اس کے دل میں فرحت وسرور پیدا کرتی ہے،وہاں کی فصلیں اس کے لئے خوراک بنتی ہیں،وہاں کے شب وروز اس کی زندگی کا حصہ بنتے ہیں،اس طرح اس مقام سے اس شخص کی محبت فطری وطبعی ہوتی ہے،گرچہ اپنے مقام سے ایک گونہ انس وتعلق چرند وپرند بھی رکھتے ہیں تاہم انسان کی وطن دوستی بدرجہ اتم وبطریق اکمل ہوتی ہے۔وطن سے محبت سنت ہے،وطن کی حیثیت معبود کی نہیں بلکہ محبوب کی ہے۔

امام ذہبی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب چیزوں کو گنواتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن سے محبت فرمانے کا ذکر کیا ہے: **كان يحب عائشة رضي الله عنها ، ويحب اباها ويحب اسامة ويحب سبطيه ويحب الحلواء والعسل ويحب جبل احد ويحب وطنه ويحب الأنصار إلى اشياء لا تحصى.**

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے محبت فرماتے ہیں،ان کے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت فرماتے ہیں،حضرت اسامہ اور حضرت امام حسن وحضرت امام حسین رضی اللہ عنہم سے محبت فرماتے ہیں،شیرنی اور شہد کو پسند فرماتے،جبل احد سے محبت فرماتے ،اپنے وطن سے محبت کیا کرتے اور انصار سے محبت فرماتے ،ونیز ان گنت حضرات و اشیاء،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب وپسندیدہ ہیں۔(سیر اعلام النبلاء،ج1:،ص:68/69)

صاحب دیوان حماسہ ابوتمام حبیب بن اوس طائی

نے کہا:

وکم من منزل فی الأرض یالفہ الفتی
وحنینہ ابدا لاوّل منزل

روئے زمین پر کتنے ہی ایسے مقامات ہیں جن سے بامروت انسان کو محبت ہوتی ہے،لیکن ہمیشہ اس کی محبت اور اشتیاق اس کی پہلی منزل'وطن سے رہتا ہے۔

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
علامہ اقبالؔ

وطن سے جدائی کا تصور' کس قدر شاق گزرا:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس پر جب نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا،تب خاص انوار وتجلیات کا ظہور ہونے لگا،حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں،ورقہ بن نوفل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک گفتگو اور آپ پر نازل کردہ کلام سن کر کہا: یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا رہا۔ انتھٰی ملخصًا ۔(صحیح بخاری،باب بدء الوحی،حدیث نمبر:3)

الروض الانف میں روایت ہے:**قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتکذبنہ فلم یقل لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیئا ، ثم قال ولتؤذینہ فلم یقل لہ شیئا ، ثم قال ولتخرجنہ فقال اومخرجی ھم ؟.**

ورقہ بن نوفل نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ضرور ضرور آپ کو جھٹلایا جائے گا،تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں کچھ نہیں فرمایا،پھر اُنہوں نے کہا: ضرور ضرور آپ کو تکلیف دی جائے گی تو آپ نے اُنہیں کچھ نہیں فرمایا،پھر کہا: اور ضرور ضرور آپ کو مکہ مکرمہ سے نکالا جائے گا تو فرمایا: کیا وہ مجھے (مکہ مکرمہ سے) نکالیں گے؟۔ (الروض الانف،:ج:2،ص:273)

اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے امام سہیلی نے لکھا: **ففی ھذا دلیل علی حب الوطن وشدۃ مفارقتہ علی النفس .**

اس روایت میں وطن کی محبت پر دلیل ہے ونیز اس بات پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وطن کی جدائی کا تصور شاق گزرا۔(الروض الانف،:2۔ص:273)

شرح الزرقانی علی المواھب میں روایت ہے: **انہ قدم من مکۃ فسالتہ عائشۃ کیف ترکت مکۃ یا اصیل فقال ترکتھا حین ابیضت اباطحھا واحجن ثمامھا واغدق إذخرھا وابشر سلمھا فاغرورقت عینا رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال تشوقنا یا اصیل ویروی انہ قال: دع القلوب تقر.**

حضرت اُصَیل غفاری رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے حاضر ہوئے تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اُن سے پوچھا: اے اُصیل ! مکہ مکرمہ کے حالات کیسے

ہیں؟ اُنہوں نے کہا: میں مکہ مکرمہ سے آیا جبکہ اُس کی وادیاں نورانی تھیں، اُس کی گھاس گھنی تھی، اُس کا سبزہ شاخ دار تھا، اُس کے درخت گنجان تھے، (وہ یہ کہہ رہے تھے کہ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمانِ مبارک ڈبڈبا گئیں، اور آپ نے فرمایا: اے اُصیل! تم ہمارے سامنے یہ ذکر کرکے وطن کا شوق بڑھا رہے ہو۔ اور ایک روایت میں ہے :دلوں کو قرار پانے دو۔ (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، ج:2۔ص:174)

اس روایت سے وطن کی جانب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشتیاق اور وطن سے محبت آشکار ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جائے پیدائش مکہ مکرمہ سے محبت فرماتے، چنانچہ جامع ترمذی میں ہجرت کے موقع پر فرمودہ یہ ارشاد منقول ہے: **عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمکۃ :ما اطیبک من بلد ، واحبک الی ، ولولا ان قومی اخرجونی منک ماسکنت غیرک.**

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے اُنہوں نے فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: تو کتنا اچھا اور میرے نزدیک کتنا محبوب شہر ہے، اگر میری قوم مجھے تیرے پاس سے نہ نکالتی تو میں تیرے علاوہ کسی اور مقام پر سکونت اختیار نہ کرتا۔ (جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل مکۃ، حدیث نمبر:3926)

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل مبارک سے وطن کی محبت کا اظہار کرنا ثابت ہے، صحیح بخاری میں حدیث پاک ہے: **عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قدم من سفر فنظر الی جدران المدینۃ اوضع راحلتہ وان کان علی دابۃ حرکھا من حبھا.**

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر سے تشریف لاتے اور مدینہ طیبہ کی آبادی کو دیکھتے تو اپنی اونٹنی کو تیز کردیتے اور اگر کسی دوسری سواری پر ہوتے تو اُسے ایڑ لگاتے، یہ عمل مدینہ طیبہ کی محبت کی وجہ سے ہوا کرتا۔ (صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینۃ، باب: المدینۃ تنفی الخبث، حدیث نمبر:1886)

غیر مسلم اہلیان وطن کے لئے فنڈ، اور اسوۂ حسنہ:

غیر مسلم اہلیان وطن پر خرچ کرنا اور مصیبت و آفت میں ان کے ساتھ ہمدردی و تعاون کرنا، مسلمانوں کا طریقہ رہا ہے، مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آبائی وطن ''مکہ مکرمہ'' کے غیر مسلم باشندگان کے لئے فنڈس جاری بھجوائے تھے، اپنے فعل مبارک سے مسلمانوں کو نمونۂ عمل عنایت فرمایا، **اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ خَمْسَمِائَۃِ دِینَارٍ إِلَی مَکَّۃَ حِینَ قَحَطُوْا وَاَمَرَ بِدَفْعِھَا إِلَی اَبِیْ سُفْیَانَ بْنِ حَرْبٍ**

وَصَفْوَانَ بْنِ اُمَيَّةَ لِيُفَرِّقَا عَلَى فُقَرَاءِ اَهْلِ مَكَّةَ ۔ایک سال مکہ مکرمہ کےلوگ قحط میں مبتلا ہوگئےتو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب اورصفوان بن امیہ کے پاس پانچ سودینار(سونے کے سکے)روانہ کئے تاکہ وہ مکہ مکرمہ کےضرورت مندوں اورمحتاجوں میں تقسیم کریں ۔(رد المحتار،ج2،کتاب الزکوۃ،باب مصرف الزکوۃ والعشر ،ص92)

اتحاد واخوت اور انسانی رواداری کی اس سے عظیم مثال اورکیا ہوسکتی ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان غیرمسلم افراد کی بھی اعانت وفریادرسی فرمائی جنہوں نے اہل اسلام پرمختلف قسم کے مظالم ڈھائے،مسلمانوں کوطرح طرح کی اذیتیں اورتکالیف پہنچائیں یہاں تک کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں نے ان کی ایذارسانی سے بچنے کے لئے اپنا گھر،مال ودولت سب کچھ قربان کرکے وطن عزیز مکہ مکرمہ کوچھوڑکرمدینہ منورہ سکونت اختیارکی۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

صحابہ کرام کی وطن عزیز سے محبت

صحابہ کرام وطن سے بے انتہاء محبت کیا کرتے تھے؛ جب اپنے وطن عزیز مکہ مکرمہ سے ہجرت کئے تو وطن کی جدائی برداشت نہ ہوئی،شدید بخار کی وجہہ سے لاغروکمزور ہوگئے، جیسا کہ شرح موطا میں امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل کرتے ہیں:وَاَخْرَجَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللہ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: اَصَابَتِ الْحُمَّى الصَّحَابَةَ حَتّٰى جَهِدُوا مَرَضًا.

ابن اِسحاق نے امام زہری سے روایت کی ہے،انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سخت بخار میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ وہ بیماری کے سبب بہت لاغر ہوگئے۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:قَالَ السُّهَيْلِيُّ: وَفِي هٰذَا الْخَبَرِ وَمَا ذُكِرَ مِنْ حَنِينِهِمْ إِلٰى مَكَّةَ مَا جُبِلَتْ عَلَيْهِ النُّفُوسُ مِنْ حُبِّ الْوَطَنِ وَالْحَنِينِ إِلَيْهِ.

امام سہیلی فرماتے ہیں: اِس بیان میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکہ مکرمہ سے والہانہ محبت اور اشتیاق کی خبر ہے کہ وطن کی محبت اوراس کی جانب اِشتیاق اِنسانی طبائع اورفطرت میں ودیعت کردیا گیا ہے ۔(شرح الزرقانی علی الموطا،ج:4 ۔ص364)

ان روایتوں سے جہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی خاص فضیلت معلوم ہوتی ہےوہیں حب الوطنی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔وطن کی اس محبت کا تقاضا ہے کہ وطن میں رہنے والا ہرشخص ملک ووطن کے حق میں خیرخواہ رہے،وطن سے محبت رکھے،وطن کی ترقی وطن کی حفاظت وطن کی سرحدوں کی پاسبانی اہل وطن کے ساتھ حسن سلوک ہمدردی وغمگساری

وطن کی محبت کے تقاضے ہیں۔

وطن کی سالمیت کے لئے دعاء کرنا:

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وطن مالوف مکہ مکرمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی: وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَعْبُدَ الْاَصْنَامَ .

اور یاد کیجئے جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن کا مقام بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔ (سورۃ ابراھیم:35)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وطن کے حق میں دعا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وطن سے انس ومحبت ہونی چاہئے اور اہل وطن کو وطن سے متعلق یہ فکر ہونی چاہئے کہ وطن میں امن قائم رہے اور اس کی سلامتی کے لئے دعاء کرتے رہنا چاہیئے۔

وطن کا دفاع، ہر شہری کا فریضہ:

وطن کا دفاع کرنا اور اس پر ہونے والے حملہ کا جواب دینا ہر شہری کا فریضہ ہے، اور یہ حب الوطنی کا حصہ اور اس کا تقاضا ہے، اس کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو مقدس زمین شام اور ایک قول کے مطابق بیت المقدس سے ظالم قبضہ داروں کو ہٹانے اور وطن کے لئے جدوجہد کرنے کا حکم دیا، اور بنی اسرائیل سے خطاب کرکے فرمایا: يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خَاسِرِيْنَ . اے میری قوم! مقدس زمین (بیت المقدس) میں داخل ہوجاؤ! جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی اور پیٹھ پلٹا کر پیچھے نہ ہٹو! ورنہ تم نقصان اُٹھاتے ہوئے لوٹو گے۔ (سورۃ المائدۃ: 21)

دین اسلام نے مسلمانوں کو یہاں تک تعلیم دی ہے کہ وہ اہلیان وطن کے ساتھ برتاؤ کو اس قدر صاف ستھرا رکھیں کہ وہ اپنی جان ومال کے سلسلہ میں اہل ایمان سے مکمل طور پر مطمئن و بےخوف رہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کا تعارف اس طرح کروایا: والمومن من امنه الناس علی دمائهم واموالهم . کامل ایمان والا وہ ہے کہ جس سے تمام لوگ اپنی جان ومال کے بارے میں بےخوف ومامون رہیں۔ (جامع ترمذی، ابواب الإیمان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی ان المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ حدیث نمبر: 2627)

احکام شریعت میں وطن کی اہمیت

شریعت اسلامیہ نے احکام میں وطن کو اہمیت دی ہے اور اس کے اعتبار سے احکام بتلائے ہیں، کسی شخص کے مقام پیدائش یا مستقل مقام سکونت کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اُسے وطن اصلی سے تعبیر کیا اور وطن اصلی میں نماز کو قصر کرنے کی بجائے مکمل کرنے کا حکم دیا، اگر کوئی شخص مسافت سفر طئے

کر کے کسی مقام پر پندرہ دن سے کم مدت کے ارادہ سے قیام کرے تو اُس کے لئے نماز قصر کرنا واجب ہے کیونکہ وہ مسافر ہے اور مسافر کے لئے تمام تر سہولتیں میسر نہیں ہوتی، ایسے وقت اُسے سہولت وآسانی پہنچانے کے لئے دو رکعت کی تخفیف کی گئی اس کے برخلاف اگر کوئی شخص سفر کرتے ہوئے اپنے وطن اصلی (یعنی جائے پیدائش یا مستقل مقام سکونت) سے گزرے اور وطن اصلی میں چند منٹوں کے لئے ٹھہرے تو اس دوران اُس شخص کو اتمام کرنا لازم ہے تخفیف کی اجازت نہیں کیونکہ اپنے وطن اصلی میں انسان کو سکون واطمینان ہی رہتا ہے اور سہولتیں میسر رہتی ہیں۔

ونیز احکام شریعت میں اپنے وطن کے عرف ورواج کو بھی ایک مستقل قانون کا درجہ دیا گیا ہے چنانچہ علامہ شامی نے فرمایا ہے:

العرف في الشرع له اعتبار ولذا عليه الحكم قد يدار

(شرح عقود رسم المفتي)

شریعت میں عرف کا اعتبار ہے، اس لئے اس پر حکم کا مدار ہے۔

احکام شریعت میں وطن کی اہمیت اس حیثیت سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مسلمان جس وطن میں سکونت پذیر ہوتا ہے وہاں کی مٹی کو چھوکر گزرنے والے پانی سے پاکی حاصل کرتا ہے، اگر پانی موجود نہ ہوتو وطن کی مٹی پر اکتفاء کرتے ہوئے تیمّم کرتا ہے، پانی یا مٹی سے استفادہ کے بغیر نماز کا تصور نہیں کیا جاسکتا، مسلمان روزانہ فرض وواجب کے بطور بیس (20) رکعات نماز پڑھتے ہوئے اور مزید سنن ونوافل ادا کرتے ہوئے ہر رکعت میں دو مرتبہ سرزمین وطن پر سر رکھ کر اپنے معبود حقیقی اللہ رب العزت کی عبادت کرتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد

انڈونیشیا کے بعد دنیا کی سب سے بڑی مسلم آبادی ہندوستان میں ہے، اور یہ دنیا کی سب سے بڑی مسلم اقلیتی آبادی ہے۔

2011ء کی مردم شماری کے لحاظ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد 17 کروڑ 22 لاکھ تھی جبکہ ہندوؤں کی تعداد 96 کروڑ 63 لاکھ تھی۔

اس لحاظ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی (24.6%) فیصد سے بھی زائد تھی۔ (BBC اردو نیوز)

وطن عزیز ہندوستان کی فضیلت روایات واقوال کی روشنی میں

وطن عزیز ہندوستان انسان کا سب سے پہلا وطن رہا، ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام جنت سے زمین پر ہندوستان ہی میں اُتارے گئے آپ نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا، سب سے پہلے کعبۃ اللہ کی طرف سفر ہندوستان سے کیا آپ نے ہندوستان سے ایک ہزار مرتبہ مکہ مکرمہ کا سفر کیا جس میں چالیس پیدل حج اور نوسو ساٹھ عمرے کئے، غیر منقسم

ہندوستان کے علاقہ سراندیپ سری لنکا میں حضرت آدم علیہ السلام کے نشان قدم موجود ہیں، حضرت آدم علیہ الصلوۃ و السلام کی توبہ ہندوستان میں قبول ہوئی ،اس حیثیت سے وطن عزیز کوخصوصی شرف حاصل ہےاور یہ برکتوں کامنبع ومرکز ہے۔

اے آب رود گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

تفسیر درمنثور اور تاریخ طبری میں یہ روایت ہے :**فلما اتم آدم الحج انصر ف مع حواء الی جبل الهند الذی کان نزل علیه من السماء ثم حج بعد ذلک اربعین سنة کلما اتم حجة فی کل سنة انصرف الی الهند** ۔ترجمہ:حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام جب مناسک حج سے فارغ ہوئے تو حضرت حوّا علیہا السلام کے ساتھ ہندوستان کے اس پہاڑ کی طرف لوٹے جس پر آسمان سے اُترے تھے پھر آپ نے بعدازاں چالیس حج کئے ہر سال جب کبھی مناسک حج کی تکمیل فرماتے تو ہندوستان مراجعت کرتے۔(سبحۃ المرجان فی آثارھندوستان)

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام آسمان سے ہندوستان میں اُتارے گئے اور آپ نے اسی کو اپنا وطن بنایا مکہ مکرمہ حج کے لئے روانہ ہوتے تاہم حج کی ادائیگی کے بعد وطن عزیز ہندوستان واپس ہوتے کیونکہ آپ نے ہندوستان کو مستقل رہائش گاہ قرار دیا تھا۔

اسی لئے علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:**ولایخفی ان بنی اٰدم کلهم هندیون لکون ابیهم اٰدم علیه السلام هندیا وهو سکن الی اخر العمر بالهند وجاء بالاولاد وو بعد مابلغوا حد الکثرة انتشروا من الهند الی الاقالیم السبعة .**

تمام اولاد آدم ہندوستانی ہیں کیونکہ ان کے جد کریم آدم علیہ السلام ہندوستانی ہیں، جب آپ کی اولاد کثیر تعداد میں ہوئی تو ہندوستان سے زمین کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔

(سبحۃ المرجان فی اٰثارھندوستان،ص:19)

علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قد اودع الخلاق آدم نوره
متلالا کالکوکب الوقاد
والهند مهبط جدّنا ومقامه
قول صحیح جید الاسناد
فسواد ارض الهند ضاء بدایة
من نور احمد خیرة الامجاد

(سبحۃ المرجان فی اٰثارھندوستان،ص:19)

خالق کائنات نے اپنا روشن تارہ کی طرح جگمگاتا ہوا نورحضرت آدم علیہ السلام میں ودیعت فرمایاہے،اور ہندوستان ہمارے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کا مقام نزول اوروطن ہے،یہ قول صحیح ہے جو عمدہ سند سے ثابت ہے،ہندوستان کی سرزمین ابتداء ہی میں مجد وشرافت والوں

میں بزرگ ترین ذات گرامی حضرت احمد مجتبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک سے روشن وضیا بار ہوئی۔

ہندوستان کو یہ شرف وعظمت حاصل ہے کہ آفتاب نبوت ہندوستان کے افق سے طلوع ہوا کیونکہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام روئے زمین پر مبعوث ہونے والے پہلے نبی ہیں بلکہ سرزمین ہند پر تمام انبیاء کرام علیھم الصلوۃ والسلام کی آمد ہوئی۔جیسا کہ ایک طویل حدیث پاک ہے جس میں مذکور ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی پشت مبارک سے آپ کی اولاد کے ہر ہر فرد کو نکالا اُس وقت حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کیا: **وقال ادم یا رب من ھولاء الذین اراھم اظھر الناس نورا قال ھولاء الانبیاء من ذریتک.**

اے میرے رب! یہ کون لوگ ہیں جنھیں میں سب سے زیادہ روشن وتابناک دیکھ رہا ہوں! اللہ تعالی نے فرمایا: یہ انبیاء ہیں جو تمہاری اولاد میں ہوں گے۔(الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور،ج:3،ص:602)

اس سے معلوم ہوا کہ سرزمین ہند تمام انبیاء کرام علیھم الصلوۃ والسلام کے قدوم میمنت لزوم سے مبارک و مقدس ہوئی نیز تمام اولیاء کاملین شہداء وصالحین کے وجود باجود سے معطر ومعنبر ہوئی۔

ہندوستان کی سرزمین یہ شرف بھی رکھتی ہے کہ جبرئیل علہ السلام سب سے پہلے آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس یہیں حاضر آئے، سب سے پہلے اذان یہیں کہی گئی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہیں پہلے نبی حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آمد کی خوشخبری دی بلکہ روئے زمین پر ہندوستان ہی وہ مقدس مقام ہے جو فیض سرمدی کا مبدا اور نور محمدی کا مطلع اولین قرار پایا جیسا کہ مواہب لدنیہ میں روایت ہے: **لما خلق اللہ آدم جعل ذلک النورفی ظھرہ فکان یلمع فی جبینہ ، فیغلب علی سائرنورہ.**

ترجمہ:جب اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا فرمایا اُس نور (محمدی صلی اللہ علیہ وسلم)۔کو آپ کی پشت اقدس میں رکھا تو وہ نور آپ کی جبین مبارک میں چمکتا اور آپ کی ساری نورانیت پر غالب آجاتا۔(المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیۃ،ج:1،ص:49)

شاعر مشرق علامہ اقبال نے کیا خوب کہا:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

پہلی اذان' ہندوستان میں:

حضرت شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ رحمۃ اللہ علیہ ''انوار احمدی'' میں رقم طراز ہیں: **قولہ** : وحشت آدم گئی نام شہ لولاک سے: **کما فی المواھب والزرقانی:(وأخرج ابونعیم فی الحلیۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ؛ رفعہ لما نزل آدم علیہ**

السلام بالهند استوحش ،فنزل جبريل عليه السلام ،فنادى بالأذان:" الله اكبر، الله اكبر، مرتين،" أشهد أن لا اله الا الله" مرتين، اشهدان محمدا رسول الله مرتين ۔ الحديث) ورواه أيضاً الحاكم و ابن عساكر.

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آدم علیہ السلام ہند میں اترے ان کو وحشت ہوئی، اس وقت جبریل علیہ السلام اترے اوراذان کہی اس طور سے:''**الله اكبر الله اكبر** ''دوبار''**اشهدان لااله الا الله**''دوبار''**أشهد أن محمدا رسول الله**' 'دوبارآخرحدیث تک(مقصود یہ کہ بدولت اس اذان کے وحشت جاتی رہی)۔(انوار احمدی،ص:38)

اہل ہند کی عرب سے وابستگی:

شروع ہی سے اہل ہند کی عرب سے وابستگی رہی۔ عرب کے تاجرین سندھ اور مالابارتجارت کی غرض سے آیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں نجران کے چندلوگ حاضر ہوئے تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے انہیں دیکھ کرارشادفرمایا: مَنْ هٰـؤُلَاءِ الْقَوْمُ الَّذِينَ كَاَنَّهُمْ رِجَالُ الْهِنْدِ ۔ترجمہ: یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے مردوں جیسے دکھائی دے رہے ہیں۔(سیرت ابن ہشام،ج: 2/ص:594)

بارگاہ نبوی میں ہندوستان کے راجہ کا تحفہ:

اسی طرح ہندوستان کے ایک بادشاہ سے متعلق مستدرک علی الصحیحین میں روایت ہے :حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: **اهدى ملك الهند إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم جرة فيها زنجبيل فاطعم اصحابه قطعة قطعة واطعمنى منها قطعة .**

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہندوستان کے بادشاہ نے سونٹھ کا گھڑا تحفہ میں بھیجا۔تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کواس کا ایک ایک ٹکڑا ٹکڑا کھلایا اور مجھے بھی اس میں سے ایک ٹکڑا عنایت فرمایا۔(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، حدیث نمبر: 7279)

سرزمین ہند کی پاکیزہ ہوا' مولائے کائنات کا فرمان:

سرزمین ہند سے متعلق امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک علی الصحیحین میں حضرت مولائے کائنات علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان نقل کیا،حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ نے فرمایا:**أطيب ريح فى الارض الهند** ۔زمینی اعتبار سے سب سے پاکیزہ ہواوالی زمین ہندوستان کی ہے۔(المستدرک للحاکم علی الصحیحین: حدیث نمبر:3995)

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یہ بات بھی مسلمانان ہند کے لئے قابل فخر اور ملک سے سچی پکی وابستگی پر دلالت کرتی ہے کہ زمینوں میں سب سے زیادہ قدیم تاریخ مسلمانان ہند کی ہے، کسی بھی ملک کی تاریخ دیکھی جائے تو دوسو سال چار سوسال اور زیادہ سے زیادہ ہزار دو ہزار سال رہے گی ؛ مگر ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام کی آمد سے لے کر آج تک موجود ہے، جو سب سے زیادہ قدیم بھی ہے اور طویل المدت بھی ،اور-ان شاءاللہ- صبح قیامت تک یہ دھرتی اہل اسلام سے آباد رہے گی۔

ہندوستان میں انبیاء کرام کا وجود مبارک

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ہی میں آپ کی اولاد کی تعداد چالیس ہزار کو پہنچ چکی تھی ،آپ تادم زیست ہندوستان میں سکونت پذیر رہے،اسی لئے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار پُر انور ایک روایت کے مطابق ہندوستان میں ہے،اور حضرت شیث علیہ السلام کا مزار مبارک ''ایودھیا'' میں ہے۔ پھر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہندوستان میں مقیم رہی ،نسل انسانی ہندوستان ہی سے زمین کے دوسرے خطوں میں پھیلتی رہی ہے ، ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد انبیاء کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا طویل سلسلہ چلا،تو ہند میں بھی انبیاء کرام کی بعثت ہوتی گئی ، امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مکتوبات شریف کے مطابق پنجاب کے مقام براس میں چند انبیاء کرام کے مزارات موجود ہیں۔

ہندوستانی شخصیت کو شرفِ صحابیت:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی جلوہ گری کے بعد مکی دور میں وقوع پذیر معجزہ شق القمر دیکھ کر ہندوستان کے بادشاہ نے حاضر بارگاہ ہوکر اسلام قبول کیا اور وہ درجہ صحابیت سے بہرہ یاب ہوئے۔

جامعہ نظامیہ کے قابل فخر سپوت عالمی محقق مولانا ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس بادشاہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ہندوستان کے جنوبی ساحلی علاقہ ''مالا بار'' میں ایک بڑی قدیم روایت مشہور ہے کہ اس علاقہ کے ایک بادشاہ ''چکرورتی فرماس'' نے چاند کو دوٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔ یہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معجزہ تھا جو مکہ مکرمہ میں واقعہ ہوا۔اس بادشاہ نے جب اس حوالے سے تحقیقات کیں تو اسے پتہ چلا کہ عرب میں ایک پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظہور کی پیش گوئیاں موجود ہیں اور چاند کے دوٹکڑے ہونے کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اس پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے، چنانچہ وہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کر کے خود آنحضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے ملاقات کے لئے عرب چلا گیا،اس نے ہادی کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر واپس ہندوستان روانہ ہوگیا۔راستے میں یمن کی بندرگاہ ظفار میں اس کا انتقال ہوا۔ یہاں آج بھی اس ہندوستانی بادشاہ کے مزار پر لوگ فاتحہ کے لیے آتے ہیں۔

انڈیا آفس لندن میں ایک پرانے مسودے (نمبر عربی 2807 صفحہ 152 تا 173) میں اس کی تفصیل درج ہے۔

زین الدین المعبری کی تصنیف "تحفة المجاهدين في بعض أخبار البرتغاليين" میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ (محمد رسول اللہ، ص:199)

ہندوستان کو حضرت مولائے کائنات سے شرف مصاہرت:

بنو حنیفہ سے تعلق رکھنے والی کنیز حضرت خولہ حنفیہ رضی اللہ عنہا جنہیں آزاد کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا کے بعد نکاح فرمایا تھا' وفیات الاعیان میں درج ایک روایت کے مطابق وہ ہندوستان (سندھ) کی تھیں، ان کے بطن سے علوی شہزادہ حضرت محمد بن حنفیہ تولد ہوئے۔ محمد بن الحنفية......امه خولة بنت جعفر......وقيل: بل كانت سندية سوداء و كانت أمة لبني حنيفة ولم تكن منهم...... (وفیات الاعیان، ج:4، ص:169)

اس لحاظ سے حضرت مولائے کائنات سے ہندوستان کو شرف مصاہرت حاصل ہے۔

عرب زمانہ قدیم سے تجارت کی خاطر بذریعہ سمندر ہندوستان آیا کرتے تھے، چنانچہ صحابہ کرام تجارتی اغراض سے کیرلا آیا کئے، حضرت مالک دینار و دیگر صحابہ کرام کے مزارات ساحل کے قریب واقع ہیں۔

دور فاروقی میں 15ھ عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حکم بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو بھڑوچ (بمبئی) اسلامی تعلیمات کے ساتھ روانہ کیا، جبکہ ایک بھائی مغیرہ بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو دیبل (سندھ) بھیجا؛ جہاں سے وہ مظفر و منصور ہو کر لوٹے۔ (فتوح البلدان للبلاذری، ص:420)

93ھ میں محمد بن قاسم نے دیبل پر فوج کشی کی اور یکے بعد دیگرے سندھ کے مختلف علاقوں پر فتح کا جھنڈا نصب کرتے ہوئے پورے سندھ کو زیر فرماں کر لیا۔

غزنوی خاندان کی حکومت

اس کے بعد ہباری خاندان اور اسماعیلیوں کے بشمول مختلف افراد خلافت عباسیہ کے تحت یا خود مختاری کے ساتھ سندھ واطراف کے حصوں پر حکومت کرتے رہے، پانچویں صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے گجرات کو فتح کیا، غزنوی خاندان نے تقریباً دوسو سال سندھ اور شمالی ہند میں حکمرانی کی، سلطان محمود غزنوی کی فوج میں ہندو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر تھے، سلطان نے نہ کسی کو قبول اسلام پر مجبور کیا اور نہ کسی مندر کو توڑا۔

سلطان الہند کا ہندوستان میں ورود

دیار ہند میں خواجہ خواجگاں سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پاک برکتوں کا خلاصہ ہے آپ نے اپنی تعلیمات، اخلاق و پاکیزہ کردار کے ذریعہ

ہندوستان کو امن وسلامتی کا گہوارہ ،راحت وسکون کا مرکز،شائستہ تہذیب اور پاکیزہ تمدن کا گلستان،اورانسانیت کی حیثیت سے بین الاقوامی محبتوں کا چمنستاں بنادیا،آپکی گفتار سے لاکھوں قلوب زندہ ہوئے اورآپکے کردار سے سر زمین ہند کے گوشہ گوشہ میں خوش اخلاقی وراست بازی کے سبزے لہرائے۔

غلاموں کی سلطنت

چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں شہاب الدین غوری نے 582ھ میں ہندوستان کو فتح کیا ، اس کے بعد تقریبًا سوسال غوری کے ترک غلاموں کی حکومت رہی اور پورا شمالی ہندزیرحکومت آچکا تھا،بار بار بیرونی حملوں کے باوجوداُنہوں نے ملک کی حفاظت کی ،مغلوں اور تاتاریوں کو ہندوستان میں داخل ہونے کا موقع نہ دیا،اس دور میں تجارت کوفروغ حاصل ہوا،مشک ،عنبر اور گھوڑوں کی تجارت عام تھی ، عدالتی انتظام قاضیوں کے سپرد تھا،چیف جسٹس کوقاضی القضاۃ کہا جاتا ،جو دہلی میں ہوا کرتا تھا،ہندوؤں کو ہرطرح سے مذہبی آزادی حاصل تھی،اس دور میں کبھی کوئی مندر توڑا نہ گیا۔قطب مینار اور کئی عالیشان قلعے اسی دور میں تعمیر کئے گئے ۔(ملخص از: مختصر تاریخ ہند)

خلجی خاندان

خلجی خاندان کے تیس سالہ دور میں تجارت ترکوں کے دور سے زیادہ ترقی پائی ، غیرملکی تاجرین بہاروبنگال تک جاتے تھے ، گجرات ودکن ، کھنبائت اوربھروچ کی بندر گاہوں سے تجارتی سامان آیا جایا کرتا، بادشاہ کوارزانی کا پورا خیال ہوتا تھا،نرخ سے متعلق ایک مستقل محکمہ تھا،(علاءالدین خلجی کے زمانہ میں جس قدر ارزانی ہوئی پھرکبھی نہیں ہوئی) اس دور میں مساجد وخانقاہوں کے ساتھ سرائیں ومسافرخانے تعمیر کئے گئے ، پاک پٹن میں حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اوردہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہیں آبادتھیں جہاں سے امن وسلامتی ، اخوت وبھائی چارگی کا پیغام دیا جاتا رہا،سرحدوں کی حفاظت کی جاتی،شراب نوشی جرم تھا،چاندی،سونااورتانبہ،تین دھات کے سکے رائج تھے ، ہندووں کواس دورحکومت میں بھی بڑے بڑے عہدے حاصل تھے۔

اسی دور میں حضرت امیرخسرو رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

فلک گفت ہرچہ از زمیں کشور آمد
ازاں جملہ ہندوستاں بر تر آمد
حکمت ودانائی برہان وہنر
وانچہ کہ در ہند معانیست دگر

ہندوستان حضرت خسرو کی نظر میں

حضرت امیرخسرو نے ہندوستان کو جنت ارضی قرار دیتے ہوئے اس کے سات اسباب بیان فرمائے ہیں:

(1) حضرت آدم علیہ السلام یہاں جنت سے آئے

۔(2) یہاں طاوس جیسا فردوس کا پرندہ ہے۔(3) یہاں سانپ بھی باغِ فلک سے آیا۔(4) حضرت آدم علیہ السلام ہند سے باہر نکلے تو فردوس کی نعمتوں کی کمی محسوس ہونے لگے۔ (5) یہاں خوشی اور عیش کے سامان کے ساتھ عطریات اور خوشبوئیات ہیں ، روم ورے میں دو تین مہینے پھول ہوتے ہیں لیکن ہندوستان کی سرزمین خوشبودار پھولوں سے ہمیشہ گلزار رہتی ہے ۔ (6) ہندوستان انہیں نعمتوں کی وجہ سے خلد بریں ہے۔(7) مسلمان ساری دنیا کو ایک قید خانہ سمجھتے ہیں لیکن ہندوستان ان کے لئے خلد بریں ہے۔ (ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں، ص:30)

تغلق خاندان کی سلطنت

اس خاندان نے ہندوستان پر تقریباً سو برس حکومت کی ، اس دور میں ملک نے خوب ترقی کی ، کئی شہر و دیہات آباد کئے گئے ، جونپور اسی دور کا آباد شہر ہے، سلطان محمد تغلق کے عہد میں صرف دہلی میں ستر شفا خانے تھے؛ جہاں بیماروں کو دوا کے ساتھ کھانا میسر ہوتا تھا، غیر واجبی محصولات معاف کر دیئے گئے ، ہندوستان میں سب سے پہلے گھنٹہ گھر (گھڑیال) اسی دور میں تعمیر کیا گیا، کثرت سے سڑکیں بنائی گئیں، ڈاک کا انتظام بہتر کیا گیا، موجودہ دور کی طرح چھوٹے سے چھوٹا سکہ اُس دور میں موجود تھا۔

مغل بادشاہوں کے کارنامے

مغلیہ خاندان کی حکومت کے دور میں فوج اس قدر مستحکم و منظّم تھی کہ ہر قسم کے بیرونی حملوں کا دفاع کر لیا کرتی ، فوج میں ہر نسل اور ہر مذہب کے افراد شامل ہوتے تھے ، راجپوت اور مرہٹوں کا اپنا ایک مقام تھا، اس دور میں زراعت کو ایسی ترقی ہوئی کہ ہندستان میں اس سے پہلے نہ ہوئی تھی ، اس دور میں خوبصورت عمارتیں تعمیر ہوئیں، تاج محل ، دہلی اور آگرہ کا لال قلعہ، دیوان عام، دیوان خاص، دہلی اور اور آگرہ کی جامع مسجد اس دور کی یادگاریں ہیں، اس دور میں عورتوں کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا تھا بطور خاص شاہی بیگمات مختلف علوم میں مہارت رکھتی تھیں۔

آصف جاہ ہفتم کے کارنامے

حضرت شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ ہی کی تربیت کا اثر تھا کہ آصف جاہ ہفتم میر عثمان علی خان نے حیدرآباد کی کئی اہم عمارتیں، جیسے: حیدرآباد ہائیکورٹ، اسمبلی ہال، پبلک گارڈن، آصفیہ لائبریری، عثمانیہ جنرل ہاسپٹل ، نظام کالج، حمایت ساگر، نظامس انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنس، نیلوفر ہاسپٹل ،نظام شوگر فیکٹری وغیرہ کی تعمیر کی۔

اپنے دور حکمرانی میں انہوں نے بہت سے تعلیمی اصلاحات متعارف کروائے، نظام کے بجٹ کا تقریبا گیارہ (11) فیصد حصہ تعلیمی اداروں پر خرچ کیا جاتا تھا، انہوں نے ہندوستان اور بیرون ملک بہت سے اداروں کو بڑے بڑے عطیات دیئے۔

انہوں نے بنارس ہندو یونیورسٹی کے لئے 10 لاکھ روپے اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے لئے 5 لاکھ روپے عطیہ دیا تھا۔

اسکولوں اور کالجوں کے لئے ترجمہ محکموں کو قائم کیا گیا تھا، ابتدائی تعلیم کو غریبوں کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔

نواب آصف جاہ ہفتم میر عثمان علی خان نے سقوط سلطنت کے باوجود جبکہ ہندوستان اقتصادی طور پر کمزور پڑ گیا تو پانچ ہزار (5000) کلوگرام کا گولڈ عطیہ کیا۔ آج کی موجودہ سونے کی قیمت لے لحاظ جس کی مالیت بیس ارب (20,000,000,000) روپے ہوتی ہے، اس کے برخلاف آج جب ہندوستان کی GDP انتہائی گراوٹ کی شکار ہے تو یہاں کے بڑے بڑے صنعتکار ملک کو کچھ دینے کے بجائے اپنے قرض معاف کروانے کے لئے کوشاں ہیں اور ان کے قرض معاف کئے جا رہے ہیں جو اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

جامع مسجد دہلی کو 1948 کے دوران، نظام سرکار سے مسجد کے فرش کے پوجھے کی مرمت کے لئے 75000 عطیہ دینے کی گزارش کی گئی۔ اس کے بجائے نظام سرکار نے 3 لاکھ روپے کا عطیہ دیا اور کہا کہ مسجد نئ جیسی بنادی جائے۔ (ویکیپیڈیا)

ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط، اس کے خلاف مسلمانوں کی جدوجہد

انگریز مغل بادشاہ اکبر کے دور میں تجارتی غرض سے ہندوستان آئے اور رفتہ رفتہ اپنا اثر ورسوخ بڑھاتے ہوئے ہندوستانی اقتدار پر قابض ہوگئے اور انہوں نے ہندوستانیوں پر طرح طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، ناحق گولیاں چلائیں، سولی پر چڑھایا، ہمارے اکابر نے ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کیں، انگریزوں کی غلامی کا طوق گردن سے نکالنے اور ملک کو آزاد کرانے کے لئے مسلمانوں نے تن من دھن کی قربانی دی، زندگیوں کے نذرانے پیش کئے، تب کہیں نعمت آزادی ہمارے ہاتھ آئی۔

تحریک آزادی میں مسلمانوں نے سب سے پہلے حصہ لیا اور نمایاں کردار ادا کیا، 1754ء میں علی وردی خان نے انگریزوں سے باضابطہ منظّم جنگ کر کے اُنہیں شکست فاش دی، یہ جنگ آزادی کا پہلا مرحلہ تھا، علی وردی خان کے بعد اُن کے نواسے نواب سراج الدولہ حاکم ہوئے، انہوں نے انگریزوں سے بھرپور مقابلہ کیا لیکن علاقائی سازشوں کی وجہ سے 1757ء میں انگریزوں نے اُنہیں مرشد آباد میں شہید کر دیا۔

ٹیپو سلطان نے انگریزوں کے خلاف تمام علاقائی مسلم وغیر مسلم حکمرانوں کو متحد کرنے کی بھرپور کوشش کی اور انگریزوں کے خلاف مضبوط محاذ تیار کرنے کی سعی کی، تاہم ٹیپو سلطان نے مجاہد آزادی کی حیثیت سے لڑتے ہوئے 1799ء سری رنگا پٹنہ کی جنگ میں شہادت پائی۔

1857ء میں جہاد کی فرضیت کا فتوی

ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کے اثرات بڑھنے لگے اور مسند درس پر بیٹھ کر قال اللہ، قال الرسول کا درس دینے والے میدان کارزار میں اتر آئے اور انگریزوں کے خلاف منصوبہ بند محاذ بنائے، چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نیآزادی کی تحریک شروع کی پھر آپ کے شہزادہ سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس تحریک کو آگے بڑھایا، اور 1803ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی دیا، ان علماء کے علاوہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی، حضرت شاہ ابوسعید مجددی (جو حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر حضرت شاہ سعد اللہ نقشبند دکن رحمہ اللہ کے برادر طریقت ہیں)، حضرت مفتی صدرالدین آزردہ، حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی وغیرہ ہیں جنھوں نے ملک میں آزادی کی خاطر نعرہ جہاد بلند کیا۔

مدرسہ فرنگی محل سے مجاہد آزادیہند مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر علماء نے خلافت تحریک کی حمایت کی جس کی وجہ سے ان میں کے کئی علماء کو پھانسی کی سزا دی گئی۔

1857ء کی تحریک آزادی کے موقع پر دوطرح کے محاذ تیار کئے گئے، ایک محاذ انبالہ کے میدان پر تھا جس کی قیادت مولانا جعفر تھانیسری کے سپرد کی گئی اور دوسرا محاذ شاملی کے میدان پر تھا جس کی قیادت حضرت بانی جامعہ نظامیہ کے پیرومرشد حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔

جنگ آزادی میں علماء کی قربانیاں اوران کا کردار

اگر علماء کرام آزادی کے لئے قدم آگے نہ بڑھاتے اور مسلمانوں کے اندر جذبہ آزادی پیدا نہ کرتے تو ہندوستان کبھی غلامی کی زنجیروں سے نجات حاصل نہ کرتا۔

جن علماء کرام نے انگریزی سامراج کے خلاف 1857ء میں جہاد کی فرضیت کا فتوی دیا ان میں حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی ہیں، ان کے علاہ مولانا کفایت علی کافی، مولانا فیض احمد بدایونی اور بہت سے کبار علماء شامل ہیں، اس کے بعد ہزاروں افراد نے جان ہتھیلی پر لے کر انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، فرنگیوں نے اس آواز کو کچلنے کے لئے ظلم وجبر، دہشت واستبداد کی انتہاء کردی جس کے تصور سے روح کانپتی ہے اور انسانیت سہم جاتی ہے، 1857ء میں پانچ لاکھ مسلمانوں کو تختہدار پر چڑھایا گیا جن میں چودہ ہزار علماء کرام تھے، دہلی کے چاندنی چوک کے اطراف ایسا کوئی درخت نہیں تھا جس پر علماء کو پھانسی نہ دی گئی ہو، علماء کے بدن کو تانبہ سے داغا گیا، نعشوں کو بوریوں میں باندھ کر لاہور کے دریائے راوی میں بہایا گیا اور اوپر سے گولیاں برسائی گئیں۔

علامہ فضل حق خیرآبادی نے 1857ء میں بنیادی کردار ادا کیا، دہلی اوراودھ کے مراکز جہاد میں حصہ لیا، علامہ

نے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے ساتھ طویل جدو جہد کی ، بادشاہ کو گرفتار کیا گیا اور علامہ پر مقدمہ چلایا گیا، بالآخر کالا پانی کی سزا ہوئی اور جزیرہ انڈمان بھیج دیا گیا،آپ نے کالا پانی کے مظلومانہ ماحول کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

دشمن کے ظلم وستم نے مجھے دریائے شور کے کنارے ایک بلند ومضبوط ، ناموافق ہوا والے پہاڑ پر پہنچادیا جہاں سورج ہمیشہ سر پر رہتا تھا،اس میں دشوارگزار راہیں اورگھاٹیاں تھیں،جنہیں دریائے شور کی نہریں ڈھانپ لیتی تھیں،اس کی نسیم صبح بھی گرم وتیز ہوا سے زیادہ سخت اوراس کی نعمت زہر ہلاہل سے زیادہ مضرتھی ۔اس کی غذا حنظل سے زیادہ کڑوی، اس کا پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کرضرر رساں ۔۔۔ ہوا بدبودار اور بیماریوں کا مخزن تھی ۔مرض سستا اور دوا گراں ۔ بیماریاں بےشمار،خارش وقوبا(وہ بیماری جس سے بدن کی کھال پھٹنے اور چھلنے لگتی ہے) عام تھی ۔۔۔ یہاں کی معمولی بیماری بھی خطرناک ہے۔بخار موت کا پیغام،مرض سرسام اور برسام (دماغ کے پردوں کا ورم) ہلاکت کی علت تام ہے ۔ بہت مرض ایسے ہیں جن کا کتب طب میں نام ونشان نہیں ۔نصرانی ماہرطبیب مریضوں کی آنتوں کوتنور کی طرح جلاتا اور مریض کی حفاظت نہ کرتے ہوئے آگ کا قبہ اس کے اوپر بناتا ہے ۔ مرض نہ پہچانتے ہوئے دوا پلاکر موت کے منھ کے قریب پہونچادیتا ہے ، جب کوئی ان میں سے مرجاتا ہے تو نجس وناپاک خاکروب جودرحقیقت شیطانِ خناس یادیو ہوتا ہےاس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچتا ہوا غسل وکفن کے بغیر اس کے کپڑے اتار کر ریت کے تودے میں دبادیتا ہے ، نہ اس کی قبر کھودی جاتی ہے،نہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔۔۔(باغی ہندوستان ،ص:79)

مولانا کفایت علی کافی نے اہم مجاہدانہ کردار ادا کیا ، قید کے عالم میں آپ کے جسم پرگرم استری پھیری جاتی ،زخموں پرنمک چھڑکا جاتا بالآخرانہیں سولی پر چڑھایا گیا۔

مولانا احمد شاہ مدارسی کوبعض غداروں نے دھوکہ سے شہید کردیا ،مولانا وہاج الدین مراد آبادی کو ماہ رمضان میں عصر ومغرب کے درمیان ایک غدار کی مخبری کی وجہ سے انگریز نے اچانک دھاوا بول کر گھر میں گولی ماردی ،اس طرح عظیم علماء کومختلف طریقوں سے شہید کیا گیا جن کی آواز پر بیک وقت ہزاروں مسلمان جان دینے کے لئے تیار ہوجایا کرتے ۔

1857ء کی جنگ میں تین ہزار مسلمانوں کوکالا پانی بھیج دیا گیا۔

1885ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا،آگے چل کر جس کے لیڈروں نے جنگ آزادی میں اہم رول ادا کیا،جن میں موہن داس گاندھی ، جواہر لعل نہرو، ولبھ بھائی پٹیل ، خان عبدالغفار خان ،مولانا ابوالکلام آزاد اور کئی اہم شخصیتیں شامل تھیں،مسلمانوں نے کانگریس تحریک میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا،1930ء صرف صوبہ سرحد میں چالیس ہزار مسلمان گرفتار ہوئے ، تین ہزار مسلمان گولیوں سے بھن

دیئے گئے ، اور چار ہزار پٹھان نامرد کئے گئے ، اس کے علاوہ پنجاب ، اتر پردیش ، آسام ، بہار ، بنگال ، بمبئی اور سندھ میں جملہ اکتیس ہزار مسلمان گرفتار کئے گئے ۔

جنگ آزادی کے لئے علماء کرام کی کئی جماعتیں سرگرم عمل تھیں ، تمام مکاتب فکر کے علماء نے اس میں حصہ لیا تھا ، کئی اہل علم نے زبانی وقلمی جہاد کیا ، اور بہت سے میدان میں آپہنچے اور بہت سے ایسے حضرات تھے کہ جنہوں نے ہر طرح سے قربانیاں دیں ۔

1857ء سے 1947ء تک مکمل نود (90) سال کے عرصہ دراز میں خلافت کمیٹی ، مجلس احرار ، کشمیر نیشنل کانفرنس اور خدائی خدمت گاری سرحد کے علاوہ مختلف تحریکات کے ذریعہ ملک کو آزاد کروایا گیا ، جس میں خاص طور پر مسلمان اور پھر دیگر مذاہب کے لوگوں نے بھی قربانیاں پیش کیں ۔

جنگ آزادی ہند میں مسلم خواتین کا کردار

ہندوستان کی آزادی میں مسلم خواتین نے بھی اپنا حصہ ادا کیا ۔ اگر ان بہادر مسلم خواتین کے ناموں کی فہرست تیار کی جائے جنہوں نے جنگ آزادی میں اپنا حصہ اداد کیا تو ان کی تعداد سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے :

بیگم حضرت محل ۔ عبادی بانو بیگم (بی اماں) ۔ بی بی امۃ السلام ۔ اصغری بیگم ۔ نشاط النساء بیگم مولانا حسرت موہانی ۔ بیگم زینب محل ۔ رضیہ خاتون ۔ زلیخا بیگم (مولانا آزاد کی شریک حیات) ۔ سبز پوش خاتون ۔ ثریا بیگم بدرالدین طیب جی ۔

بیگم حضرت محل کی قربانی

1858ء میں جب انگریزوں نے گوالیار کے قلعہ پر حملہ کیا تو بیگم حضرت محل (جو اَودھ کے نواب واجد علی شاہ کی بیگم تھیں) انگریزوں سے مقابلہ کیلئے جنگ میں اتر آئیں ۔

دہلی کی سبز پوش خاتون کی قربانی

سبز پوش خاتون ، دہلی کی ایک ضعیف خاتون جو عزم وہمت کی جوان اور بندوق چلانے میں ماہر تھیں بہادری کے ساتھ پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے انگریزوں کے خلاف لڑتی رہیں ۔

رضیہ خاتون کی قربانی

رضیہ خاتون جو مسٹر نصیر الدین جوگیندر پارٹی کے قائد کی صاحبزادی تھیں انہوں نے مغربی بنگال میں انگریزوں کے خلاف علم بغاوت اٹھایا جس کے سبب انگریز سامراج نے انہیں باغی قرار دیکر کالے پانی بھیج دیا اور وہ وہیں انتقال کر گئیں ۔

جنگ آزادی کا ترنگا بنانے کا مسلم خاتون کو اعزاز

جنگ آزادی کے موقع پر حیدرآباد دکن کی مسلم خاتون بدرالدین فیاض طیب جی کی اہلیہ بیگم ثریا کو بھارت کا پہلا قومی جھنڈا (ترنگا) تیار کرنے کا اعزاز حاصل ہے ۔

الغرض جنگ آزادی میں ہزاروں مسلم خواتین نے اپنے مال اور اولاد کی عظیم قربانیاں پیش کیں ، اور انگریزوں

سے اپنے ملک کو آزاد کرانے میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کے چند دفاعی اور رفاہی کارنامے

......ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جو چیزیں متعارف کروائی گئیں تو ان میں مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ رہا، جیسے:

......سرزمین ہند میں پہلی توپ لانے والے کا نام ظہیرالدین محمد بابر تھا۔

......ملک میں پہلی بار پکی سڑک بنوانے والے کا نام شیرشاہ سوری تھا۔

......ہندوستان میں پہلا راکٹ لانے والے کا نام ٹیپوسلطان شہید تھا۔

......اور ہندوستان کو اگنی میزائل، پرتھوی میزائل بنا کردینے والے شخص کا نام بھی اے پی جے عبدالکلام تھا۔

ہندوستان کی ترقی اور تحفظ میں مسلمانوں کا حصہ ایک اجمالی خاکہ

مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان میں رہنے بسنے والوں کو عقیدے کی آزادی اور تحفظ دیا، کوئی انصاف پسند غیر مسلم مورخ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کسی کو جبرًا مسلمان بنایا گیا ہو۔

(1) تمام انسانی حقوق کو بحال کیا، ستی کی رسم پر روک لگائی

(2) بلالحاظ مذہب وملت تمام ہندوستانیوں کو ظلم سے تحفظ دیا اور ہر قسم کی زیادتی سے بچایا

(3) ہندوستان کی سرزمین پر عدل وانصاف قائم کیا

(4) تمام ہندوستانیوں کی جان ومال کا حق بحال کیا

(5) تمام طبقات انسانی میں حقِ مساوات کو نہ صرف متعارف کروایا بلکہ عملًا ادا کیا

(6) حق تعلیم کی اہمیت سے نہ صرف واقف کروایا بلکہ اعلی پیمانہ پر اسکول، کالج، یونیورسٹیاں قائم کیں اور مفت تعلیم کا نظم کیا

(7) تمام شہریوں کے درمیان حسن معاملہ کی قدروں کو اجاگر کیا

(8) ملک کے اقتصادیات کو مضبوط کرنے کے لئے کئی ایک منصوبے بنائے جس پر عمل آوری بھی کی

(9) تعمیری انقلاب لے آئے چنانچہ سرائے، مسافر خانے اور تالابوں کے پشتے ڈیم اور دیگر انسانی ضروریات کی تکمیل کی

(10) بیرونی خطرات سے ملک کو بچانے کے لئے باقاعدہ سرحد بندی کی گئی اور جانباز فوجیوں کو متعین کرکے ملک کی حفاظت کی

(11) اقوام عالم میں ملک کے درجہ کو بڑھانے کیلئے بے مثال عالمی عجائب کی تعمیر کی، تاج محل، لال قلعہ، قطب مینار وغیرہ

(12) ہند کو ناز ہے جس پر وہ نشانی ہم ہیں۔ تاج اور لال

قلعہ کے یہاں بانی ہم ہیں

(13) مختلف ذوق رکھنے والے باشندگان کی تفریح طبع کی خاطر فنون لطیفہ کو رواج دیا

(14) ہندوستانی گنگا جمنی تہذیب کا تحفظ کیا

وطن کے تئیں مسلمانوں کی ذمہ داریاں اور لائحہ عمل

اسلام پہلا مذہب ہے جس نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو ایک ساتھ جینے کے آداب عملاً سکھلائے ، داخلی اور خارجی سازشوں اور حملوں سے ملک کی حفاظت اور باہمی امداد وتعاون کے لئے اپنے مذہبی تشخص کو قائم رکھتے ہوئے دیگر مذاہب والوں کے ساتھ معاہدہ کیا گیا، میثاق مدینہ وصلح حدیبیہ جس کی واضح مثال ہے

(1) وطن کے حقوق ادا کرنا

(2) وطن سے محبت اور ہمدردی کا جذبہ

(3) وطن کا دفاع، جان، مال اور زبان کے ذریعہ:

(4) پڑوسی ممالک کے حملوں کے جواب میں سرفروشانہ خدمات

(5) صحافتی خدمات کے ذریعہ عوامی احساسات کی نمائندگی

(6) ملک کے مفاد میں سیاسی وسماجی شعور بیداری

(7) ووٹنگ میں حصہ لے کر ملک کی تعمیر وترقی کا جذبہ رکھنے والے غیر متعصب اصحاب کو برسر اقتدار لانا

(8) وطن کی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا

(9) فسادی عناصر سے ملک کی حفاظت کرنا

(10) اسلام کی سچی تصویر، دعوت وعمل کے ذریعہ پیش کرنا

(11) اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا دلائل کے ساتھ سنجیدہ اسلوب کے ذریعہ ازالہ کرنا

(12) اہلیان وطن کے ساتھ خصوصًا پڑھے لکھے طبقہ کے ساتھ گفت وشنید کو فروغ دینا جس کو عرف عام میں ڈائیلاگ سے تعبیر کیا جارہا ہے

(13) غیر مسلم سنجیدہ دانشور طبقہ کو ساتھ لے کر یا اُن کے ساتھ مل کر ملک کی ترقی اور تحفظ کے لئے منصوبہ بندی کرنا

(14) وطن اور اہل وطن کے تئیں اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے دوسروں کے حقوق کو پامال ہونے سے بچانا

(15) فرقہ واریت کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے برادران وطن کو شامل کر کے جدوجہد کرنا

(16) ملک کی قدرتی ،اقتصادی وسائل کو برباد ہونے سے بچانا، ہر طرح کی آلودگی سے ماحولیات کا تحفظ کرنا

(17) ایسے اعمال سرانجام دینا کہ ملک کا نام روشن وتابناک ہو

(18) اخوت وبھائی چارے کو فروغ دینا

(19) اپنی اولاد کو وطن کی محبت اور حقوق سے واقف کروانا

ہندوستان میں تقریبًا سات سو چونسٹھ 764 سال مسلم حکمرانی کے باوجود مختلف ادیان سے تعلق رکھنے والے افراد امن وسلامتی کے ساتھ ہندوستان میں موجود رہے، مسلم حکمرانوں نے کبھی ان کے ساتھ ناروا سلوک نہیں کیا، اور نہ ان کو وطن سے بے دخل کیا اور نہ ہی مسلمانوں نے اس طرح کا

کوئی مطالبہ کیا؛ لیکن المیہ یہ ہے کہ صرف 73 سال بھی مکمل نہیں گزرے؛ اس سیکولر ملک میں بعض فرقہ پرست عناصر کی طرف سے اب مسلمانوں کو ختم کرنے اور انہیں دوسرے نمبر کا شہری بنانے کی باتیں کی جارہی ہیں، جبکہ دستور ہند میں ملک کے ہر باشندے کو بلالحاظ مذہب وملت مساویانہ حقوق دیئے گئے ہیں، مذہبی آزادی دی گئی ہے، اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے پرامن طریقہ سے اس کی دعوت وتبلیغ کی اجازت دی گئی ہے، چنانچہ "بھارت کے آئین" کی چند دفعات ملاحظہ فرمائیں:

حق مساوات

ہندوستان کے دستور میں ہر ہندوستانی کو اس بات کا حق دیا گیا ہے کہ اس کو مساویانہ حقوق حاصل ہوں گے، جیسا کہ دستور ہند کے دفعہ 14 اور 15 میں صراحت ہے:

14۔ مملکت کسی شخص کو بھارت کے علاقہ میں قانون کی نظر میں مساوات یا قوانین کے مساویانہ تحفظ سے محروم نہیں کرے گی۔

15۔(1) مملکت محض مذہب ،نسل ،ذات، جنس، مقام پیدائش یا ان میں سے کسی کی بنا پر کسی شہری کے خلاف امتیاز نہیں برتے گی۔

(2) کوئی شہری محض مذہب ،نسل ،ذات، جنس، مقام پیدائش یا ان میں سے کسی کی بنا پر ______

(الف) دکانوں ،عام ریستوران، ہوٹلوں یا عام تفریح گاہوں میں داخلہ کے لئے؛ یا

(ب) کلی یا جزوی طور سے مملکتی فنڈ سے قائم یا خلایق عامہ کے استعمال کے لئے وقف کنووں، تالابوں، اشنان، گھاٹوں، سڑکوں اور عام آمدورفت کے مقامات کے استعمال کے،

ناقابل نہ ہوگا یا اس پر کوئی ذمہ داری یا پابندی یا شرط نہ ہوگی۔(بھارت کا آئین، بنیادی حقوق، حصہ: 3، دفعات: 15/14)

حق آزادی

19۔(1) تمام شہریوں کو حق حاصل ہوگا ____

(الف) تقریر اور اظہار کی آزادی کا:

(ب) امن پسندانہ طریقہ سے بغیر ہتھیاروں کے جمع ہونے کا؛

(ج) انجمنیں یا یونین قائم کرنے کا؛

(د) بھارت کے سارے علاقہ میں آزادنہ نقل وحرکت کرنے کا؛

(ھ) بھارت کے علاقہ کے کسی حصہ میں بود وباش کرنے اور بس جانے کا؛

(ز) کسی پیشہ کے اختیار کرنے یا کسی کام دھندے ،تجارت یا کاروبار کے چلانے کا۔(بھارت کا آئین، بنیادی حقوق، حصہ:3، دفعات:19)

مذہب کی آزادی

25۔(1) تمام اشخاص کو آزدی ضمیر اور آزادی

سے مذہب قبول کرنے،اس کی پیروی اور اس تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے،بشرطیکہ امن عامہ،اخلاق عامہ،صحت عامہ اس حصہ کی دیگر توضیعات متأثر نہ ہوں۔(بھارت کا آئین،بنیادی حقوق،حصہ:3،دفعات:25۔26)

دستور ہند میں دیئے گئے حقوق حاصل کرنے کے لئے جمہوری طریقہ پر جد و جہد کرنے کا ملک کے ہر باشندے کو حق حاصل ہے۔

ہوس نے کردیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہوجا محبت کی زباں ہوجا
یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

اللہ تعالیٰ ہمارے وطن عزیز کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنائے رکھے،ہر طرح کے خطروں سے مامون ومحفوظ رکھے،تمام باشندگان کو امن وسلامتی اور عافیت عطا فرمائے، ملک ووطن کے بشمول ساری دنیا کے لئے پیغام امن کا سفیر بنائے! آمین۔

ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کے اثرات بڑھنے لگے اور مسند درس پر بیٹھ کر قال اللہ،قال الرسول کا درس دینے والے میدان کارزار میں اتر آئے اور انگریزوں کے خلاف منصوبہ بند محاذ بنائے، چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے آزادی کی تحریک شروع کی پھر آپ کے شہزادہ سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس تحریک کو آگے بڑھایا،اور 1803ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی دیا،ان علماء کے علاوہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی ،حضرت شاہ ابوسعید مجددی (جو حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر حضرت شاہ سعد اللہ نقشبند دکن رحمہ اللہ کے برادر طریقت ہیں)،حضرت مفتی صدرالدین آزردہ،حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی وغیرہ ہیں جنہوں نے ملک میں آزادی کی خاطر نعرہ جہاد بلند کیا۔

مدرسہ فرنگی محل سے مجاہد آزادیہند مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر علماء نے خلافت تحریک کی حمایت کی جس کی وجہ سے ان میں کے کئی علماء کو پھانسی کی سزا دی گئی۔

1857ء کی تحریک آزادی کے موقع پر دو طرح کے محاذ تیار کئے گئے،ایک محاذ انبالہ کے میدان پر تھا جس کی قیادت مولانا جعفر تھانیسری کے سپرد کی گئی اور دوسرا محاذ شاملی کے میدان پر تھا جس کی قیادت حضرت بانی جامعہ نظامیہ کے پیرومرشد حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔

موجودہ حالات اور ایمان کا تحفظ

مولانا حافظ محمد خالد علی قادری صاحب، نائب شیخ الأدب جامعہ نظامیہ

موجودہ حالات اور ایمان کا تحفظ'' موجودہ دور میں مسلمان اپنی تاریخ کے انتہائی شدید ترین حالات سے دوچار ہیں اسلام دشمن طاقتیں متحد ہوکر ان کو ظلم وستم کا شکار بنارہی ہیں۔ عالم اسلام میں عموما اور وطن عزیز میں خصوصا مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے ان کا جینا دوبھر کیا جارہا ہے ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے مختلف کوشیش کی جارہی ہیں انکی صفوں میں دراڑیں ڈالی جارہی ہیں اور انکو فرقوں میں بانٹنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مسلمان جہاں اکثریت میں ہوں تو ایک

موجودہ عصری تعلیمی اداروں میں بتدریج ایسا نصاب نافذ کیا جارہا ہے جس سے مسلم طلبہ دنیوی علوم وفنون میں تو مہارت حاصل کرتے ہوئے ترقی کے مدارج طئے کر رہے ہیں لیکن ان میں نہ صرف اخلاق و کردار کا فقدان پایا جارہا ہے بلکہ اُنہیں غیر محسوس طریقہ سے ان کو اس نصاب کے ذریعہ سے ایمان سے بھی دور کیا جارہا ہے۔
تعلیم درس وتدریس کا ہی نام نہیں ہے بلکہ ایک ایسا کام ہے جو طلبہ کو خود شناسی و خدا شناسی کا درس دے اور دین کے اساسی عقیدہ کو ان میں راسخ کرے اور یہ کام اس وقات تک ناممکن ہے جب تک دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم سے اُنہیں روشناس نہ کرایا جائے اور ایمانیات سے دور کرنے والے تعلیمی اداروں سے ان کو دور نہ رکھا جائے ایسی تعلیم کا کیا فائدہ جو طلبہ کو ان کے مطلوبہ دنیوی علوم میں ماہر اور زمانہ شناس تو بنادے مگر خدا شناس نہ بنائے۔ا

دوسرے سے دست بگریباں ہیں اور جہاں اقلیت میں ہیں تو ظلم کا شکار ہیں۔

ملک میں کبھی مسلمانوں کو ہجومی تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے کبھی شریعت مطہرہ پر عمل کرنے سے روکا جارہا ہے کبھی مساجد کی قانونی حیثیت ختم کی جارہی ہے۔

آخری زمانے میں اسلام دشمن اقوام کی ان سازشوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت متنبہ فرمادیا تھا۔جیسا کہ حدیث شریف ہے **عن ثوبان قال قال رسول الله یوشک الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الأکلة الی قصعتها قال قائل ومن قلة نحن یومئذ قال بل انتم حیئنذ کثیر ولنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن الله من صدور عدوکم المهابة منکم ولیقذفن الله فی قلوبکم الوهن فقال یارسول الله ! ما الوهن؟ قال: حب الدنیا وکراهیة الموت.**

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قریب ہے کہ اقوام تمہارے خلاف ایک دوسرے کو بلائیں گے جیسے کھانے والے اپنے پیالے پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں تو ایک عرض کرنے والے کیا عرض کیا کیا یہ اسوقت ہماری قلت اور کمی کی وجہ سے ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلکہ تم ان دنوں زیادہ ہونگے لیکن تم سیلاب کے جھاک کی طرح ہونگے ، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ''وھن'' ڈال دے گا پوچھنے والے نے پوچھا اے اللہ کے رسول ''وھن'' کیا ہے حضور نے فرمایا دنیا سے محبت کرنا اور موت کو ناپسند کرنا ۔(سنن ابو داود، حدیث:4297)

ان حالات میں تحفظ ایمان کی فکر پہلے سے زیادہ ضروری ہے تحفظ ایمان سے متعلق گفتگو کرنے سے قبل ایمان کا لغوی واصطلاحی معنی بیان کیا جاتا ہے۔

ایمان کی لغوی تحقیق

ایمان کے لغوی معنی تصدیق کے ہیں جیسا کہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے: **والایمان التصدیق والتهذیب وأما الایمان فهو مصدر اٰمن یومن ایمانا فهو مومن واتفق من اللغویین وغیرهم أن الایمان معناه التصدیق قال الله تعالیٰ قالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولو أسلمنا الایة.**

اور ایمان تصدیق اور تہذیب کو کہتے ہیں اب رہا ایمان پس وہ اٰمن یومن کا مصدر ہے اہل لغت اور دیگر اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان کے معنی تصدیق کے آتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اعرابیوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے ائے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم اسلمنا کہو۔(ج ا ص ۱۶۴)

شیخ الاسلام عارف باللہ امام محمد انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ ایمان سے متعلق لغوی بحث کرتے

ہوئے تحریر فرمایا: اب ایمان کے معنی سنئے کہ علماء نے کیا لکھا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ لفظ ایمان امن سے ماخوذ ہے جسکے معنی باب افعال میں لے جانے سے امن دینے کے ہوئے چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے" وامنھم من خوف "یعنی انکو خوف سے امن دیا۔ بیضاوی شریف میں ہے ایماں لغت میں تصدیق کو کہتے ہیں۔

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد سے کہا تھا:" وما أنت بمومن لنا ولو کنا صادقین "۔یعنی آپ ہماری تصدیق نہ کروگے اگر چہ کہ ہم صادق ہیں۔دراصل ایمان بمعنی تصدیق بھی امن ہی سے ماخوذ ہے اس لئے کہ باب افعال میں لے جانے سے اس کے معنی امن دینے کے ہوئے اور ظاہر ہے جو کوئی کسی کی تصدیق کرتا ہے گویا اسکو تکذیب اور مخالفت سے امن دیتا ہے اور بے فکر کردیتا ہے کذا فی الکشاف وغیرہ (مقاصد الاسلام ج ا ص ۷۲/۷۳)

ایمان کا اصلاحی معنی

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف یوں کی ہے:

والایمان ھو الاقرار باللسان والتصدیق بالجنان

ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔(عقیدۃ الطحاوی ص۱۲)

حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ علیہ الرحمہ ایمان کا اصطلاحی معنی اور اس کا مصداق ومفہوم طئے کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

یہ تو ایمان کے معنی تھے اب اس کے مصداق کا حال بھی معلوم کر لیجئے عمدۃ القاری شرح بخاری میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اور تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اہل قبلہ ایمان کے مسئلہ میں چار فرقے میں ہوگئے۔ ایک مذہب محققین جس کو امام اشعری اور اکثر ائمہ نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں جسکا علم بالضرورۃ ہوگیا ہے اس کی تصدیق جازم کا نام ایمان ہے خواہ دلیل سے وہ تصدیق حاصل ہو یا بغیر دلیل۔

دوسرے فرقہ کا قول ہے کہ ایمان عمل زبان کا نام ہے۔

تیسرے فرقہ کا قول ہے کہ ایمان عمل قلب ولسان کے مجموعہ کا نام ہے۔

پھر اس میں یہ اختلاف ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور عامہ فقہاء اور بعض متکلمین کہتے ہیں کہ ایمان اقرار اور معرفت کی توجیہ اکثر نے یہ کی ہے اور وہی اصح ہے کہ وہ اعتقاد جازم ہے خواہ وہ تقلیدی ہو یا دلائل سے حاصل ہو۔

چوتھے فرقے کا قول ہے کہ ایمان فعل قلب ولسان و جوراح ہے۔

(مقاصد الاسلام، ج:ا ص:۷۷،۷۸،۷۹)

موجودہ حالات میں امت مسلمہ کو چاہئے کہ اپنی ہر کمزوری دور کرے۔ تعلیمی وسیاسی سطح پر اور معاشی واقتصادی لحاظ سے استحکام ومضبوطی پیدا کرے۔ اخلاق انحطاط وپستی سے باہر

آئے،سلف صالحین کے کردار کونمونہ بنائے،امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے جیسا عظیم الشان فرض منصبی ادا کرے۔تعطل و جمود کو پس پشت ڈال کر حرکت ونشاط کے ساتھ بلکہ تحریک وتنظیم کے ساتھ آگے بڑھے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان حالات کو تبدیل فرمائے گا۔

ارشاد ہے:اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ

یقیناً اللہ اس قوم کی حالت تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ اپنے آپ کو نہ بدلیں۔

موجودہ حالات میں ایمان کا تحفظ کیسے کریں

اس سلسلہ میں امت مسلمہ پر کئی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جسے انفرادی اور اجتماعی طور پر انجام دینے اور اس کا پابند رہنے کی ضرورت ہے۔ان میں سے بعض اہم امور کو ذکر کیا جاتا ہے۔

(ا)ایمان کو اہمیت دی جائے:

ایک مومن کے لئے ایمان کی دولت جائیداد وکاروبار سے زیادہ عزیزتر ہونی چاہئے،خاندان وقبیلہ سے زیادہ پسندیدہ ہونی چاہئے،یہاں تک کہ جان سے زیادہ محبوب ہونی چاہئے۔چنانچہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے: **عن ابی رزین العقیلي ......قال یا رسول اللہ وما الإیمان قال أن تشھد أن لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریک لہ وأن محمدا عبدہ ورسولہ وأن یکون اللہ ورسولہ أحب إلیک مما سواھما وأن تحرق فی النار أحب إلیک من أن تشرک باللہ وأن تحب غیر ذی نسب لا تحبہ إلا للہ عز وجل فإذا کنت کذلک فقد دخل حب الإیمان فی قلبک کما دخل حب الماء للظمآن فی الیوم القائظ .**

ابورزین عقیلی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایمان کی کیا تعریف ہے۔آپ نے فرمایا تم یہ شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بیشک (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اللہ اور اس کا رسول تمہیں ان کے ماسوا سے محبوب ہو۔اور تمہارے نزدیک آگ میں جل جانا اس سے زیادہ پسندیدہ ہو کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرو اور تم کسی عمدہ نسب والے کے غیر سے صرف اللہ عزوجل کے سبب سے محبت کرو سو تم جب اس طرح ہو جاؤ گے تو تمہارے دل میں ایمان کی محبت اس طرح داخل ہو جائے گی جس طرح شدید گرمی کے دن میں پیاسے کے دل میں پانی کی محبت داخل ہوتی ہے۔(مسند احمد،ج:۲۶،ص:۱۱۳)

اسی طرح امام احمد نے روایت بیان کی ہے: **عن معاذ قال أوصانی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ**

وسلم -بعشر كلمات .قال لا تشرك بالله شيئا وإن قتلت وحرقت ولا تعقن والديك وإن أمراك أن تخرج من أهلك ومالك ولا تتركن صلاة مكتوبة متعمدا فإن من ترك صلاة مكتوبة متعمدا فقد برئت منه ذمة الله ولا تشربن خمرا فإنه رأس كل فاحشة وإياك والمعصية فإن بالمعصية حل سخط الله عز وجل وإياك والفرار من الزحف وإن هلك الناس وإذا أصاب الناس موتان وأنت فيهم فاثبت وأنفق على عيالك من طولك ولا ترفع عنهم عصاك أدبا وأخفهم في الله.

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی نصیحت کی۔آپ نے فرمایا (۱) اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا خواہ تم کو قتل کردیا جائے یا جلادیا جائے۔(۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا خواہ وتم کو یہ حکم دیں کہ تم اپنے مال اور اہل سے نکل جاؤ۔(۳) فرض نماز ترک نہ کرنا کیونکہ جس نے فرض نماز ترک کی وہ اللہ کے ذمہ سے بری ہوگیا۔(۴) شراب نہ پینا کیونکہ وہ ہر بے حیائی کی اصل ہے۔(۵) اللہ کی نافرمانی سے ڈرنا کیونکہ نافرمانی سے اللہ کی ناراضگی حلال ہوجاتی ہے۔(۶) میدان جہاد سے پیٹھ نہ پھیرنا خواہ لوگ ہلاک ہورہے ہوں۔(۷) اور جب لوگوں پر موت آرہی ہو اور تم بھی ان لوگوں میں ہو تو ثابت قدم رہنا۔ (۸) اپنے اہل وعیال پر اپنے مال سے خرچ کرنا۔(۹) ان کو ادب سکھانے کیلئے ان کے اوپر اپنی لاٹھی بلند نہ کرنا۔(۱۰) ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا۔ (مسند امام احمد ،ج:5،حدیث:21570)

انسانی تاریخ شاہد ہے کہ کسی قوم کا عروج وزوال خوشحالی و بدحالی عزت وذلت کیلئے اس کے آپسی اتھادواتفاق واختلاف وانتشار کا بڑا رول ہوتا ہے۔

موجودہ حالات میں مسلمان انتہائی نازک دور سے گزر رہے ہیں اور اپنی بقاء کیلئے جدوجہد کررہے ہیں۔ان حالات کے پیش نظر آپسی تنازعات کو ختم کرتے ہوئے امت کا اتحاد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے تاکہ ذلت ورسوائی کی پستیوں سے نکل کر ترقی وعروج کی بلندیوں کو دوبارہ حاصل کرسکے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم. اورتم آپس میں تنازع مت کرو، پس تم بزدل ہوجاؤگے اور تمہارا بھرم ختم ہوجائے گا۔(سورۃ الانفال، آیت نمبر:46)

اور سورہ آل عمران میں ارشاد ہے: واعتصموا بحبل الله جميعا ولاتفرقوا اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو۔(سورۂ آل عمران، آیت:103)

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ طبری رقم طراز ہیں:"أما الحبل فانه السبب الذي يوصل به الى

البغية والحاجة...... حبل الله المتين الذى أمره به ان يعتصم به: هذا القرآن۔

عن عبدالله رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هذا القرآن هو حبل الله المتين وهو النور المبين وهو الشفاء النافع عصمة عن تمسک به و نجاة لمن اتبعه۔

اب رہا حبل (لغۃ) یقیناً وہ سبب ہے جو مقصد اور ضرورت تک پہنچائے۔آیت کریمہ میں حبل کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: اللہ کی مضبوط رسی جس کو تھامنے کا حکم دیا گیا وہ قرآن مجید ہے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے اور واضح نور ہے اور نفع بخش شفاء ہے جو اس کو تھام لے اس کیلئے حفاظت ہے اور جو اس کی اتباع کرے اس کیلئے نجات ہے۔آج امت مسلمہ نے قرآن شریف کے ساتھ اپنا تعلق مستحکم نہیں رکھا ہے جس وجہ سے یہ ذلت وخواری مقدر بن رہی ہے۔(تفسیر طبری، ج:7،ص:70/71)

علامہ اقبال نے کہا تھا:

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلمان ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہوکر

امام بغوی نے حبل اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: وقال ابن مسعود هو الجماعة و قال عليكم بالجماعة فانها حبل الله الذى امر له.

امرنا الله تعالىٰ بالاجتماع على الاعتصام بالكتاب والسنة اعتقادا و عملا وذلک سبب اتفاق الكلمة وانتظام الشتات الذى يتم مصالح الدنيا و الدين.

اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حبل سے مراد جماعت ہے اور فرمایا کہ جماعت کو لازم کرلو کیونکہ وہ اللہ کی رسی ہے جس کا اللہ نے حکم فرمایا ہے۔

ولاتفرقوا کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اتفاق واتحاد اور عملاً کتاب وسنت کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں ہمارے اتحاد کا صرف یہی سبب ہے اور صرف اسی طرح اتحاد و اتفاق کی نعمت میسر آسکتی ہے جس سے ہمارے دین و دنیا کے حالات سنور سکتے ہیں۔(تفسیر البغوي، ج:2،ص:78)

اتحاد کی اسی اہمیت کے پیش نظر وطن عزیز میں تمام مسلمان بلا لحاظ مسلک ومشرب ساتھ آنے کی ضرورت ہے۔

اور مسلمان اپنے مطالبات منوانے کیلئے سیکولر ذہن کے حامل برادارن وطن کو بھی ساتھ لیں اور ان کے ساتھ محبت کی فضاء کو عام کرنے کیلئے پرنٹ والکٹرانک اور سوشیل میڈیا کا بھی سہارا لیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت والی تعلیم اور قرآن پاک کے امن والے پیغام کو ان میں عام کریں کیونکہ مخالف

طاقتیں اسی میڈیا کے ذریعہ نفت پھیلا رہی ہیں ضروری ہے کہ اسی کے ذریعہ سے امن وسلامتی اخوت و بھائی چارگی کو عام کیا جائے۔ کیونکہ یہ آج بہت بڑا ہتھیار ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: ''**واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ**''. اورتم ان کیلئے جتنی ممکنہ قوت ہوسکتی ہے اس کے ذریعہ تیاری کرو۔ (سورۃ الانفال، آیت نمبر:6)

وطن عزیز کی فضاؤں میں جب ہمدردی وغمگساری، رحمت و مہربانی کی ہوائیں چلنے لگیں گی تو یقینی طور پر نفرت وعداوت، تشدد وتعصب کے سیاہ بادل چھٹ جائیں گے۔

اس عظیم کام کیلئے وعظ وحکمت جہد مسلسل اور یقین مستحکم اور جذبۂ ایمانی کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
عقابی روح جب بیدا ہوتی ہے نوجوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو منزل آسمانوں میں

موجودہ حالات میں وطن عزیز میں بقاء امن اور اس کی ترقی کیلئے اتحاد واتفاق کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے زین الفقہاء مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی خلیل احمد صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ نے روزنامہ اعتماد کے اسلامک ایڈیشن نور بصیرت میں تحریر فرمایا کہ

''ہندوستان کی ترقی اسی بات میں مضمر ہے کہ یہاں رہنے بسنے والی تمام قومیں متحد ہوں اور ملک کی ترقی کیلئے مشترکہ جدوجہد کریں۔ اتحاد کیلئے ضروری ہے کہ ہر قوم اپنے آپ کو یہاں ہر اعتبار سے آزاد متصور کرے اس کو کسی کی جانب سے دباؤ یا ظلم کا اندیشہ نہ ہو کسی بھی مرحلہ میں اس کے انسانی یا مذہبی حقوق متاثر نہ ہوں۔ آپسی اتحاد کی یہ اصل بنیاد ہے۔ اس کے برخلاف کسی قوم میں اندیشے شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں تو سامنے والے سے اتحاد کرنے میں بھی گریز کرتا ہے۔ اوراشتراک و تعاون میں بھی محتاط رویہ اپناتا ہے تمام ہندوستانیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے ملک کی ترقی کیلئے اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کریں''۔

توبہ واستغفار کیا جائے!

موجودہ حالات میں مسلمان جب تک رجوع الی اللہ نہیں ہوں گے اور رب سے اپنے ربط وتعلق کو مستحکم نہیں کریں گے اس وقت تک اپنی کھوئی ہوئی عزت ووقار کو حاصل نہیں کرسکتے۔

جب بندہ مومن کا تعلق رب سے مضبوط و مستحکم ہوگا تو اس پر چاہے کتنی بڑی مصیبت آجائی وہ گھبراتا نہیں۔

بندہ کا رابطہ اپنے رب سے جتنا مضبوط ہوگا وہ اسی قدر نصرت وغلبہ سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب نبی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے بچا کر لیجارہے تھے تو ان کے سامنے بحر احمر آگیا اور پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کررہا تھا جب بنی اسرائیل نے فرعون اور اس کے لشکر

وک دیکھا اور کہا کہ ہم کو پکڑ لیا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہرگز نہیں! اللہ میرے ساتھ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَلَمَّا تراءَ الجمعان قال اصحاب موسى انا المدركون قال كلا ان معى ربى سيهدين.** (شعراء، آیت: 21/22)

پس دو گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھیوں نے کہا ہم تو یقیناً پکڑ لے گئے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔

جب اس طرح مومن کا یقین کمال درجہ پر ہوتا ہے تو اللہ کی مدد و نصرت اسے حاصل ہوتی ہے۔

مسلمانوں کو کثرت سے توبہ و استغفار کرنا چاہئے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ توبہ و استغفار کو پسند فرماتا ہے۔ اس سے رحمت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا میں فراخ دستی، خوشحالی نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں کامیابی و فیروزمندی میسر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہا السلام کی زبانی فرمایا: **فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا، يرسل السماء عليكم مدرارا، و يمددكم باموال و نبين و يجعلكم جنت و يجعل لكم انهارا۔**

پس میں نے کہا: تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، یقیناً وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا اور تمہاری اموال و اولاد سے مدد فرمائے گا، اور تمہارے لئے باغات و نہریں بنا دے گا۔ (سورۃ نوح، آیت: 10 تا 12)

دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی بنیادی تعلیم کی ضرورت:

موجودہ عصری تعلیمی اداروں میں بتدریج ایسا نصاب نافذ کیا جا رہا ہے جس سے مسلم طلبہ دنیوی علوم وفنون میں تو مہارت حاصل کرتے ہوئے ترقی کے مدارج طئے کر رہے ہیں لیکن ان میں نہ صرف اخلاق و کردار کا فقدان پایا جا رہا ہے بلکہ اُنہیں غیر محسوس طریقہ سے ان کو اس نصاب کے ذریعہ سے ایمان سے بھی دور کیا جا رہا ہے۔

تعلیم درس و تدریس کا ہی نام نہیں ہے بلکہ ایک ایسا کام ہے جو طلبہ کو خود شناسی و خدا شناسی کا درس دے اور دین کے اساسی عقیدہ کو ان میں راسخ کرے اور یہ کام اس وقات تک ناممکن ہے جب تک دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم سے اُنہیں روشناس نہ کرایا جائے اور ایمانیات سے دور کرنے والے تعلیمی اداروں سے ان کو دور نہ رکھا جائے ایسی تعلیم کا کیا فائدہ جو طلبہ کو ان کے مطلوبہ دنیوی علوم میں ماہر اور زمانہ شناس تو بنا دے مگر خدا شناس نہ بنائے۔ اس پر مستزاد یہ کہ دین سے غافل بلکہ گریزاں بنا دے۔

اسی لئے ضروری ہے کہ عصری تعلیم کے ساتھ اپنے طور پر بچوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں، یہ مسلمانوں کی

ذمہ داری ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے:

جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ

ایمان کی حفاظت کے حوالہ سے حضرت شیخ الاسلام کی نصیحت

اس سلسلہ میں حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ علیہ الرحمہ نے گرانقدر نصیحت فرمائی ملاحظہ ہو:

جولوگ اسلامی علوم اور دینی شعور وآگہی سے نابلد ہیں وہ تو ناواقف وناآشنا ہیں لیکن کچھ عصری تعلیم یافتہ افراد جہل مرکب میں مبتلا ہیں وہ دینی معاملات و اسلامی امور میں اپنی ایک رائے رکھتے ہیں۔ انہیں اپنی لاعلمی یا کم علمی کا ادراک و احساس نہیں۔ تمام اہل اسلام کو چاہئے کہ اسلام کی بنیادی تعلیم سے واقف ہوں اور اس سلسلہ میں پختہ ومستند علماء سے استفادہ کریں اور ہر طرح کے لٹیریچر کو پڑھنے سے احتیاط برتیں اور ہر کس وناکس کی بات ماننے سے پرہیز کریں۔

''اس زمانہ میں مسلمانوں کو اس قدر ضرورت ہے کہ نہ ایسی تفسیریں دیکھیں نہ اس قسم کی تفسیریں سنیں جس سے شک پیدا ہو بلکہ دعا کریں خدائے تعالیٰ ہم کو اور ان کو ہدایت کرے اور وہ ایمان واسلام عطا فرمائے جو باعث نجات اخروی ہو۔ و ما توفیقنا الا باللہ۔ (مقاصد الاسلام، ج:1،ص:139/140)

عصر حاضر میں حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی نصیحت کی اہمیت وافادیت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ موجودہ زمانہ انتہائی ترقی یافتہ کا زمانہ ہے۔ ٹکنالوجی کے توسط سے مختلف قسم کے ذرائع ابلاغ نے وسیع وعریض دنیا کو ایک گلوبل ولیج میں تبدیل کردیا ہے۔ انہی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اسلامی معاشرے میں نت نئے بھی فتنے تیزی سے پھیل رہے ہیں جو نہ صرف اعمال صالحہ سے دوری کا سبب بن رہے ہیں بلکہ ایمان سے دوری کا باعث بھی بن رہے ہیں۔ اس لئے سوشیل میڈیا کا استعمال محتاط طریقے سے کرنا چاہئے جس سے اسلامی تہذیب و تمدن بھی باقی رہے اور ایمان کا بھی تحفظ ہو۔

حکمت وحسن تدبیر اور جرأت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ تیز وتند ومخالف ہوائیں چاہیں جتنی تیز ہوں ان کا رخ موڑ کر اپنے موافق بنانا وقت کا تقاضہ ہے۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا ائے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کیلئے

اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں

موجودہ حالات میں مسلمان اپنے معاملہ کو پہلے اللہ رب العزت کے حوالہ کریں اور پھر حکمت وحسن تدبیر اختیار کریں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:''و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ''. اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس

کوکافی ہوجاتا ہے۔(سورۃ الطلاق،آیت:3)

اس جیسے پُرآشوب حالات میں امت مسلمہ کیلئے قرآن کریم نے ڈھارس بنادھی ہےاوران کوپست ہمت ہونے سے بچایاہے۔

ارشادہے:''ولاتھنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون إن کنتم مؤمنین''.

اورتم ہمت مت ہارواورنہ غم کرواورتم ہی بلندرہوگےاگرتم سچےمومن ہو۔(سورۃ آل عمران،آیت:139)

موجودہ حالات میں مسلمانوں کو چاہئیے کہ برادران وطن کو ساتھ لےکرآگے بڑھیں،ان کےشانہ بشانہ ہوکرچلیں،بحیثیت ہندوستانی ایک دھارے میں آئیں،تمام ہندوستانی 'اتحاد واتفاق کے ساتھ اپنے جائزحقوق کو حاصل کرنے کے لئے اجتماعی جدوجہد کریں،شہریوں کو آئین ہند میں دئے گئے اختیارات کااستعمال کرتے ہوئے اپنے بات منوائیں۔

ایمان کی حفاظت کے حوالہ سے حضرت شیخ الاسلام کی نصیحت

''جولوگ اسلامی علوم اوردینی شعوروآگہی سے نابلد ہیں وہ تو ناواقف ونا آشنا ہیں لیکن کچھ عصری تعلیم یافتہ افراد جہل مرکب میں مبتلا ہیں وہ دینی معاملات واسلامی امور میں اپنی ایک رائے رکھتے ہیں۔انہیں اپنی لاعلمی یا کم علمی کا ادراک و احساس نہیں۔تمام اہل اسلام کو چاہئے کہ اسلام کی بنیادی تعلیم سے واقف ہوں اوراس سلسلہ میں پختہ ومستند علماء سے استفادہ کریں اورہرطرح کےلٹیریچرکو پڑھنے سے احتیاط برتیں اورہرکس وناکس کی بات ماننے سے پرہیز کریں۔

''اس زمانہ میں مسلمانوں کواس قدرضرورت ہے کہ نہ ایسی تفسیریں دیکھیں نہ اس قسم کی تفسیریں سنیں جس سے شک پیدا ہوبلکہ دعاکریں خدائے تعالیٰ ہم کواوران کو ہدایت کرےاوروہ ایمان واسلام عطافرمائے جوباعث نجات اخروی ہو۔ و ما توفیقنا الا باللہ. (مقاصدالاسلام،ج:1،ص:139/140)

عصرحاضرمیں حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی نصیحت کی اہمیت وافادیت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ موجودہ زمانہ انتہائی ترقی یافتہ کازمانہ ہے۔ٹکنالوجی کےتوسط سےمختلف قسم کے ذرائع ابلاغ نے وسیع وعریض دنیا کوایک گلوبل ویلج میں تبدیل کردیا ہے۔انہی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اسلامی معاشرے میں نت نئے بھی فتنے تیزی سے پھیل رہے ہیں جو نہ صرف اعمال صالحہ سے دوری کا سبب بن رہے ہیں بلکہ ایمان سے دوری کا باعث بھی بن رہے ہیں۔اس لئے سوشیل میڈیا کا استعمال محتاط طریقے سے کرنا چاہئے جس سے اسلامی تہذیب وتمدن بھی باقی رہےاورایمان کا بھی تحفظ ہو''۔

موجودہ حالات
اور سیرت طیبہ سے رہنمایانہ خطوط

ڈاکٹر سعید بن مخاشن، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی؛ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

''ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ''.(سورۃ الصف:۹)

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے اور نسل انسانی کو درپیش ہونے والے تمام مراحل، حالات اور حوادث میں مکمل رہبری اور رہنمائی کرتا ہے۔

زمانہ رفتہ کی تاریخ کے اوراق اور ترقی یافتہ ممالک کے کارنامے اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جس قوم وملت نے چاہے اسلام کے پیروکار ہو یا نہ ہو اسلامی اصول وضوابط کو اپنا حرز جاں بنایا، اسلام کے آفاقی قوانین کی پیروی کی اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے زندگی گذاری تو اس کی مقدر کا ستارہ روز روشن کی طرح چمکدار ہوکر قابل رشک بن گیا اور اسکی عظمت وسطوت کے چرچے چہار سے ہونے لگے اور کامیابی وکامرانی اس کے قدم چومنے لگی۔

اسلامی احکامات، اصول وضوابط اور اس کے آفاقی پیغام کی جامع تفسیر اور عملی تشریح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ ہے، جس کا ہر پہلو اور ہر گوشہ نسل انسانی کی بقا اور عروج کیلئے ایک جامع رہبر اور رہنما ہے۔

انسانیت پر مبنی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کوئی بھی انسانی معاشرہ اس وقت تک خوشحال اور مستحکم نہیں ہوسکتا جب تک اس میں عدل ومساوات اور امن وسلامتی قائم نہ ہو۔ اور اس کے تمام افراد اور طبقات یکساں اور مساوی درجہ کے حامل نہ ہوں۔ اگر معاشرہ میں کمزور اور پسماندہ افراد اور طبقات کے ساتھ حق تلفی کی جائے اور ان کے حقوق ادا نہ کیے جائے اور وہ معاشرے میں محفوظ اور مامون تصور نہ کرے تو ایسا انسانی معاشرہ مستحکم اور خوشحال نہیں رہ سکتا ہے۔

سیرت طیبہ کا درخشاں پہلو انسانوں کی اصلاح:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ نہایت فراخ دل اور کشادہ ظرف تھی، آپ کے سینہ میں ہمیشہ محبت کا دریا موجزن ہوتا، اور اس محبت سے دوست دشمن سب سیراب ہوتے۔ بڑے بڑے دشمن کیلئے بھی کبھی آپ نے انتقام کا جذبہ نہیں رکھا، ہر ایک کے ساتھ ہمیشہ شفقت، غمخواری اور دردمندی کا معاملہ کیا۔

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلان نبوت فرما کر شرک کے خرافات واباطیل کا پردہ چاک کرنا اور بتوں کی حقیقت اور قدر و قیمت کو آشکار کرنا شروع کیا تو آپ کی دعوت کے خلاف سرداران قریش اس بات پر متحد ہوگئے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے جوروتشدد اور ظلم وستم کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔ ظلم وستم کے پہاڑ، بطور تعبیر نہیں بلکہ حقیقتا، توڑے جانے لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر پرشکوہ، باوقار، بارعب اور محترم شخصیت کے مالک تھے، لیکن کفاران مکہ نے آپ کی شخصیت مبارکہ کو تحقیر، تکذیب اور استہزاء کا نشانہ بنایا کبھی۔ ''**وقال الکافرون ھذا ساحر کذاب**'' (۴:۳۸) کہا، تو کبھی ''**ویقولون انہ لمجنون**'' (۵۱:۶۸) کہا۔ مزید برآں انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات مبارکہ کو بھی اپنی باطل سرگرمیوں کا نشانہ بنایا، کبھی ''**اساطیر الاولین اکتتبھا**'': یہ گذرے ہوے لوگوں کے افسانے ہیں جنھیں آپ نے لکھوایا ہے (۲۵:۵) کہا، تو کبھی ''**ان ھذا الا افک افتراہ**'': یہ محض جھوٹ ہے جسے آپ نے گھڑا ہے (۲۵:۴) اور بسا اوقات'' **انما یعلمہ بشر**: اس (قرآن) تو آپ کو ایک انسان سکھاتا ہے۔ جیسے کلمات ادا کرنے سے بھی باز نہیں آئے۔

آپ کے قرابت دار مثلا ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل، پڑوسی اور ہمسایہ مثلا عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء ثقفی، ابن الاصداء ہذلی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف اور ایذا پہنچانے میں کوئی حد باقی نہیں رکھی. آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ اور دروازہ پر کانٹے دال دیے جاتے، آپ کو پتھر مارے جاتے جس سے آپ کی ایڑیاں خون آلود ہوجاتی، آپکی شہزادیوں کو طلاق دلوائی گئی۔ آپ جب نماز ادا کرتے تو بکری کی بچہ دانی تو کبھی اونٹ کی اوجھڑی آپ پر دالی جاتی۔ چولھے پر ہانڈی چڑہائی جاتی تو بچہ دانی اس طرح پھینکتے کہ سیدھے ہانڈی میں جاگرتی۔ ان تمام ایذارسانیوں اور اذیتوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا نمایاں پہلو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم واستبداد اور برائی کے خلاف حتی الامکان ''اصلاح'' کی کوشش فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ قریش اور شہریان مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر کس قدر ظلم کے پہاڑ توڑے، ظلم وبربریت کی کونسی قسم ہے جو انہوں نے اٹھا رکھی؟ بے رحمی اور سنگدلی کی کون

سی روایت ہے جو انہوں نے نہیں دہرائی؟ وہ آپ کی دشمنی میں شرافت اورانسانیت کی ساری حدیں پھاند گئے۔

انہوں نے مکہ میں آپ کا سماجی بائیکاٹ کیا،ماہ دوماہ نہیں،سال دوسال نہیں،مکمل تین سال تک آپ اورآپ کے ساتھی شعب ابی طالب میں محصور رہے۔اس وقت انہوں نے آپ کواورآپ کےساتھیوں کودانے دانے کیلئے ترسادیا۔

پھرہجرت کے موقع پرانہوں نے ننگی تلواریں لیکرآپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔وہ ساری رات گھر کوگھیرے رہے اس انتظار میں کہ آپ گھر سے باہر نکلیں اور وہ سب یکبارگی خوں آشام تلواروں کے ساتھ آپ پرٹوٹ پڑیں۔پھر وہ کتنی بار پورے لاؤلشکر کےساتھ مدینہ پرحملہ آور ہوئے،اور ہر بار ان کی یہی تمنا رہی کہ وہ آپ کے مبارک لہو سے اپنے سینے کی آگ بجھائیں۔

جب اس پوری تاریخ ظلم وستم کوسامنے رکھتے ہیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کی شان کریمی اس طور پر جلوہ گر ہوتی ہے کہ جب یہی خون کے پیاسے اور ایذا دہندہ دشمن فتح مکہ کے موقعہ پرانتہائی بےبسی کے عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نہایت فراخ دلی اور کشادہ ظرفی کا معاملہ فرمایا کیونکہ اس وقت بھی ان تمام کی اصلاح ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھی۔وہ لوگ جو برسہا برس سے آپ کوصفحۂ ہستی سے مٹادینے کے درپے رہے ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کواپنے دامن شفقت میں لے لیتے ہیں،ان سب کو جاں بخشی کا مژدہ سناتے ہیں،نہایت جاں نواز تبسم کے ساتھ فرماتے ہیں:''**اذھبوا فانتم الطلقاء**'' جاؤ،تم آزاد ہو''.(**سنن کبری للبیھقی ، کتاب الاشربة والحد فیھا،باب جواز انفراد الرجل والرجال بالغزو**)''**لاتثریب علیکم الیوم** '' آج تم پرکوئی ملامت نہیں(**سنن کبری للبیھقی،کتاب الاشربة والحد فیھا،باب جواز انفراد الرجل والرجال بالغزو**).''**الیوم یوم المرحمة**'' آج کادن درگزراوررحم کادن ہے(کنزالعمال:۳۰۱۷۳)

جنگ احد میں کفاران قریش اورمشرکین مکہ نے آپ کے بہت سے جاں نثاروں کےشہید کردیا جن میں آپ کےانتہائی عزیز اورمحبوب چچا حضرت حمزہ بھی شامل ہیں،نہ صرف ان کو شہید کیا بلکہ ان کے جسد مبارک کی بےحرمتی کی ،ان کےجسم کے اعضاء کاٹ ڈالے،ان کا جگر چبا کرتھوک دیا۔اس دل دہلادینے والےخوفناک منظرکودیکھنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی، ہرایک رنج والم میں مبتلا ہوگیا۔

اس کرب انگیز موقعہ پرکیا کسی سے خیرخواہی اورہمدردی کی امید کی جاسکتی تھی؟ ہرگز نہیں ، درحقیقت شہداء کا منظرتھا ہی بڑادلدوز تھا،مگراس موقعہ پربھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں کوحرکت ہوتی ہے،سننے والوں نے یہ سنا کہ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم ان ظالموں کے حق میں اصلاح اور خیر کی دعا فرمارہے ہیں: ''**رب اغفر لقومی فانہم لایعلمون** ''خدایا میری قوم کومعاف فرما، یہ نہیں جانتے ہیں۔(مسلم: کتاب الجھاد والسیر ، باب غزوۃ احد)

طائف کے سفر میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے ،حضرت جبریل ملک الجبال کے ساتھ حاضر ہوئے اور ظالموں کی پوری بستی کو دو پہاڑوں ابوقبیس اورقیقعان کے درمیان ہلاک کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ پیکر شفقت اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''**بل ارجو ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبداللہ وحدہ لا یشرک بہ شیئا** ''نہیں، بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی آئندہ نسلوں میں ایسے لوگ پیدا کریگا جوخدائے واحد کے پرستاراور شرک سے بے زار ہوں گے۔(بخاری: **کتاب بدء الخلق،باب اذاقال احدکم آمین،والملائکۃ فی السماء،فوافقت احداھماالاخری غفر لہ ما تقدم من ذنبہ. مسلم: کتاب الجھاد والسیر،باب لقی النبی ﷺ من اذی المشرکین والمنافقین**)

قبیلہ بنی عدی کے ایک خانوادے بنی مؤمل کی ایک باندی مسلمان ہوئی تو حضرت عمر۔جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔اس قدر مارتے تھے کہ کہ مارتے مارتے خود تھک جاتے تھےاوراس کے بعد کہتے تھے کہ ''میں نے تجھے (کسی مروت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض) تھک جانے کی وجہ سے چھوڑا ہے''(ابن ہشام:۱/۳۱۹)

ابوجہل کی اسلام دشمنی کے واقعات سب پر عیاں ہے اس نے ایذاء رسانی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔اس کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کریمانہ اور اقدار فاضلانہ سے ان کی اصلاح فرماتے ہوئے ان کے حق میں دعائے خیر فرمایا: ''**اللھم اعز الاسلام باحب الرجلین الیک: بابی جھل اوبعمربن الخطاب**'' اے اللہ عمر بن خطاب اورابوجہل میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعہ سے اسلام کوقوت پہنچا(محمد بن عیسی الترمذی: جامع ترمذی،کتاب المناقب)

ان تمام واقعات کی روشنی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا درخشاں پہلو یہ ہے کہ آپ بندگان خدا کی اصلاح اور ہدایت کیلئے ہمیشہ مضطرب رہتے،آپ انھیں راہ راست پر لانے کیلئے ہرآن بےقرار رہتے۔آپ کی اس بے قراری کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ نے مکہ ایک ایک فرد کے دروازہ پر پہنچ کراسے قبول حق کی دعوت دی۔قریش کے سرداروں کوبھی دعوت،مکہ کے غریبوں اور غلاموں کوبھی دعوت دی،مشرکین کی طرف سے ہرطرح کی مخالفت ہوئی،ہرطرح سے حوصلہ شکنی اور دل آزاری ہوئی،روحانی اور جسمانی ہرطرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں،مگرآپ مایوس نہ ہوئے،مایوس ہونا تو درکنارآپ کی دردمندی اور بےقراری بڑھتی گئی۔

صحابہ کرام کی ثابت قدمی: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ پر اہل ستم کی چیرہ دستیاں ناقابل یقین حد تک تکلیف دہ ہیں،انھیں ایسی ایسی کربناک اور وحشتناک اذیتیں دی گئی جن کا ایک مہذب اور متمدن معاشرہ تو درکنار ایک جاہل معاشرہ بھی تصور نہیں کرسکتا ہے۔حضرت عثمان بن عفان کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیا جاتا۔حضرت مصعب بن عمیر جن کی پرورش بڑے ناز ونعمت میں ہوئی تھی،گھر سے نکال دیا گیا اور دانہ پانی بھی بند کردیا گیا۔حضرت بلال کو گلے میں رسی ڈال کر مکے کے پہاڑوں میں گھمایا جاتا اور گرمی شباب میں مکہ کے پتھریلے کنکروں پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھے جاتے۔حضرت عمار اور ان کے والدین پر قیامت خیز مصائب توڑے گئے۔حضرت فکیہہ کے پاؤں کو رسی سے باندھ کر گھسیٹا جاتا۔حضرت خباب کو دہکتے ہوئے انگاروں لٹا کر پتھر رکھدیا جاتا۔بعض صحابہ کو اونٹ اور گائے کی کچی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیا جاتا تو بعض صحابہ کو لوہے کے زرہ پہنا کر جلتے ہوئے پتھر پر لٹا دیا جاتا۔

ان سفاکانہ اور بے رحمانہ مظالم کے واقعات میں ایک پہلو جو سب سے نمایاں نظر آتا ہے وہ یہ کہ صحابہ کرام ان تمام مظالم کے باوجود انتہائی حد تک ثابت قدم رہے اور ان کے پائے استقلال میں کوئی جنبش بھی پیدا نہ ہوئی،اور ظلم وستم کے پہاڑ صحابہ کرام کے صبر اور ثابت قدمی کے سامنے خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے اور قدرت نے انھیں ایمان واستقامت کا کوہ گراں ثابت کردیا۔خدا کی ذات پر ان کا ایمان اور مضبوط ہوگیا،ایمان محکم اور یقین جازم سے ان کے دل معمور ہوگئے۔اور قیامت تک آنے والوں کیلئے یہ درس دیدیا کہ مومن اپنے دین کی حقانیت ،ایمان کی حلاوت،اعتقاد کی صداقت اور یقین کی لذت کے سامنے مصائب اور مشاکل کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

جب مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کردیا گیا تو انھوں نے ان پیہم ستم رانیوں سے نجات کیلئے مختلف طریقے اپنائے جن میں ایک راستہ ''ہجرت'' تھا۔کیونکہ جب ظلم کو انتہا کو پہنچتا ہے تو مظلوم اپنی جان ومال،عزت وآبرو کی حفاظت کیلئے دوسرے مقام کا ارادہ کرتا ہے۔صحابہ کرام کی ایک جماعت جو بارہ مرد اور چار خواتین پر مشتمل تھی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اپنے جان ومال اور دین وایمان کی حفاظت کیلئے ایک پرامن جگہ حبشہ کیلئے ہجرت فرمائی جہاں شاہ حبش اصحمہ نجاشی ایک عادل بادشاہ تھا اور وہاں کے پرامن اور سلامتی کے ماحول میں جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی امید تھی۔اور دوسری مرتبہ کل ۸۲ یا ۸۳ آدمیوں نے اور اٹھارہ یا انیس عورتوں نے ہجرت کی۔

موجودہ حالات میں ہجرت کا حکم: بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ سیرت طیبہ سے ہجرت کا پہلو بھی نکلتا ہے یہ صحیح ہے لیکن اس پہلو پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ موجودہ حالات کے لحاظ سے کیا ہجرت ممکن ہے؟ اور جہاں ہجرت کرکے جانا

چاہتے ہیں کیا وہاں ایسی سہولت پائی جاتی ہے؟ جب یہ ممکن نہیں ہے تو صرف ہجرت کے پہلو کا سامنے رکھ کر کہنا مناسب نہ ہوگا۔

زمانہ رفتہ میں مختلف قبائل اور افراد نقل مکانی کرتے ہوئے ایک مقام سے دوسرے مقام رہائش اختیار کرتے تھے، مثلا اوس وخزرج کے قبائل یمن سے منتقل ہوکر یثرب یعنی مدینہ منورہ میں آباد ہوئے۔ دوسرے مقامات سے تعلق رکھنے والے حضرات کو بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رہنے کا موقعہ عنایت فرمایا۔ جیسا کہ حضرت صہیب رومی ''موصل'' کے باشندے تھے اوران کے والد ''ابلہ'' کے حاکم تھے، حالات کی ستم ظریفی کی وجہ سے جنگی قیدی بنا کر ''روم'' لے جایا گیا اور وہیں جوان ہوئے۔ حضرت سلمان فارسی کا تعلق سرزمین ایران سے تھا اور حضرت بلال، حبشی نژاد تھے اور سرزمین حبشہ سے آپ کا تعلق تھا۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ سابقہ زمانوں میں ہر انسان اور ہر قبیلہ آزادانہ طور پر ایک مقام سے دوسرے پرامن اور سلامتی والے ایسے مقام میں سکونت اختیار کرنے کا مجاز تھا جہاں اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے امکانات میسر تھے۔ کیونکہ اس دور میں بلاد عالم کو امن وسلامتی، آبادی اور پناہ گزینوں کے وہ سنگین مسائل درپیش نہ تھے جو آج کے زمانہ میں پائے جاتے ہیں، اور دنیا کے ترقی یافتہ ممالک ہوں یا عرب ممالک تمام کے تمام پناہ گزینوں کے مسائل کے سامنے بے بس اور عاجز نظر آتے ہیں اسی لئے تقریبا تمام ممالک نے ان کے سامنے اپنے دروازوں کو بند کردیا ہے اور کوئی بھی انھیں اپنے ملک میں قبول کرنے تیار نہیں ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ اس وقت تک ہجرت نہیں فرمائی جب تک وہاں کے حالات کشیدہ اور لوگ خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اور جب یثرب کے حالات تبدیل ہوگئے، مختلف قبائل آپس میں صلح کرنے لگے، امن وسلامتی عام ہونے لگی، عقیدہ وایمان اور جان ومال کے تحفظ کے امکانات واضح ہونے لگے اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد کی اس روایت میں مذکور ہے:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قبائل مدینہ کو اسلام کی دعوت دی جن میں بنی نجار، بنی زریق، بنی سالم، بنی عبدالاشھل اور بنی عمرو بن عوف کے بعض لوگ شامل تھے، جب انھوں نے اسلام کی دعوت حق کو قبول کیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمنعون لی ظهری حتی ابلغ رسالة ربی؟'' فقالوا: ''یارسول الله! نحن مجتهدون لله ولرسوله، نحن، فاعلم، اعداء متباغضون، انما كانت وقعة بعاث، عام الاول، یوم من ایامنا اقتتلنا فیه، فان تقدم ونحن كذا لا یكون لك علیك اجتماع، فدعنا حتی نرجع الی

عشائرنا لعل اللّٰہ یصلح ذات بیننا،وموعدک الموسم العام المقبل ''۔ابھی حالات پرامن نہیں ہیں،لڑائیاں اور خانہ جنگی جاری ہیں، جنگ بعاث واقع ہوئی ہے۔اگر آپ ان کشیدہ حالات میں (مدینہ منورہ تشریف) لائیں تو آپ کی بیعت پر سب کا اجتماع نہ ہوسکے گا،اسی لئے آپ آئندہ سال تشرف لائیں،اس عرصہ میں امید ہے کہ کشیدہ حالات پرامن ہوجائیں اور خانہ جنگی صلح میں تبدیل ہوجائے.

(محمد بن سعد: کتاب الطبقات، تحقیق: د.علی محمد عمر،طبعہ اولی،قاہرہ،مکتبہ خانجی، ج ا ص ۱۸۵)

جب مدینہ منورہ کے حالات پرامن ہونے لگے تو ابتداء آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو بطور معلم بھیجا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے۔

مذکورہ بالا امور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مسلمانوں کو حبشہ کی طرف جو ہجرت کی اجازت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ جو ہجرت فرمائی اس دور میں وہاں امن وسلامتی اور جان ومال کے تحفظ کے امکانات واضح تھے۔اور جہاں ایسی سہولتیں اور امکانات میسر نہ ہووہاں اپنے وطن ہی میں رہنے میں جو رکاوٹیں آرہی ہیں۔اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔اب دنیا کے موجودہ حالات میں اس کے امکانات نہیں پائے جاتے ہیں اس لئے ایک کثیر تعداد کا نقل مکانی کرنا ممکن نظر نہیں آتا ہے اگرچیکہ جزوی طور پر ایسے واقعات پائے جاتے ہیں۔اسی لئے مناسب یہی ہے کہ اپنے ہی وطن میں رہکر اپنے مذہب پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حالات کو حل کرنے کی پرامن طریقہ پر کوشش کی جائے اور اس کیلئے مسلسل جدوجہد کی بھی ضرورت پڑتی ہے اس کو اختیار کیا جائے یا اس کے علاوہ قانون کی روشنی میں جو راستہ نکل سکتا ہے اسے اختیار کیا جائے۔یہ کوشش پرامن اورحق وانصاف پر مبنی ہونی چاہیے کیونکہ کسی بھی مسئلہ کا حل صبر اور جدوجہد سے ہی نکلتا ہے.

اور دستور ہند جو تمام ملکی قوانین کا منبع ہے ہمیں، اپنے شہریوں کو،اس بات اجازت دیتا ہے کہ ہم آزادانہ طور پر اپنے مذہب اور مخصوص ثقافت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے زندگی گذار سکتے ہیں جیسا کہ آرٹیکل نمبر ۲۵ اور ۲۹ میں درج ہے:

خیالات اور دین کے آزادانہ اقرار،عمل اور تبلیغ کی آزادی

Article 25: Freedom of concience and free profession, practice and propagation of religion.

Article 25, Caluse (1): Subject to public order, morality and health and to the other provisions of this part, all persons are equally entitled to freedom of conscience and the right freely to profess, practise and propagate religion.

عوامی نظام،کردار،صحت اور اس حصہ کے دیگر اصول کے

تحت رہتے ہوئے ہر شخص کو خیالات کی آزادی اور دین کو آزادانہ طور پر اقرار،عمل،اور تبلیغ کرنے کا مساوی حق حاصل ہے

Article 29: اقلیتوں کے مفادات کاتحفظ protection of interests of minorities.

Article 29, Caluse (1): Any section of the citizens residing in the territory of India or any part thereof having a distinct language, script or culture of its own shall have the right to conserve the same.

ہندوستانی حدود یا اس کے کسی بھی حصہ میں رہنے والے شہریوں کا کوئی بھی طبقہ جس کی ایک مخصوص زبان،رسم الخط،یا اپنی خود کی ثقافت ہوتو انھیں ان کے تحفظ کا حق حاصل ہے

حلف الفضول:انسانیت پرمبنی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کوئی بھی انسانی معاشرہ اس وقت تک خوشحال اور مستحکم نہیں ہوسکتا جب تک اس میں عدل ومساوات اور امن وسلامتی قائم نہ ہو۔اوراس کے تمام افراد اور طبقات یکساں اور مساوی درجہ کے حامل نہ ہوں۔اگر معاشرہ میں کمزور اور پسماندہ افراد اور طبقات کے ساتھ حق تلفی کی جائے اوران کے حقوق ادا نہ کیے جائے اور وہ معاشرے میں محفوظ اور مامون تصور نہ کرے تو ایسا انسانی معاشرہ مستحکم اور خوشحال نہیں رہ سکتا ہے۔

مظلوموں کی دستگیری،عدل وانصاف اورامن وسلامتی کے قیام کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ لوگوں کو رغبت دلائی۔اس کا ایک روشن باب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلف الفضول جیسے مثالی معاہدہ میں شریک ہونا ہے۔جبکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک (بیشتر روایت کے مطابق)۲۰ برس تھی۔

حلف الفضول ظلم واستبداد کے خلاف اورعدل ومساوات کوعام کرنے کیلئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ۔۵۹۰ء اور ۵۹۵ء کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس میں چند قبائل قریش جن میں بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد بن عبدالعزی، بنی زہرہ بن کلاب اور بنی تیم بن مرہ ''عبداللہ بن جدعان'' کے مکان پر جمع ہوئے۔کیونکہ وہ سن وشرف میں ممتاز تھا۔اورآپس میں عہد وپیان کیا کہ:((۱) ہر مظلوم کی مدد اور حمایت کی جائیگی (۲) کسی کی حق تلفی کو برداشت نہیں کیا جائیگا (۳) مکہ میں ہر انسان کا چاہے وہ مقیم ہو یا مسافر تحفظ کیا جائیگا)'' مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئیگا،خواہ مکے کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا، یہ سب اس کی مدد اور حمایت میں اٹھ کھڑے ہونگے''۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت پرمبنی اس مثالی معاہدہ کو بعثت کے بعد بھی یاد رکھا اور اس کی تعریف کرتے ہوئے ارشادفرمایا:''ابن جدعان کے مکان میں جو معاہدہ طئے

پایا اس میں حاضری کے بدلے اگر مجھے سرخ اونٹ بھی مل جاتے تو میں پسند نہ کرتا'' (سیرت حلبیہ: ۱/۲۱۳)

اس تاریخی معاہدہ کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر (دور) اسلام میں اس عہد و پیمان کے لئے مجھے بلایا جائے تو میں ضرور شریک ہوتا'' (البدایہ والنھایۃ: ۲/۲۹۳)

مواخات اور بھائی چارگی: اسلام کا آفاقی پیغام عدل وانصاف اور امن وسلامتی کا قیام ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی روشنی میں ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ زندگی کے ہر مرحلہ پر چاہے خوشی ہو یا غم، سفر ہو کہ حضر، تنگدستی ہو آسودہ حالی، تعداد میں کم ہو یا ذیادہ اور چاہے مخالفت اور عدم رواداری کی مسموم فضا میں ہی زندگی کیوں نہ گذار رہے ہو ہر حالت میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کے پرچم کو بلند کرنے کیلئے آپسی صفوں کو درست کرتے ہوئے باہمی اتحاد اور آپسی اتفاق بہت ضروری ہے۔

اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمانے کے بعد وہ تابناک اور تاریخی قدم اٹھایا جسے تاریخ انسانی ''مواخات'' کے نام سے جانتی ہے، جو اپنی نوعیت کا دنیا میں پہلا طریقہ رہا۔ اور انسانی تاریخ کے صفحات اس جیسی کوئی مثال پیش کرنے سے عاجز نظر آتے ہیں.

آج کے اس پرفتن دور میں مواخات کے حوالہ سے سیرت طیبہ کا نمایاں باب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی اتحاد، اتفاق اور میل ومحبت پر توجہ مرکوز کی، اور جو مسلمان مختلف قبائل کی اکائیوں میں بٹے ہوئے تھے انھیں اسلامی وحدت کی ایک لڑی میں پروکر متحد کر دیا۔ اسی بھائی چارے اور مواخات کے اغراض کو اجاگر کرتے ہوئے محمد غزالی رقم طراز ہے: ''اس بھائی چارے کا مقصود یہ تھا کہ جاہلی عصبیتیں تحلیل ہو جائیں۔ حمیت وغیرت جو کچھ ہو وہ اسلام کیلئے ہو، نسل، رنگ اور وطن کے امتیازات مٹ جائیں، بلندی وپستی کا معیار انسانیت وتقوی کے علاوہ کچھ نہ ہو'' (فقہ السیرۃ: ص۱۴۰)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مختلف قبائل اور جماعتوں کے درمیان باہمی اتحاد پر زور دیتے ہوئے میثاق مدینہ کے آرٹیکل نمبر ۱ میں تمام مسلمانوں سے یہ معاہدہ لیا: ''**بین المؤمنین والمسلمین من قریش و(اھل) یثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم**''، یہ معاہدہ قریش کے مسلمانوں اور اہل یثرب میں سے ایمان اور اسلام لانے والوں کے مابین ہے اور جو ان کے تابع ہوں وہ انھیں میں شامل ہونگے۔ (میثاق مدینہ: دفعہ نمبر ۱)

اور امت مسلمہ کے وحدت کو دفعہ نمبر ۱۹ کو یوں ذکر کیا گیا: ''**وان المؤمنین بعضھم موالی بعض دون الناس**''، اور ایمان والے تمام لوگوں کے مقابل آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

آج کے اس پرآشوب دور میں سیرت طیبہ تمام مسلمانوں کو اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ جس طرح صحابہ کرام قبائلی نسبتوں کو پس پشت ڈال کر متحد ہوگئے تھے آج کے زمانہ میں بھی تمام مسلمان جماعتوں کی وابستگی سے بالاتر ہوکر متحد ہونا بہت ضروری ہے۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ اتحاد:

حاضرین قارئین: سیرت طیبہ کی روشنی میں تمام مسلمان چاہے ہوا اسلامی ملک میں رہتے ہوں یا غیر اسلامی ملک میں، دارالسلام میں ہوں یا دارالحرب میں انسانیت پر مبنی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ابنائے وطن و دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ باہمی اتحاد اور آپسی اتفاق قائم کرتے ہوے خوشگوار مراسم استوار کرسکتے ہیں۔اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف اور امن وسلامتی کو قائم کرنے کیلئے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو اتحاد اور اتفاق کی دعوت دی۔ایک صالح اور پرامن معاشرہ کی تشکیل کے خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں موجود یھودی قبائل سے معاہدہ کیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ جہاں مسلمانوں کیلئے کامل رہبر ورہنما ہے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ تمام اقوام عالم اوران کی حکومتوں کیلئے مشعل راہ ہے جو انھیں خاص طور پر ابنائے وطن کے ساتھ کیسے معاملات کرنا چاہیے اور ان کے جان ومال کا تحفظ ،ان کی مذہبی آزادی، ان کے رسوم وعادات کا احترام ودیگر امور کی تعلیم تقریبا ساڑے چودہ سوسال سے دے رہا ہے۔جس کی واضح مثال ''میثاق مدینہ'' ہے.

میثاق مدینہ اعلی ترین دستوری اور آئینی خصوصیات کا مرقع ہے جو انسانی حقوق ،قانون کی حکمرانی،اقلیتوں کے سمیت تمام افراد اور تمام طبقات کے حقوق کا تحفظ،خواتین کے حقوق کا تحفظ،معاشی کفالت کا تصور اور دیگر بنیادی اصول کا منبع ہے جو مسلم امہ کی قابل فخر دستوری وآئینی روایت کی حیثیت رکھتا ہے۔

میثاق مدینہ میں مختلف طبقات ریاست کے حقوق وفرائض، ریاست کے مختلف اداروں کے وظائف اور آئینی ودستوری نظم کے قیام کیلئے قواعد وقوانین ہی نہیں بیان کئے گئے بلکہ ان پر عمل درآمد کیلئے اخلاقی وروحانی اساس بھی مہیا کی گئی۔

مثاق مدینہ میں ایک صالح، آئین و قانون کے پابند معاشرے کے قیام کے لئے اخلاقی وروحانی اساس فراہم کی گئی:''وان البر دون الاثم لا یکسب کاسب الا علی نفسہ''(آرٹیکل ۴۶)(ریاست مدینہ کے شہریوں سے)نیکی کی توقع کی جاتی ہے نہ کہ گناہ اور عہد شکنی کی،اور یہ کہ جو کوئی جس طرح کا عمل کریگا اس کے اثرات اس کی ذات پر مرتب ہونگے.

میثاق مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی اور آئینی

جدوجہد کا ایک نمایاں باب ہے ۔علاوہ ازیں میثاق مدینہ نسل انسانی کا سب سے پہلا دستور اور آئین کا درجہ رکھتا ہے (جدید مغربی دنیا کا آئینی ودستوری سفر ۱۲۱۵ء میں شروع ہوا جب شاہ انگلستان King John نے محضر کبیر (Magna Carta) پر دستخط کئے جبکہ اس سے ۵۹۳ سال قبل ۶۲۲ء میں ریاست

مدینہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک جامع تحریری دستور دیا جاچکا تھا۔امریکا کا Constitutional Conventio ۱۷۸۷ء میں ہوا، اور فرانس میں قومی اسمبلی نے آئین کی منظوری ۱۷۹۱ء میں دی۔)

عالم اسلام کی شہرہ آفاق اسلامی یونیورسٹی ''جامعہ نظامیہ'' کے اساتذہ وشیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ طئے کر کے علمی مراحل مکمل کرنے والے عالمی محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ میثاق مدینہ کے بابت رقم طراز ہے:''اس دستاویز میں ۵۲ باون جملے یا قانونی الفاظ میں ''دفعات'' ہیں اوراس زمانے کی قانونی عبارت اوردستاویز نویسی کا وہ ایک انمول نمونہ ہیں''

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۱ء، ص ۷۷)

اسلام اپنے پیروکاروں کو امن وسلامتی اوراتحاد کی تعلیم دیتا ہے۔اسی لئے میثاق مدینہ میں شامل تمام لوگ بشمول دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ سیاسی اور معاہداتی وحدت کا تصور دیا گیا۔اور تمام فریقوں کو میثاق مدنیہ کے آرٹیکل نمبر۲ کے تحت ایک قوم قرار دیا:''انھم امۃ واحدۃ ومن دون الناس'' دنیا کے تمام لوگوں کے مقابل میثاق مدینہ میں شامل تمام فریق ایک قوم ہونگے۔

اسلام جس طرح اتحاد بین المسلمین کی تعلیم دیتا ہے اسی طرح مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اتحاد کی بھی تعلیم دیتا ہے۔میثاق مدینہ کے آرٹیکل نمبر۲۵ میں درج ہے :''وان **یھود بنی عوف امة مع المؤمنین،للیھود دینھم وللمسلمین دینھم موالیھم وانفسھم الا من ظلم واثم فانه لا یوتغ الا نفسه واھله**''،بنی عوف کے یھودی اور مسلمان ایک قوم ہیں،یھودیوں کوان کا دین اور مسلمانوں کو ان کا دین موالی ہوں یا اصل،ہاں جوظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تواس کی ذات یا گھرانے کےسوائے کوئی مصیبت میں نہیں پڑیگا۔ (محمد حمید اللہ:الوثائق السیاسیۃ،طبعہ خامسۃ،بیروت،دارالنفائس،۱۹۸۵ء،ص ۶۱)

اور جان ومال کی حفاظت کیلئے میثاق پر عمل آوری کے حوالہ سے آرٹیکل نمبر۳۶ ب درج ہے:''**وانه لا ینحجز علی ثار جرح**''اورکسی مار،زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائیگی۔

میثاق مدینہ کےآرٹیکل نمبر۱۶ میں درج کیا گیا ہے:''**وانه من تبعنا من یھود فان له النصر والاسوۃ غیر مظلومین ولا متناصر علیھم**'';''اور یہ کہ یھودیوں میں

سے جو ہماری اتباع کریگا اسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی۔ نہ ان پر ظلم کیا جائیگا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائیگی۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ: وثائق سیاسیہ: ص ۱۰۱)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عوف کے یھودیوں کے علاوہ دیگر قبائل کو بھی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم قرار دیا اور انھیں بھی مدد، مساوات اور ان تمام حقوق کا معاہدہ کیا جو بنی عوف کے یھودیوں کے حاصل ہے۔

دفعہ نمبر ۲۶ میں درج ہے: ''اور بنی النجار کے یھودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یھودیوں کو.

دفعہ نمبر ۲۷ میں درج ہے: ''اور بنی الحارث کے یھودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یھودیوں کو.

دفعہ نمبر ۲۸ میں درج ہے: ''اور بنی ساعدہ کے یھودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یھودیوں کو.

دفعہ نمبر ۲۹ میں درج ہے: ''اور بنی جشم کے یھودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یھودیوں کو.

دفعہ نمبر ۳۰ میں درج ہے: ''اور بنی الاوس کے یھودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یھودیوں کو.

دفعہ نمبر ۳۱ میں درج ہے: ''اور بنی ثعلبہ کے یھودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یھودیوں کو۔ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوائے کوئی مصیبت میں نہیں پڑیگا.

دفعہ نمبر ۳۲ میں درج ہے: ''اور جفنہ کو بھی، جو ثعلبہ کی ایک شاخ ہے وہی حقوق حاصل ہونگے جو اصل کو.

دفعہ نمبر ۳۳ میں درج ہے: ''اور بنی شطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یھودیوں کو۔ اور وفا شعاری ہونہ کہ عہد شکنی.

دفعہ نمبر ۳۴ میں درج ہے: ''اور یھودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو اصل کو۔

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ: وثائق سیاسیہ، ص ۱۰۳)

مذہبی آزادی: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاق مدینہ کے آرٹیکل نمبر ۲۵ ذریعہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو مکمل مذہبی آزادی کا تحفظ اور حق عطا کیا: ''وان یھود بنی عوف امۃ مع المؤمنین، للیھود دینھم وللمسلمین دینھم موالیھم وانفسھم الامن ظلم واثم فانہ لا یوتغ الانفسہ واہلہ''، اور بنی عوف کے یھودی اور امسلمان ایک قوم ہیں، یھودیوں کو ان کا دین اور مسلمانوں کو ان کا دین موالی ہوں یا اصل، ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوائے کوئی مصیبت میں نہیں پڑیگا۔ (محمد حمید اللہ: الوثائق السیاسیۃ، طبعہ خامسۃ، بیروت، دار النفائس، ۱۹۸۵ء، ص ۵۹۔۶۲)

مزید طئے پایا کہ مذہبی آزادی کے اس تحفظ کو کسی ایک طبقہ کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے بلکہ: ریاست مدینہ میں آباد قبائل بشمول بنی عوف، بنی حارث، بنوساعدہ، بنوجشم، بنونجار، بنواوس، بنوثعلبہ اور بنی شطیبہ کا فرداً فرداً تذکرہ کیا گیا تاکہ تمام یھودی

قبائل کو مذہبی آزادی کا آئینی تحفظ حاصل ہو۔

مقامی رسوم اور قوانین کا احترام: قبائل کے سماجی اور اندرونی مسائل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مداخلت نہیں کی اور فدیہ، دیت اور جوار یا پناہ دی اور معاہداتی رکنیت قبیلہ کے ادارات اور زواجات کو برقرار رکھا''

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۹۵)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ انسانی کے اولین دستور ''میثاق مدینہ'' میں تمام انسانوں کو جو حقوق، مساوات، عدل وانصاف، فکر وعقیدہ کی آزادی، تقالید وعادات کی آزادی، اقلیتوں کی مذہبی آزادی، ودیگر آئینی حقوق دیا ہے۔ اگر ہم ان کی روشنی میں دنیا کے دیگر ممالک کے دستوروں کا جائزہ لیں تو وہ ہمیں میثاق مدینہ ہی کی اساس پر قائم نظر آتے ہیں جس کی واضح ترین مثال دستور ہند ہے۔ اور دستور ہند کے مقدمہ یا تمہید میں انھیں حقوق کو اجمالاً ذکر کیا گیا ہے جو تمام دستور کا خلاصہ ہے۔

تمہید دستور ہند PREAMBLE

WE, THE PEOPLE OF INDIA, having solemnly resolved to constitute India into a SOVEREIGN SOCIALIST SECULAR DEMOCRATIC REPUBLIC and to secure to all its citizens:

ہم، جو ہند کی عوام ہیں، ہم نے یہ پختہ عہد کیا ہے کہ ہم ہند کی تشکیل ایک مقتدر، اشتراکی، علمانی، عوامی جمہوریت میں کریں۔ اور اسکے تمام شہریوں کو:

سماجی، معاشی اور سیاسی عدل فراہم کریں JUSTICE, social, economic and political;

اور فکر، اظہار، عقیدہ، ایمان اور عبادت کی آزادی فراہم کریں

LIBERTY of thought, expression, belief, faith and worship;

اور حیثیت اور مواقع میں مساوات فراہم کریں،

EQUALITY of status and of opportunity;and to promote among them all

FRATERNITY assuring the dignity of the individual and the unity and integrity of the Nation.

اور ان تمام شہریوں کے درمیان بھائی چارہ کو فروغ دیں، جو فرد کے وقار اور ملک کے اتحاد اور سلامیت کی ضمانت دیں،

حجۃ الوداع: اسلام کی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ عدل وانصاف کی آئینہ دار اور انسانی حقوق، احترام اور وقار کی علمبردار رہے، اسی لئے انسانی جان ومال، عزت وآبرو کے متعلق انسانی حقوق کے اولین اور مثالی منشور ''خطبہ حجۃ الوداع'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان: ''

کلکم من آدم و آدم من تراب ‘‘ سے یہ واضح کردیا کہ تمام انسان حضرت آدم کی اولاد ہے اور حضرت آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں۔اسی لئے تمام انسان اگرچیکہ عقیدہ اور مذہب میں الگ ہوں لیکن اولاد آدم ہونے کے لحاظ سے ایک ہے ۔شیخ سعدی فرماتے ہیں:’’بنی آدم اعضائے یک دیگرند‘‘، اعضا مختلف ہوتے ہیں لیکن ان تمام کے ملنے سے جسم بنتا ہے اوراگر کسی عضو کو تکلیف ہوتو سارا جسم متاثر ہوتا ہے۔ہندوستان کے آئین میں بھی اس بات کی صراحت موجود ہے کہ تمام شہریوں کو مساوی حقوق حاصل ہے اور کسی بھی شہری کے ساتھ دین،نسل،ذات،جنس وغیرہ کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں کیا جائیگا۔

Article 15: Prohibition of discrimination on grounds of religion, race, caste, sex or place of birth.

دین،نسل،ذات،جنس یا مقام پیدائش کی بناء پر تفریق پر پابندی

Article 15, Clause (1):The State shall not discriminate aganst any citizen on grounds only of religion, race, caste, sex, place of birth or any of them.

سرکار کسی بھی شہری کے ساتھ محض دین،نسل،ذات،جنس ،مقام پیدائش یا ان میں سے کسی بھی بناء پر امتیازی سلوک اختیار نہیں کریگی.

اسلام اور تعلیمات امن:اسلام بنیادی طور پر امن وامان کی تعلیم اور عدل وانصاف کو ترجیح دیتا ہے،انسانی حقوق میں بلا امتیاز مذہب سب کو مساوی حق دیتا ہے۔سیرت طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ برائی کا مقابلہ برائی سے نہیں صبر اور پرامن طریقہ سے کیا جائے کیونکہ اسلام نے فتنہ کو قتل سے زیادہ شدید قراردیا ہے ۔ارشاد ربانی ہے:’’الفتنۃ اشد من القتل‘‘(۱۹۱:۲) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔’’**ولاتفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا**‘‘(۵٦:۷)اورزمین میں اسکی درستگی کے بعد فساد مت پھیلاؤ۔

اسلام نے برائی کو روکنے کے مختلف درجات اور طریقے ذکر کئے ہیں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں:’’**من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان**‘‘

(صحیح مسلم:کتاب الایمان،باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان...)

نئے قانون کے خلاف ہندوستان کے مختلف شہروں میں ہونے والے موجوہ احتجاج درجہ ثانیہ کے تحت ہورہے ہے۔دستور ہند میں بھی اس بات کی اجازت ہے کہ عوام حکومت کے

کسی بھی عمل کے خلاف قانونی حدود میں رہتے ہوئے پرامن طریقہ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرسکتے ہیں۔جس کی اجازت دستور ہند نے بھی آرٹیکل نمبر۱۹ میں دی ہے:

Article 19: Protection of certain rights regarding "Freedom" of speech,etc.

آزادی بیان وغیرہ کے متعلق بعض حقوق کا تحفظ:

Article 19, بیان اور اظہار کی آزادی کا حق

Clause (1) sub-caluse (a): to freedom of speech and expression.

Article 19, پرامن اور اسلحہ کے بغیر جمع ہونے کا حق

Clause (1) sub-caluse (b): to assemble peaceably and without arms.

مذہبی اور عصری تعلیم کی اہمیت: سیرت طیبہ کی روشنی میں اس بات کو شدت سے محسوس کیا جارہا ہے کہ مسلمانوں صرف روایتی تعلیم پر اکتفاء کرنے کے بجائے پیشہ ورانہ تعلیم اور مقابلہ جاتی امتحانات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہوئے مہارت حصال کریں۔کیونکہ پیشہ ورانہ تعلیم ایک طرف تمدن کی ترقی کو تیز کرتی ہے تو دوسری طرف معاشی ضروریات کی تکمیل میں اہم رول ادا کرتی ہے۔مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا اور بڑا اقدم یہ تھا کہ آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی، یہ مسجد محض ادائے نماز کیلئے ہی نہیں تھی بلکہ یہ ایک یونیورسٹی تھی جہاں مسلمان اسلامی تعلیمات اور ہدایات کا درس حاصل کرتے تھے۔

اسیران بدر کے متعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے رائے مطابق فدیہ لینے کا معاملہ طئے فرمایا،فدیہ کی مقدار چار ہزار اور تین ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک مقرر کی گئی تھی۔اہل مکہ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے جبکہ اہل مدینہ لکھنے پڑھنے سے زیادہ واقف نہ تھے اسی لئے یہ بھی طئے کیا گیا کہ جس کے پاس فدیہ نہ ہو وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے،جب یہ بچے اچھی طرح سیکھ جائیں تو یہی اس کا فدیہ ہوگا۔ظاہر ہے یہ تعلیم مذہبی اور اسلامی نہیں تھی۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں آج کے دور میں مسلمانوں کو مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ قانون،اقصادیات، سیاسیات، تاریخ، دیگر مذاہب کے مطالعہ کے علاوہ مقامی اور عالمی زبانوں کا سیکھنا بھی ضروری ہے۔علاوہ ازیں اپنی بات کو صحیح انداز میں پیش کرنے ،اپنے موقف کو درست طریقہ سے سامنے لانے، اور اسلام ومسلمانوں کے خلاف جھوٹے پروپگنڈے کو بے نقاب کرنے کیلئے مسلمانوں کا قومی اور بین الاقوامی پرنٹ میڈیا اور خاص طور پر الکٹرانک میڈیا میں حصہ لینا ملی اور سماجی ہی نہیں بلکہ مذہبی ضرورت بھی شدت کے ساتھ محسوس ہورہی ہے۔اور دستور ہند ہمیں ان تمام علوم وفنون کے حصول کے

مواقع بلا امتیاز فراہم کرتا ہے:

Article 16, clause (2): No citizen shall, on grounds only of religion, race, caste, sex, descent, place of birh, residence or any of them, be ineligible for,

or discriminated against in respect of, any employment or office under the State.

کوئی بھی شہری محض دین،نسل،ذات جنس،ولدیت،مقام پیدائش،رہائش یا ان میں سے کسی ایک کی بناء پر سرکاری ملازمت یا سرکاری عہدہ کے متعلق نا اہل نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کے ساتھ اس متعلق امتیازی سلوک ہوگا.

سماجی اور سیاسی شعور کی بیداری: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ یہ درس دیتی ہے کہ مسلمانوں میں اجتماعی ،قومی اور ملی شعور بیدار رہنا ضروری ہے اور وہ ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کیلئے تعمیری سرگرمیوں میں بھی اپنی حصہ داری ادا کرتے رہے جس سے فساد اور اہل فساد کو پروان چڑھنے کا موقع میسر نہ ہو۔جس کی واضح مثال تعمیر کعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنفس نفیس شمولیت اور تعمیر کعبہ کے بعد ''حجر اسود'' نصب کرنے میں آپ کی حکمت اور بصیرت ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ کی معزز شخصیت تھے،اس لئے دفاعی معاملات ہوں یا معاشرتی وخاندانی ،اہل مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی نہیں تھے۔

مسلمانوں میں سیاسی بصیرت اور دوراندیشی بھی پیدا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے اطراف ہونے والے انقلابات،ملک میں برپا ہونے والے تحریکیں،اور نئے وجود میں آنے والی تبدیلیوں اور قوانین ودیگر نشیب وفراز سے بخوبی واقف رہے.

دستور ہند اور حقوق آگہی: کسی بھی جمہوری ملک میں دستور کی اہمیت بنیادی ہوتی ہے کیونکہ یہ تمام ملکی قوانین کا منبع ،ماخذ اور مرجع ہوتا ہے۔اسی لئے ہر ہندوستانی شہری کو اپنے حقوق سے واقفیت اور فرائض سے آگاہی کیلئے دستور کے تمام دفعات بالخصوص ''بنیادی حقوق'' اور ''اقلیتوں کے حقوق'' کا جاننا ازحد ضروری ہے.

اسلام نے اپنے پیروکاروں پردوسروں کے حقوق متعین کئے ہیں اور حقوق کی ادائیگی کیلئے ان سے واقف ہونا ضروری ہے۔مثلا ماں باپ کے حقوق ،اولاد کے حقوق، زوجین کے حقوق،عزیز واقارب کے حقوق اپنے ماتحت کے حقوق وغیرہ وغیرہ۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ''(بخاری: کتاب النکاح،باب المراۃ راعیۃ فی بیت زوجھا)تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال ہوگا۔

سیرت طیبہ کے حوالہ سے آج کے زمانے میں اس بات کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی ہے کہ تمام مسلمانوں کو ان حقوق کا جاننا اوران سے واقفیت رکھنا ازحد ضروری ہے جو انھیں کے متعلق ہے اور انھیں بحیثیت شہری (Indian Constitution) ہندوستانی دستور کے ذریعہ دئے گئے ہے۔ اقلیتوں کے حقوق اورربنیادی حقوق کے متعلق شعور بیدار کرنا اوراوران پر سمینار منعقد کرتے ہوے ملی شعور کو بیدار کرنا آج کے دور کی اہم ضرورت ہے۔

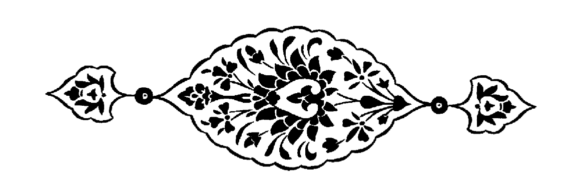
مسلمانوں کو چاھیے کہ دستور ہند نے جو حقوق اور تحفظات دیے ہیں ان سے واقف ہوں تاکہ اپنے دفاع میں مدد مل سکے اور قانونی راستہ اختیار کرنے میں آسانی ہو۔

یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں یہ کہ انگریز نے اپنی جعلسازی سے ہندوستان پر قبضہ کرلیا او رعرصہ دراز تک حکومت کرتے رہے اور ہندوستان کے باشندے خواہ ہندو ہو یا مسلم اپنے ہی وطن میں اجنبی بن گئے۔لیکن تمام مذاہب کے لوگ اپنے وطن عزیز کی محبت میں یکجا جمع ہوئے اوراس مقصد یعنی ''ہندوستان کو غیر ملکیوں سے آزاد کرانا'' میں متحد ہوگئے۔ ہندو، مسلم ،سکھ،عیسائی سب مل کر جدوجہد کئے،ان کی جدوجہد کامیاب ہوئی اور انگریز ہندوستان چھوڑ کر جانے میں مجبور ہوگئے.

اس ملک کی آزادی میں تمام مذاہب والوں کا حصہ ہے کسی قوم کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا،جس طرح وہ جدوجہد آزادی میں متحد ہوئے تھے اسی طرح اب ان کا ہندوستان کی بقاوترقی میں متحد ہونا ضروری ہے.مذہب،زبان یارنگ ونسل کی بنیاد پر انسانوں میں امتیاز وتفریق پیدا کرنا غیر انسانی اور غیر قانونی عمل ہے۔

پیغام: قوم وملت کو آپسی خلفشار اور انتشار سے بچانے کیلئے آج اس بات کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ محسوس کی جارہی ہے کہ ہم اپنے سینوں کو کشادہ کریں،دوسروں کیساتھ فراخدلی اور عالی ظرفی کا شیوہ اپنائیں،ایثار ومحبت اور عفو ودرگزر کے خوگر بنیں،اخوت کی زباں اورمحبت کا بیاں ہوجائیں،دوسروں کے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح دیں،دوسروں کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم رکھیں اورآپس میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے ساتھ دیگر ابنائے وطن کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کریں.

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه سیدنا محمدوعلی آله وصحبه اجمعین



جدید چیالنجیس اور مسلم خواتین کی ذمہ داری

مولانا سید رؤوف علی صاحب،صدر مدرس دارالعلوم عربیہ کا وَرم پیٹھ

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ

اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے ان کو یاد کرتی رہو۔ (الاحزاب۔۳۴)

مختلف آیات وروایات سے واضح ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ وہ نشانیاں معجزات بھی مراد ہوسکتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع اور کامل عبادت میں دیکھنا چاہتے ہو تو وہ متن قرآن ہے،اگر متن قرآن کو انسانی پیکر میں ڈھالنا چاہتے ہو تو وہ پیکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حکمت کے معنی ہر چیز کو مناسب جگہ پر رکھنا اور قرآن کے حقائق ودقائق اور نکات کو واضح کرنا تا کہ معارف واحکام جن سے نفوس انسانیہ کی تکمیل ہو اور ان تعلیمات پر عمل کر کے

اسلام نے عورت کی جدوجہد کو صرف علم وفکر کے میدان تک محدود نہیں رکھا بلکہ عمل کی وسیع تر فضا مہیا کی ہے۔علم وادب میں جیسی پیش قدمی کر سکتی ہے اسی طرح زراعت اور تجارت میں بھی ترقی کا حق رکھتی ہے۔عورت کو مختلف پیشوں اور صنعتوں کے اپنانے اور بہت سی اجتماعی خدمات انجام دینے کی اجازت ہے۔

اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی سعی عمل کو برداشت یا گوارا کر لیا گیا ہے، بلکہ حرکت اور عمل کے جو داعیات اس کے اندر ابھرتے ہیں۔ زندگی کے جو تقاضے سامنے آتے ہیں ان کو مٹانے و دبانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کی تکمیل کی دعوت دی گئی ہے۔

فرد، گھر، شہر اور ملک کے لوگ برے اعمال سے دور اور اچھے اعمال سے جڑے رہتے ہوں۔

یہ صرف عہد رسالت یا دور صحابہ تک نہیں بلکہ دین حق اور قرآن تا قیامت رہتے ہیں۔ اس لئے سنت و اسوہ حسنہ نہ صرف باقی رہیں گے بلکہ حجت اور موجب عمل بھی رہیں گے۔

احترام انسانیت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی تعلیمات کا بنیادی عنصر عورتوں کا احترام ہے۔ تاریخ میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لشکر کی قیادت کرنا حضرت زینب رضی اللہ عنہا معرکہ کربلا کے بعد نوجوان بھتیجے کی حمایت میں علم جہاد بلند کرنا حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا اپنے عہد کی ذہین اور باکمال عورت ثابت ہوئیں، ملکہ زبیدہ کا تاریخ میں نمایاں کردار ادا کرنا وغیرہ

عورت کے لئے عطیہ

قانون، روابط اور معاشرت میں مرد اور عورت کے حقوق مساوی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ.

(میاں بیوی) دونوں اللہ کے حدود کو قائم رکھیں گے۔ (البقرۃ۔۲۳۰)

عقد نکاح کے ٹوٹنے کی صورتیں

واضح ہو کہ ''طلاق'' کا استعمال عائلی مسائل میں زوجین کے درمیان ایسا اختلاف پایا جائے جو معقول و مناسب کوششوں کے باوجود دور نہ ہو اور جدائی ہی ضروری ہو جائے تو فیصلہ کی مناسب صورت کا نام ہے۔ جس سے ہر دو اپنی زندگی مرضی کے مطابق خوشگوار گزار سکیں اس موقع پر ''طلاق'' شوہر کی طرف سے اور ''خلع'' بیوی کی جانب سے علیحدگی کی صورتیں ہیں۔ جس کے منصفانہ طور وطریق موجود ہیں۔ کتب فقہ میں کافی صراحت اور وضاحت موجود ہے۔

(۱) طلاق: حرام بھی ہے، مکروہ بھی ہے، مباح بھی ہے، مستحب بھی ہے، واجب بھی ہے۔

(۲) حلالہ: یہ طلاق ثلاثہ کی عدت کے بعد عورت کسی غیر مرد سے نکاح کر لے اور اتفاق ایسا ہوا کہ وہ وفات پا گیا یا طلاق دیدے۔ اور اس عورت کے لئے ضرورت کسی اور کے عقد میں رہنے کی ہو۔ تو کسی تیسرے شخص کا انتخاب ضروری ہو جانے کی صورت میں۔ پہلے جو طلاق دیا تھا دوبارہ اس کے ساتھ نبھا کی صورت مناسب رہے گی؟ یا تیسرے کے عقد میں جائے؟ ایسی صورت میں پہلے طلاق دیئے ہوئے شوہر کے ساتھ رہنے کے فیصلے کا نام ''حلالہ'' ہے۔

(۳) ظہار: اپنی منکوحہ کو کسی ایسی عورت سے تشبیہ دینا ہے جو اس پر حرام ہے جیسے: ماں، بہن، بیٹی وغیرہ (یہ الفاظ طلاق

کی نیت سے کہے گئے تو ایک طلاق بائن ہوگی)۔

(۴) ایلاء : چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک اپنی بیوی کے قریب نہ جانے (جماع نہ کرنے) کی قسم کھانے کا نام ایلاء ہے۔اوراگر مدت پوری ہوجائے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

(۵) لعان: جب شوہر اپنی زوجہ پر چار گواہوں کے بغیر زنا کی تہمت لگائے۔تو شوہر قسم کے ذریعہ حاکم عدالت کے روبرو چار دفعہ اس طرح کہے، میں اللہ کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ جو تہمت میں اس کو لگایا ہوں اس میں، میں سچا ہوں اور پانچویں دفعہ کہے اگر میں اس میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔اس کے بعد عورت بھی چار دفعہ کہے کہ مجھ پر جو تہمت لگایا ہے اس میں وہ جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ کہے اگر تہمت لگانے میں وہ سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔اس کے بعد حاکم عدالت دونوں میں جدائی کرادے گا۔یہ ایک طلاق بائن ہوگی۔

مرد کی استثنائی صورت

مرد کے درجہ فوقیت کی وجہ یہ ہے کہ مرد کارزار حیات میں ہمہ تین سرگرم عمل رہتا ہے، اور جسمانی ساخت کی بناء پر بے شمار ذمہ داریاں مرد پر ہیں۔

عمل کے لحاظ سے مساوات

اللہ تعالیٰ کا فرمان: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ.

جو کچھ مرد کمائیں اس کے مطابق ان کا حصہ اور جو کچھ عورتوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے، ہاں اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرتے رہو۔(النساء۔۳۲)

نیک معاشرہ کے لوازم

اب ہم معلوم کریں گے کہ نیک اور صالح تمدن کے لئے عورت اور مرد کے حیوانی اور انسانی تعلق میں معتدل اور متناسب امتزاج کی صورت کیا ہے۔جس چیز پر پہلی نظر پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ تمام حیوانات کے برعکس انسان کا بچہ نگہداشت اور پرورش کے لئے بہت زیادہ وقت' محنت اور توجہ چاہتا ہے۔ اگر مجرد ایک حیوانی وجود ہی کی حیثیت سے لے لیا جائے تب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی حیوانی ضروریات غذا اور اپنی جان کی مدافعت کے قابل ہوتے ہوتے وہ کئی سال لے لیتا ہے، ابتدائی دو تین سال تک تو وہ اتنا بے بس ہوتا ہے کہ ماں کی پیہم توجہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔لیکن بظاہر انسان وحشت کے کتنے ہی ابتدائی درجہ میں ہو بہر حال وہ خالص حیوان نہیں ہے۔ وہ کسی نہ کسی درجہ میں مدنیت (آبادی پسندی) بہر حال اس کی زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔اور اسی مدنیت کی وجہ سے پرورشِ اولاد کے فطری تقاضے پر لامحالہ دو تقاضوں کا اضافہ ہوتا ہے۔

(۱) بچہ کی پرورش میں تمام تمدنی مسائل سے کام لیا جائے۔

(۲) تمدنی (آبادی کے رہن سہن والے) ماحول میں پیدا ہوا، وہاں کے تمدنی کارخانہ کو چلانے اور اس سے پہلے والوں کی جگہ لینے کے قابل ہوسکے۔

عورت اورانسانیت

عورت کونظر انداز کر کے نوع انسانی کے لئے جو بھی پروگرام بنے گا وہ نامکمل اورادھورا ہوگا۔عورت،انسانیت کے ایک نصف حصے کی ترجمانی کرتی ہے،تو دوسرے نصف کی ترجمانی مرد کرتا ہے،ایسی کسی سوسائٹی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا جوصرف مردوں پر مشتمل ہو جس میں عورت کی ضرورت نہ ہو، دونوں ایک دوسرے کے یکساں محتاج ہیں،اوران کے احتیاج کی نوعیت سماجی بھی اور معاشرتی بھی اور جنسی ونفسانی بھی ہے ایک طرف اجتماعی زندگی ان سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ قدم سے قدم اورشانہ سے شانہ ملا کر کام کریں۔دوسری طرف جنسی تقاضے ان کومجبور کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے دامن میں سکون واطمینان تلاش کریں۔

اجتماعی زندگی اس وقت ترقی کی منزلیں طے کرتی ہے جب کہ مرداورعورت دونوں کا سیاسی،سماجی رشتہ بھی ٹھیک ہو اورجنسی تعلق پاک اورصحیح ہو۔

عورت اورعبودیت

عورت بھی عبودیت کے معنی کی حقیقت جانتی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

میں نے جنات اورانسانوں کومحض اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہوں۔

(الذاریات۔۵۶)

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون کی نظر میں زندگی صرف روز مرہ کے مروجہ اور مانوس اعمال کا نام نہیں بلکہ زندگی توایک پیغام ہے جس میں اس کی عبادت صرف ایک اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ اور رضائے الٰہی کی نیت سے دیگر ضروریات و معمولات والدین،ہمسایہ،خاونداوراولادوغیرہ کے ساتھ حسن سلوک نیز گھریلوامورکوسرانجام دینا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جن قوموں میں جنسی آورگی عام ہوئی وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکیں۔اور تجرد پسندی نے تو کسی تہذیب کووجود ہی میں آنے نہیں دیا۔

دور حاضر میں اپنے کو ترقی یافتہ سمجھنے والی قومیں بھی موجودہ تہذیب،عورت اور مرد کے درمیان سماجی روابط قائم کرنے میں ناکام ہیں اورجنسی مسئلہ حل کرنے میں بھی یہ غلطی کی ہیں کہ عورت کواس کے حقیقی مقام سے ہٹا کر مرد کی صف میں کھڑا کر دیا۔چنانچہ وہ مرد کے میدان میں تگ ودوکرتی نظر آ رہی ہے لیکن اس میدان سے غائب ہے جس کے لئے فطرت نے اس کی تخلیق کی موجودہ تہذیب جنسی جذبات کواتنا ابھارا کہ انسان کے دل ودماغ پران کاایسا مکمل قبضہ ہوگیا کہ لذت پسندی کا رجحان فروغ پا گیا۔

یہ ہماراایمان ہے کہ اسلامی معاشرہ ہی نے عورت اورمرد کے سماجی،جنسی تعلقات کیلئے صحیح بنیادیں فراہم کی ہیں۔اورکامیابی انہی بنیادوں پرحاصل ہوگی۔یہ کہنا بےموقع نہ ہوگا کہ ایک مؤمن کاحق زندگی میں تو رہتا ہی ہے،جب وہ اس دنیا سے کوچ کر جائے تب بھی رہتا ہے۔اسلام حق سے وفاداری کا نام ہے۔

عورت کی عظمت اور اہم خدمت

عورت اپنے خون کے ذریعہ نسل انسانی کی پرورش تو کر سکتی ہے لیکن ہل چلا کر، پتھر توڑ کر، زمین کھود کر معاش فراہم کرنا، تیر وتفنگ سے دشمن کا مقابلہ کرنا اس کے لئے دشوار ہے کیونکہ قدرت نے اسے آہنی پنجہ اور قوی بازو نہیں دیئے۔ البتہ وہ اپنے سینہ میں مہر اور الفت، ہمدردی وایثار کے جذبات رکھتی ہے۔ اور یہی خوبی کے سبب بچوں کی پرورش گھر کی سلیقہ مندی وغیرہ عورت کے فرائض رہے ہیں۔ جانوروں کا شکار، زراعت، تجارت، دشمن کی مدافعت وغیرہ مرد نبھائے۔ کیونکہ وہ مضبوط دست وبازو اور محنتی وجفاکش ہے۔

عورت ومرد کے درمیان یہ امور اختلاف نہیں بلکہ ان کے جسم اور رگوں وریشوں کی ساخت کے مختلف ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور طبعی ونفسیاتی اختلاف کا سبب بھی یہی ہیں۔ (اور دور جدید کے محققین بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں)

تہذیب کے معمار

زندگی کی گہما گہمی اور نشیب وفراز میں مرد اور عورت ایک دوسرے کے معاون رہے۔ زندگی کو دونوں سنبھالے، تمدن اور ارتقاء دونوں کے اتحاد سے عمل میں آئے۔ کوئی قوم اور کوئی تحریک ان میں سے کسی طبقہ کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اسی طرح باطل کی ترقی اور استحکام میں بھی دونوں حصہ دار ہیں۔

اسلام کی خوبی

کسی نظام کو وجود نظریات سے ملتا ہے۔ ان نظریات سے واقفیت کے بغیر صحیح نتیجہ پر پہنچنا ممکن نہیں۔

انسان محترم ہے

اگر اسلامی تعلیمات کا لب لباب معلوم کریں تو پتہ چلے گا کہ اسلام انسان کو عظمت اور سر بلندی کی دعوت دیتا ہے۔ انسان کو زوال، ادبار کی پستیوں سے اٹھا کر ایسی بلندی پر پہچاتا ہے جو حد ادراک سے بھی بہت آگے ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا.

ہم بنی آدم کو زندگی بخشے اور انہیں خشکی اور تری میں (سفر کے لئے) سواریاں عطا کیں اور صاف ستھری چیزوں کی روزی دیئے۔ اپنی مخلوقات میں بہتوں پر انھیں فضیلت دیئے۔

(بنی اسرائیل۔ ۷۰)

اس طرح صحیح معنوں میں دنیا کو انسان کی حقیقی عظمت کا احساس دلانے والی کئی آیات ہیں۔

بزرگی اور برتری کا معیار

تفوق اور بزرگی کا حقیقی معیار ایمان اور عمل صالح ہے خواہ انسان مرد ہو یا عورت۔

حقوق

اسلام ترغیبی کلمات اور اخلاقی ہدایات ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے عورت اور مرد کے حقوق وضوابط کا قانونی طور پر تعین کر دیا۔ اس شانِ اعتدال اور کمالِ توازن کے ساتھ کہ نہ عورت اپنی زیردستی کی شکایت کر سکتی ہے اور نہ مرد اپنی زور دستی کا اظہار کر سکتا ہے۔

مسلم خاتون کا دائرہ کار

معاشرہ میں مسلم عورت کا کیا رول ہوگا اس کی تگ و دو کس طرح ہو؟

اسلامی اصول واخلاق کی جلوہ گاہ مدینہ منورہ کی ابتدائی ریاست خالق کائنات کی مرضی کے مطابق قائم کی گئی، تو وہ قوتیں برداشت کرنے آمادہ نہ ہوئیں جن کو شرافت واخلاق اصلاح وتقویٰ کے فروغ میں اپنا زوال نظر آرہا تھا۔ اصلاح و سدھار کی مہم کے خلاف فتنہ وفساد کی آندھیاں اٹھنے لگیں ابھی چھ سال بھی نہیں گزرے تھے کہ مخالفت کا طوفان مدینہ منورہ پر چھا گیا۔ رہ رہ کے یہ گمان ہوتا کہ شاید حق کی یہ شمع بجھ جائے اور باطل دنیا پر قابض ہوجائے یہ فساد مدینہ منورہ کے باہر ہی نہیں اندرون مدینہ بھی نفاق وعداوت کا الاو پوری شدت کے ساتھ بھڑک اٹھا۔ منافقین کی پوری کوشش تھی کہ اخلاق اور خدا ترسی کا یہ پودا مدینہ منورہ میں جڑ نہ پکڑنے پائے۔ ان فاسد کوششوں کا ایک بہت بڑا ہدف عفت وعصمت بھی تھی کہ اسلامی معاشرہ سے اس بنیادی ستون کو ڈھائے بغیر ان کی ہوا وہوس نفسانی خواہشات کی دنیا آباد نہیں ہوسکتی تھی۔ ایسی کشمکش میں دانشمندانہ فیصلہ یہی ہوسکتا تھا کہ ملک اور ملت کے ایک ایک فرد کو دشمن کے مقابلے میں کمربستہ ہونا چاہئے۔ ایسے میں اسلام ملک وملت کے تحفظ کے لئے اصول وقوانین وضع کئے۔ اس نے مرد کے متعلق فیصلہ کیا کہ اسے فتنہ کا دوبدو مقابلہ کرکے اس کا سر کچلنا چاہئے۔ لیکن دخترانِ ملت کو ان کی ماؤں کے واسطے سے حکم دیا گیا وہ اس مہم میں ضرور شریک ہوں لیکن گھروں کے حصار میں رہ کر دین وایمان کی غارت گر قوتوں کے مقابلے میں لگی تو رہیں لیکن اپنی سیرت وکردار اور عزت و ناموس کو گھر کی پناہ گاہ میں محفوظ رکھتے ہوئے۔

خواتین کے امور کا احترام

زندگی کی تعمیر کا نقشہ جو اسلام پیش کرتا ہے خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے خاندانی نظم وضبط سے ہو یا معاشرتی آداب سے یا اقتصادی قوانین سے ہو یا اصول تہذیب سے اسلام کسی بھی گوشہ میں عورت کی اس حیثیت کو مجروح ہونے نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال و جان آسائش و راحت کی قربانی کے جذبہ سے کسی مسلمان خاتون کا دل خالی نہیں ہو سکتا۔ شریعت اس جذبہ کی تسکین کا سامان تو کیا، لیکن جدوجہد اور ایثار وقربانی کے رُخ کا تعین کیا۔

وہ اپنا مرکز عمل کبھی چھوڑے گی، لیکن اللہ تعالیٰ سے وفاداری کے عہد کو تازہ کرنے کے لئے وہ گھر سے باہر آئے گی لیکن اسے آباد کرنے کے عزم کو مزید پختہ اور مضبوط کرنے کے ارادہ سے۔

کسب معاش میں مصروف عمل خواتین

ہماری شہری آبادی میں بہت سی عورتیں حدودِ الٰہی کے دائرہ میں رہتے ہوئے شریعت کی پابندی کے ساتھ رزم گاہِ حیات میں بھرپور حصہ لیتی ہیں۔ حصولِ رزقِ حلال کا جہاد کرتی ہیں۔ ان میں وہ بہادر عورتیں بھی ہیں جو والد یا شوہر کو تنہا مفلسی سے جنگ کرتے نہیں دیکھ سکتیں۔ دنیا میں وہ بیوائیں بھی ہیں

جو اپنے پاؤں رکھتی ہوئی کسی پر بوجھ بننا نہیں چاہتیں۔ ان میں وہ لڑکیاں اور عورتیں، جو بس مجبور ہیں۔ اور ایسی ہی صورت ہمارے افلاس زدہ دیہات کی بھی ہے۔

ان یا ان جیسے حالات میں مرد اپنے جذبہ غیرت کا بے جا استعمال نہ کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کوئی شخص عورتوں کی کمزوریوں کے تجسس میں نہ رہے۔ (ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمائیں کہ کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے۔ اس سوال میں چھپے جذبات کی رعایت رکھتے ہوئے فرمایا: **نعم علیهن جهادا لا قتال فيه الحج و العمره**. ہاں ان پر جہاد ہے لیکن ایسا جہاد جس میں جنگ نہیں ہوتی، وہ حج اور عمرہ ہیں۔ (ابن ماجہ)

نسوانی حقیقت کی حفاظت

عورت کی اصل پوزیشن باقی رکھتے ہوئے اسے معاشی تگ و دو سے مستثنیٰ رکھا گیا تا کہ اسے اپنا یا دوسروں کا پیٹ بھرنے کے لئے مجبور نہ ہونا پڑے۔

تربیت کیا ہے؟

آدمی کے ذہنی ارتقاء میں ماحول کی موافقت اور تعلیمی سہولتوں سے زیادہ خود اس کی کوششوں کا دخل ہوتا ہے۔

لیکن تہذیب کے ارتقاء میں عورتوں کا حصہ بہ نسبت مردوں کے زیادہ رہا، تربیت دینی دنیوی ہر لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل کام ہے، قوموں کے زوال کی دو وجوہات ہیں:

(۱) کوئی قوم بزور طاقت مسلط ہو جائے اور تباہ و برباد کر دے۔ (امت مسلمہ پر اس آفت کی چکی چل رہی ہے)

(۲) کسی قوم کے بچوں کو علمی و فکری ورثہ سے محروم کر دیا جائے ایسا کیسے ممکن ہے؟

نئی نسل کی منفی انداز میں ذہن سازی کی جائے۔ جیسا کہ کچھ غیر مسلموں کا بے بنیاد یہ پروپیگنڈہ کہ مسلمانوں کے ظلم سے بچنے کی خاطر ہمارے بڑوں نے اسلام کی قبولیت کا اعلان کئے تھے۔ اب ہم آزاد ہیں۔ اپنے گھر (آبائی کفر پر) واپس جا رہے ہیں۔

جدید تاریخ میں حضرت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ دہلی کا یہ معقول پر مغز حق شناس جواب۔ وہ ایسی تحریک پر راجپوت قوم سے ایسا گھر واپسی کے اسباب سنے تو فرمائے ہمارے ملک میں بہت سی قوموں میں بَنیا برادری بھی ہے، اگر مسلمان ڈرا دھمکا کر مسلمان بناتے تو پہلے بَنیا برادری مسلمان نظر آتی۔ جب کہ راجپوت فوجی خدمات انجام دینے والے، کیسے ڈر کر اسلام قبول کئے۔ کیوں اپنے آبا و اجداد کو بدنام کر رہے ہو؟ یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ہندوستان میں کتنے صوبہ دار منصب دار، زمیندار جاگیردار مسلم گزرے ہیں جن کے ملازم مختلف قوموں سے تعلق رکھتے تھے، لیکن کبھی زور و جبر سے اسلام قبول کرانے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔

یہ بتانا بے موقع نہ ہوگا کہ دور حاضر میں متواتر پیش آ رہے حالات عالم اسلام اور امت مسلمہ کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ غزوۂ احد کے بعد قریش مکہ نے نعیم ثقفی کے ذریعہ

انعام کا لالچ دیکر مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی کوشش اس انداز سے کی کہ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ. فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا. بلاشبہ کافروں نے کہا (تمہاری تباہی و بربادی کیلئے جنگ کا) بڑا سامان تیار کر رکھا ہے سو ان سے ڈرو۔

اس دھمکی سے مسلمانوں کے (اصلی جوش نے) ایمان کو بڑھا دیا۔فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا کفار کے اس طلسم کو مسلمانوں نے توڑ دیا اور کہے وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل. کافی ہے ہمارے لئے اللہ اور وہ بہترین کارساز ہے۔(آل عمران۔۱۷۳)

وَرَدَّ اللّٰہُ الَّذِیْ کَفَرُوْا بِغَیْظِھِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا.

اور ناکام لوٹا دیا اللہ نے کفار کو جب کہ وہ اپنے غصہ میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔(احزاب۔۲۵)

ایسے میں ہماری نسل کی تعلیم و تربیت سے غفلت نا قابل معافی جرم ہوگا۔اگر چہ اس جاری مسموم فضا سے انحطاط میں سالوں کا عرصہ گزرتا ہے۔لیکن یہ تنزل ہے کہ جس کا شکار قوم دیمک زدہ لکڑی کی طرح کھوکھلی ہو جاتی ہے۔ملت اسلامیہ خصوصاً نو جوانوں میں ایسے اثرات ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔امن و سلامتی کا ضامن اسلام اپنے پیرو کاروں کو ہمیشہ ایسی تعلیمات دیا کہ جن پر عمل کرنے سے ان کی دنیا بھی سنورتی ہے اور آخرت بھی بنتی ہے۔اسلام میں تعلیم و تربیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔

عملی میدان

اسلام نے عورت کی جدو جہد کو صرف علم و فکر کے میدان تک محدود نہیں رکھا بلکہ عمل کی وسیع تر فضا مہیا کی ہے۔علم و ادب میں جیسی پیش قدمی کر سکتی ہے اسی طرح زراعت اور تجارت میں بھی ترقی کا حق رکھتی ہے۔عورت کو مختلف پیشوں اور صنعتوں کے اپنانے اور بہت سی اجتماعی خدمات انجام دینے کی اجازت ہے۔

اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی سعی عمل کو برداشت یا گوارا کر لیا گیا ہے، بلکہ حرکت اور عمل کے جو داعیات اس کے اندر ابھرتے ہیں۔ زندگی کے جو تقاضے سامنے آتے ہیں ان کو مٹانے و دبانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کی تکمیل کی دعوت دی گئی ہے۔

پاکیزہ مقاصد کے حصول اور اہم امور کی تکمیل کے لئے گھر سے باہر جا سکتی ہے۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ،سمندری جہاد پر جنتی انعامات سنیں تو اس میں شامل ہونے کی دعاء کی درخواست کیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سعادت مند جماعت میں شامل ہونے کی دعاء فرمائے۔(بخاری شریف)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خالہ کو (دورانِ عدتِ طلاق) بہی خواہی فلاح و بہبود کی ترغیب دیئے۔ (ابوداؤد)

مطلب یہی کہ شریعت عورت کو اس قابل دیکھنا چاہتی ہے کہ وہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی خدمت کر سکے۔اور اس کے ذریعہ بھلے کام انجام پائیں حضرت اسماء بنت خزیمہ

رضی اللہ عنہا اپنے فرزند حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ یمن سے عطر بھیجتے تھے تو یہ فروخت کرتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ صنعت و حرفت سے واقف تھیں۔ اس کے ذریعہ اپنے خاوند اور بچوں کے اخراجات میں تعاون کرتی تھیں۔ (ابن سعد)

حقوق کا تحفظ

اسلامی شریعت عورت کو حقوق و مراعات عطا کی ہے۔ اس سے عورت فائدے بھی اٹھائی اور اٹھا سکے گی۔ جہاں اس کے حقوق تلف ہوتے یا اس پر زیادتی ہورہی ہے تو عورت اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے پوری بصیرت کے ساتھ کامیاب جدوجہد بھی کی اور کرتے رہے گی۔ اسلامی قانون اس کامیابی کا محافظ اور ضامن ہے۔

اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں خواتین کا کردار

آغاز اسلام کے دور میں جن سعادت مند پرعزم ہستیاں اسلام قبول کیں، ان میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا خاندان بھی ہے۔ ان کی والدہ سمیہ بنت خباط رضی اللہ عنہا کو دین اسلام سے پھیرنے کے لئے ہر طرح کی اذیت دی گئی اور وہ وقت بھی آیا کہ ابوجہل نے نیزہ مار کر شہید کردیا۔ لیکن پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آنے دی۔

فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی (ماقبل قبول اسلام کی) سختی کے مقابلہ میں دین حق پر جو مضبوط اور پرعزم رہیں اور حضرت عمر کو ہی اپنا راستہ بدلنا پڑا۔

ایسے ہی مہر کی مقدار محدود کرنا چاہے تو ایک عورت **وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا** کہہ کر مقدار مہر کی تحدید کو رکوانے پر حضرت عمر فرمائے کہ اس خاتون نے بحث میں عمر پر غالب آگئی اور کامیاب رہی۔

اظہار حق

خواتین جہاں اپنوں کو حق پر ثابت قدم رکھنا چاہیں وہاں معاشرہ میں جہاں کہیں بگاڑ دیکھیں اس کو بھی بدلنے اور بگاڑ کی جگہ صلح و خیر کو قائم کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔

مسلمان خاتون رنج آفریں نہیں راحت رساں ہوتی ہے

دین حق کی ہدایات کو یاد رکھنے والی خاتون تنگی پیدا کرنے کے بجائے آسانیاں پیدا کرتی ہے۔ آسانی پیدا کرنے والے اخلاق ایسا افضل عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے پسند فرماتا ہے: **يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ**

اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں۔ (البقرہ۔۱۸۵)

سمجھدار مسلمان خاتون کا اہتمام مسلمان شخص مسلمان خاندان اسلامی معاشرہ اور امت اسلامیہ کے لئے ہوتا ہے گویا وہ اپنے وطن عزیز میں امن و محبت قائم کرنے والی ہوتی ہے۔

مسلمان خاتون کے شعور میں اس ذمہ داری اور مسئولیت کا احساس ہوتا ہے جو اسلام نے ہر مسلمان مرد اور

عورت پر تبلیغ اسلام اور اس کے احکامات کو لوگوں تک پہنچانے کے سلسلہ میں عائد کیا ہے۔

انسانی زندگی اور دنیا میں اللہ کی حکمت اور متواتر سنت یہی جاری ہے کہ مرد کی شخصیت عورت سے ممتاز رہے اور اس طرح عورت کی شخصیت مرد سے ممتاز اور نمایاں رہے۔

یہ امتیازی وصف دونوں میں الگ الگ انتہائی ضروری ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر کسی کا دوسرے سے الگ تھلگ کردار اور کام ہے۔ اور یہی امتیازی وصف جنس کی بنیادی ذمہ داری اور زندگی میں اس کی ہم ترین کارکردگی کو جنس کی امتیازی شخصیت کے ساتھ مکمل طور پر مربوط رکھا ہے۔ یعنی مرد کی شخصیت کو عورت سے مکمل جدا رکھا ہے اور عورت کو مکمل طور پر مرد سے الگ رکھا ہے۔

جب مرد اور زن کی زندگی کے اہم ترین امور الگ الگ ضابطوں پر ہیں، تو اسلام ان میں توازن کا خیال رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ربانی قواعد سے ہٹنا فطرت کے خلاف جانا ہے۔

جب مسلمان عافیت میں تھے اس وقت اللہ کی شریعت ان میں فیصلے کرتی تھی، مسلم معاشرہ روشنی میں تھا۔ آج مسلمان سے اسلام کا سایہ سمٹ رہا ہے، ہمارے معاشرے میں اسلام کی رشنی مدہم ہو چکی ہے۔ مرد اور عورت کے اوصاف وضع قطع رہن سہن میں انفرادیت اور پہچان مٹتی جا رہی ہے۔ دشمن کی فکری یلغار کا مقصود ہماری نسل کو روحانی شکست سے دوچار کرنا ہے۔ جس میں وہ کامیاب ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اسلامی امتیازات مسلم معاشرہ کے اقدار اور روایات مغربی بدکار مشرقی کفار کے مشترک حملوں سے ملت اسلامیہ کج فکری بلکہ فکری ارتداد کے دھویں میں گھر چکی ہے۔ (اللہ محفوظ رکھے)

دعوتِ حق

اللہ تعالیٰ کی عبادت انسان کی ہر مثبت اور تعمیری حرکت میں موجود ہے۔ تاکہ دنیا آباد رہے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ (کلمۃ اللہ) مضبوط و بلند رہے اور زندگی میں اس کا منہج دکھائے دے۔ یہ وہی حق ہے جو تمام مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے اور گرد و نواح میں اس کو عام کرنا ہے۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے روشنی والی عورت روشن چراغ کے مانند ہے۔

بچوں کی پرورش گھریلو امور کی تکمیل کرنے والی ہی نہیں بلکہ نسلوں کی تربیت کرنے والی قوم کے سپوتوں کو پروان چڑھانے والی، میدان دعوت و تربیت و تعلیم میں قائدانہ صلاحیت رکھنے، زندگی کے مختلف مراحل میں تعمیری سرگرمیاں انجام دینے والی زندگی کی خشکی میں تراوٹ و حلاوث پیدا کرنے والی بھی ہے۔

مسلمان خاتون جس نے اپنے دین کی ہدایات سے کسبِ فیض کی وہی ترقی یافتہ مہذب بیدار مغز پاک طینت بلند کردار خاتون ہے۔ اسلام سے اس کے سچے اور دائمی تعلق کی وجہ سے اس سے نسبت رکھنے والے غالب ہی رہیں گے۔ اور اس کا وطن ہمہ جہت ترقی کرے گا۔ اب اس اہم فریضہ کو پرخلوص اور پرعزم حوصلے کے ساتھ انجام دینا ہے۔ اس اہم ذمہ داری کو نبھانے کی اللہ توفیق عطا فرمائے۔ **آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم**

قصيدة فى المديح النبوي الشريف

على صاحبه أفضل الصلوة والتسليم

قرظها سيد الأدباء العلامة السيد إبراهيم أديب الرضوي –عليه شآبيب الرحمة–

۱	سُحِرتُ والسحر نفث مؤثِّر	بعينى مهاةٍ فى سَمَا السحرِ تزهَرُ
۲	عجبت من التاثير فى سحر جفنها	وفى شفتيها لى عقيق محمَّرُ
۳	اما يبطل السحرَ العقيق فما له	و من مقلتيها السحر فينا يوثر
۴	فتاة اساريها الاسود اذا رنت	بمعترک الاشواق باللحظ تأسِر
۵	لقد عرضت تختال زهوا كانها	يميل بكثبان قضيب منورُ
۶	تقر عيونى فى رياض وصالها	و فى القلب بالهجر الجحيمُ تُسعَّر
۷	مبرقعة بالحسن لا بقناعها	كشمس الضحى تغشى لمن هو يبصر
۸	اما والذى لولا جلاه بطُوره	لما خرّ موسى مصعقا حين ينظر
۹	فريدة بحر الكون نزهة روضة	البهاء و من يرنو بعينيه جوذر
۱۰	نهار لقد ا لقى عليه رداءً	سطوعٌ بسمک الحسن ليلٌ معنبر
۱۱	قد اجتمع الاسلام والكفر موضعا	و سيف سرِ يجيٌ دجى الكفر يفطر
۱۲	اذا فتحت من تحت برقع و جهِها	جمالا فمنها ضاع مسكٌ و عنبر
۱۳	تبسم عن در يُحاكيه لفظها	متى كشفت عن خاتم الدر ينثر
۱۴	بقامتها الصعداء عرفنا قيامة	تكوّن من اذيالها اذ تبختر

۱۵	شربت بخمر من رحیق مقدم	طهورا و لمع البرق فی الخمر مُبصَر
۱۶	وَريّا ازاهير الجنان شممتُها	باردانِ مَن مِن وجهها الليلُ يقمر
۱۷	تحارُ برُؤياها العيون كما ترى	الدموع باحداق العيون تَحيَّرُ
۱۸	خلوت بها ليلا و بين مضجعی	من الوصل نيران الفؤاد تسعَّرُ
۱۹	رأيت كذا رُؤيا بمحض تصوری	من الحظِ حيث الحظ كان يُدبِرّ
۲۰	ففي الذوق معنى من مديح محمد	نبی الورى للّٰه سيف مذكر
۲۱	فسبحان من اسرى به وبراقه	الى المسجد الاقصى فامسى يكبر
۲۲	و منه الى العرش العظيم بلمحةٍ	فاصبح منه برقع القرب يسفر
۲۳	فما كان الاقاب قوسين مفرقا	من اللّٰه او ادنى فما السهم يوتر
۲۴	فشاهد من نور يزيغ نواظرا	ولم تزغ الابصار اذ هو مبصر
۲۵	وما كان ثم غيره جلّ شانه	و غير الّذي ذاك الجمالُ المنوّرُ
۲۶	فكان من النورين كل يشاهد	الحبيب ووجه السّرَّ اذ ذاك مسفِرُ
۲۷	فعاد الينا هاديًا ما هوىٰ	من اللّٰه ذى الانعام ما ليس يُحصَرُ
۲۸	و ناجاه فيما كان او هو كائنٌ	و اعطاه رب الكون ما هو اجدرُ
۲۹	فحاز فخارًا ما علٰى ذاك مفخر	وجاز علآءً ما علٰى ذاك وَ مَظهَرُ
۳۰	نبيّ الهدىٰ صدر الرسالة خاتم	النّبيين من للرَّسُلِ تاجٌ و مفخرُ
۳۱	اتٰى صاحب الادوار والكون طوعه	علٰى امره الدوَّار دومًا يُدوّرُ
۳۲	كفيل الورىٰ ذو شيمةٍ احمديةٍ	طليق المحيًّا فضله الخلق يغمرُ
۳۳	رسول كريم باهر المجد طاهرٌ	صبيح وسيم خلقه الخلق ينهرُ

۳۴	ومن طاب مرقاه وجلت صفاته	عن الظنّ و الا وهام فالكلّ يقصرُ
۳۵	و اكرم مثواه و اعلٰى مقاما	و ادناه منه ذو الثنا المُتَكَبِّرُ
۳۶	ويشفیٰ اسمه المحبوب حر غِليانِنا	و اليجبر ما فی العالم الدّهر يكسرُ
۳۷	طبيب قلوب الوامقين دواوُهَا	و اشفاهُم مَن كلّهم فيه يعذرُ
۳۸	فيا ايّها الهيّام صلُّو و سلمُوا	على المصطفیٰ المختار ما ذرَّ اَزهرُ
۳۹	حبيب الٰه العرش سيّد خلقه	و علة من في الكون يبدو و يحضرُ
۴۰	قديمٌ اتا آخرًا برسالةٍ	فاعظم به وهو القديم الموخَّرُ
۴۱	شفيع الوریٰ يوم النشور مشفع	و غوثهم فيما يهول و ينذرُ
۴۲	فاكرم به من شافعٍ متحنّنٍ	اذا والدٌ عن ابنه ليس يذكرُ
۴۳	بيومٍ يفرّ المرءُ ممن يحبُّ	و من هول ما يسجو الذُّكاء تكوّرُ
۴۴	هو البدر فی داجٍ به يهتدی الوریٰ	و يعرف طرق الحقّ اذ ما تنكّرُوا
۴۵	مُحَيَّاهُ طَلَقٌ بِالبِشَارَةِ اِنَّمَا	بِهِ الرُّعبُ قَذفًا في القُلُوبِ وَ مَنُ جَرُ
۴۶	و تهدی صلٰوةُ اللّٰهِ في حُلَلِ الشَّذا	الٰی من له في قربه الحظّ اَوُ فَرُ
۴۷	محمدن الداعی الی اللّٰه حكمةً	و موعظة والجدل ما منه يجدرُ
۴۸	و خير عباد اللّٰه من يأت او مضٰی	ربوبيَّة في كنِههٖ تتصوّرُ
۴۹	الم تدر اَنَّ الخلق اعراض نفسه	جميعًا و ذاتُ المصطفی هي جوهَرُ
۵۰	اتٰی وهو الدُّرُّ اليتيم درا ريًا	باٰيات قرآن بنظم تُنْثّرُ
۵۱	و بالمعجزات الباٰهرات وباللّتي	به خصَّها اللّٰه الجليل المقدّرُ
۵۲	تزيد بحسبانٍ على الرمل كثرة	و عن عَدِّها الاوهام للحبر تحصرُ

۵۳ ولم یدرها غیر الّذي جَلَّ شانُه علٰی کُلِّ شئ کیفما شاء یقدرُ

۵۴ لا جلاله في الکف سَبَّحتِ الحَصَا و ظلَّلَهُ غیمٌ وما هو یمطرُ

۵۵ و شُق له بدرُ الدُّجٰی و تنکست بافواهها الاصنامُ ظَلَّتُ تَکَسرُّ

۵۶ و غاضت بمیلاد الشّریف بحیرةٌ وقاضَتْ یَنَابِیع الهُدٰی تتفَجَّرُ

۵۷ و اخمدت النِیران في فارسٍ وُزلزِل ایوانُ لکسریٰ مُعَمَّرُ

۵۸ و درّت له شاة لحيّ ولم تکن حلوبة بیتٍ رامها المتغبُّر

۵۹ و ناداه ضبٌّ مستغیثًا و آنسته ظبیةٌ وَ حشٍ وَالْوَحُوش تقُّر

۶۰ بضوء محیّاه استضأت مساجدٌ و حنّ له شوقًا من الجذع منبرُ

۶۱ و ارویٰ ظمآءً من انامل کفّه بحارًا غدَتُ منها الینا بیع تفجرُ

۶۲ و کم ابرء الاسقام لمسًا و منفثا لا بدان مرضٰی فاشتفوا و تعطّروا

۶۳ ففي شفتیه للمریض شفآء ہ و في راحتیه روحه متصوّرُ

۶۴ سلالة اذکٰی النّاس من اٰل هاشمٍ ضِیَآءُ الوَریٰ الزَّاکی المجید المطهُّر

۶۵ خلاصة اطهار العواتک من کرا ئم طَابَ مِن ارحامهن التّطهُّر

۶۶ و ان کتاب اللّٰه ینطقُ مفصحًا بطٰه فاکرم بالّذي هو اطهُر

۶۷ اَجَلُّ الوَریٰ المحمودُ مصباح ظلمةٍ حمید المساعي اکرم الخلق اخیَرُ

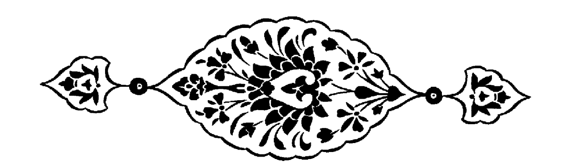
۶۸ و اشجعهم عند المطار یید ملتقی و اَوُفی هم عند المواعید افخرُ

۶۹ همام جلیلٌ هاشميٌ مقدسٌ و خیر الاولٰی صاموا و ازکٰی من افطُر

۷۰ و خیر رسولٍ جاء في خیر امّةٍ بخیر کتابٍ منذرٌ و مبشّرُ

۷۱ ذکآء النّدیٰ ان ضنّ نوء مخصّب و اظلم من لیل التجدّب اعصُرُ

۷۲	و یزهو سماحُ في صباح جبينه	عليه دنا ينر النّجوم تنشرُ
۷۳	و کم معدم يدعوه سرًّا رايتهٗ	على الامر اذيل الثَّراء يجرّرُ
۷۴	فطابت له الدنيا وما فی اعتقابها	و احسن بدنيا اذ مع الدين تغير
۷۵	وما اقبح الدّنيا اذ الدين لم يكن	و مبتاعُها بالدّين لا شَکَّ يَخُسرُ
۷۶	وما اعلَمَ المختار للّٰهِ دَرُّهٗ	يتيمًا و كان المقتدیٰ وهو منهرُ
۷۷	فاعجب بأُمّيٍ به العلم فاخرٌ	فيُسِّر من اَفْضَالِهٖ مَا يُعَسِّرُ
۷۸	وَ خفّف لا وزار الاثيم فانّه	بفرط الذُّنُوبِ الموبقاتِ يُدَمَّرُ
۷۹	فان لم تخفّف عنه ما هو و ازرٌ	فما حطّه عن ظهره يُتصوّرُ
۸۰	و بلغ مرامي يا الٰهی وانت مَنُ	يبلغ من والاک مرمیً و تنصرُ
۸۱	بجاه النبيّ الهاشميّ و اٰله	و حُرُمَةِ مَنُ في طَاعةٍ لَکَ شمَّرُوا
۸۲	و صلّ عليهم ما تَنَفَّسَ روضَةٌ	صلٰوة يفوح المسکُ منها و اذُفر



کلام الامام، امام الکلام

حضرت شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی رحمہ اللہ

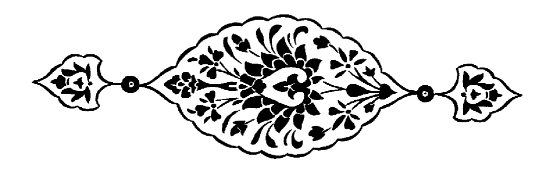
آج کل ایسی زمانہ کی ہوا بدلی ہے
مینہ برستا نہیں ہر چند گھٹا بدلی ہے

ان دنوں کچھ عجب انداز جفا ہیں پیدا
کیوں نہوں خلق نے بھی طرز وفا بدلی ہے

ابر کی طبعِ کریمانہ میں اِمساک آیا
جس طرح طبعِ کریم امرا بدلی ہے

رحم اور جود و کرم اہل کرم نے چھوڑا
اس لئے ابر نے بھی خود سخا بدلی ہے

انورؔا اہل زمین نے کیا طاعت میں قصور
اس لئے عادتِ آثارِ سما بدلی ہے



نعت ممدوح یزداں ﷺ

مدحتِ ممدوح رب دوجہاں، قرآن ہے
ذات اقدس آپ کی کتنی عظیم الشان ہے

گلشن ہستی میں جن سے آئی ہے تازہ بہار
ان کے جلووں ہی سے روشن عالم امکان ہے

وہ ہوئے پیدا، جو رحمت ہیں دو عالَم کے لئے
جن کی الفت اور غلامی دین ہے ایمان ہے

آمد سرکار پر شاداں و فرحاں ہیں ملک
قدسیاں مسرور ہیں سب، غمزدہ شیطان ہے

یوم میلاد النبی ہی ساری عیدوں کی ہے عید
از زمیں تا عرش اعظم جشن کا سامان ہے

چوم کر پائے نبی مکۂ مکرم ہوگیا
پڑھ کے دیکھو اس پہ شاہد آیتِ قرآن ہے

نور سے ان کے مزین عرش اور لوح و قلم
کہکشاں، شمس وقمر، سب میں اسی سے جان ہے

حسن مطلق کی تجلی جس سے ہے جلوہ نما
حق کا وہ پیارا نبی ہی عرش کا مہمان ہے

وہ حبیب کبریا ہیں، خلق کے محبوب ہیں
وہ اگر راضی تو راضی بے گماں رحمٰن ہے

شافع محشر بھی ہیں وہ، ساقئ کوثر بھی وہ
حق تعالی کو منانا بھی انہی کی شان ہے

دل میں حبِ آل و اصحابِ نبی ہے جاگزیں
اور بفیضِ پنجتن ، قائم مرا ایمان ہے

آپ کے در پر پڑا ہے یہ ضیّاؔئے خستہ جاں
اس کی مشکل، اک نظر سے آپ کی آسان ہے

نتیجہ فکر: مولانا مفتی حافظ سید ضیاء الدین نقشبندی ضیّاؔء صاحب، شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ

منقبت

بشان شیخ الاسلام عارف باللہ امام محمد انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ قدس اللہ سرہٗ

فضل باری ہے ، عطائے حضرتِ خیر الانام
اہل سنت کے دیارِ ہند میں ہیں آپ امام

ہیں مجدد دین حق کے اور ہیں قطب زماں
کیا عرب اور کیا عجم سب نے کیا ہے احترام

آسمان علم کا سورج افق پر چھا گیا
ظلمتوں کا جہل کی اب غیر ممکن ہے قیام

ہے یہاں درسِ شریعتؔ اور طریقت کا سبق
اور چھلکتے ہیں مسلسل بادۂ عرفاں کے جام

مستند ہے آپ کا ہر لفظ فرمایا ہوا
ماہرین علم و فن میں آپ ہیں عالی مقام

عشقِ احمد سے ہے مملو آپ کی تحریریں سب
دل کے آئینے کو جیسے کر گئیں ماہِ تمام

قادیانیّت کا پہلے آپ ہی نے رد کیا
کانپتے ہیں اہل باطل آپ کا لیتے ہی نام

سائنسی تحقیق سے ثابت کیا اسلام کو
اور پھیلایا دلیلوں سے خدا کا ہر پیام

مصطفیٰ صلّ علی کی دستخط کے فیض سے
ہر نظامی دین ودنیا میں رہے گا نیک نام

مرکزِ انوار میں اہل محبت آئے ہیں
بھر کے دامن میرے مولیٰ کردے سب کو شادکام

یا الٰہی جامعہ کو شاد رکھ آباد رکھ
مقصدِ بانی رہے پیش نظر سب کے مدام

منبع انوار سے ہر اک ضیاؔء ہے مستنیر
ہے تمنائی بلا تخصیص ہر اک خاص و عام

نتیجہ فکر: مولانا مفتی حافظ سید ضیاء الدین نقشبندی ضیاؔء صاحب، شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ

جشن تاسیس جامعہ نظامیہ

مکتب انوار اے سرچشمۂ علم و ہنر
مرکز رشد و ہدایت؛ مسکن ِاہل نظر

تشنگانِ بادۂ عرفاں کے نہر سلسبیل
طالبانِ منزل ِحکمت کے خضر ِمعتبر

کفر کی تاریک بستی میں اجالوں کے سفیر
عرصئہ جنگ و جدل میں امن کے پیغامبر

وادیٔ گنگ و جمن میں دارِ ارقم کی مثال
سینئہ ارض ِدکن پر خواہش ِخیر البشر

تیرے پرچم نے کیا قائم نظام ِمصطفیٰ
دین فطرت کے علمبر دار تیرے بام و در

ملک و ملت کے لئے نعمت تری موجودگی
اہل حق کے واسطے اک معجزہ تو سربسر

خوشہ چینوں میں ترے نادار بھی سلطان بھی
تیری صف میں ہیں برابر بندگان و تاجور

خاک میں تیری ہے پنہاں صلح جو کا فلسفہ
حد فاصل کی طرح ہے تو میان خیروشر

جب بھی خطرے میں پڑا اہل حرم کا اتحاد
تیری حکمت نے کیا باہم انہیں شیر و شکر

خانوادوں میں ترے ایسے بھی ہیں روشن ضمیر
جن کی نظر خاص سے ذرہ بھی ہو رشک قمر

آ کے ہر ناقص تری محفل میں یوں کامل ہوا
ابرنیساں کا صدف میں جیسے قطرہ ہو گہر

نفرتوں کی آندھیوں میں اس طرح روشن ہے تو
جیسے کالی رات کے دل میں ہو عکس دوپہر

سازشی ذہنوں کو تونے فتح کرکے آخرش
کر لیا طے ایک سوانچاس برسوں کا سفر

روشنی کا یہ سفر اس وقت تک جاری رہے
چاند تارے جب تلک روشن رہیں افلاک پر

تجھ پہ ہوں سایہ فگن سب آسمانوں کے مکیں
خود کرے تیری حفاظت گنبد بے بام ودر

گلشن انوار کے پھولوں کو وہ خوشبو ملے
باد صر صر کا کسی صورت نہو جس پر اثر

جو کھلے غنچہ یہاں پائے وہ تاثیر خلیل
کود جائے آتشِ نمرود میں جو بے خطر

تاابد جلتی رہیں یا رب نظامی مشعلیں
''نیل کے ساحل سے لے کرتا بہ خاک کاشغر''

نتیجۂ فکر: شاعر خلیج مولوی جلیل احمد نظامی صاحب مولوی عالم جامعہ نظامیہ حال مقیم دوحہ قطر

منقبت

بشان مولائے کائنات حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجھہ

دل ہے علی کا ' دل میں محبت علی کی ہے
قلب و جگر میں، جان میں طاقت علی کی ہے

گلشن علی کا ' اس میں طراوت علی کی ہے
غنچے ' شگوفے ' گل میں نزاکت علی کی ہے

حق ہے علی کے ساتھ ' علی حق کے ساتھ ہیں
فرمانِ مصطفیٰ ہی فضیلت علی کی ہے

الفاظ ہیں کہ بحرِ فصاحت کی موج ہے
خطبات سے نمایاں بلاغت علی کی ہے

کیا مال و زر کا ذکر گھرانہ لٹادیا
مشہور دوجہاں میں سخاوت علی کی ہے

ابدال و اصفیاء و قطب ' غوث باصفا
کل اولیاء میں شانِ ولایت علی کی ہے

حسنین و فاطمہ ترے ' واحدؔ نبی ترے
اس پر خدا کا فضل و عنایت علی کی ہے

نتیجۂ فکر: سید واحد علی قادری، نائب شیخ المعقولات جامعہ نظامیہ



القسم العربي

المنتقى البلاغي من النبي التهامي ﷺ

الأستاذ غلام خواجا سيف الله، عضو هيئة التدريس بالجامعة النظامية

هذا واقع ملموس و ناصع مخصوص أن الحديث المصطفوي الشريف - على صاحبه أفضل الصلوة والتسليم - كان له حجية بالغة و شرعية لامعة لدى الأحكام الشرعية الإسلامية، و هو تفسير للقرأن الكريم، وتشريع للإسلام والملة، و موعظة نافعة للناس والأمة، وبالإضافة إلى ذلک إنه من أسس الفقه الإسلامي، ولا نكال فيه، و مع أنه أدب عال، وكان له مكان غال فى المواد الأدبية، وهو يحتوي على جميع جوانب البلاغة وأنواعها -على البيان والمعاني والبديع-.

"....والبلاغة وهي تنبئ عن الوصول والإنتهاء يوصف بها الأخيران فقط، أي الكلام والمتكلم دون المفرد". ١

فإنما تلک البلاغة إذا انطلقت من بين ثنايا الرسول خير البرايا - عليه السلام - تنير الأنوار، وتشيع الإشعار، و تثير الأثار، وتنبئ الأخبار، وتقرب الأخيار، و ترشد الأشرار . والحق أنها أحاديث أفصح الناس قاطبة - صلى الله عليه

فإنما تلک البلاغة إذا انطلقت من بين ثنايا الرسول خير البرايا - عليه السلام - تنير الأنوار، وتشيع الإشعار، و تثير الأثار، وتنبئ الأخبار، وتقرب الأخيار، و ترشد الأشرار. والحق أنها أحاديث أفصح الناس قاطبة - صلى الله عليه وسلم - ، وإنها بليغة بأسرها

بصيغة مبانيها و جودة معانيها،ولا يسع لأحد أن يعتنى عن سموها، ولا مجال للكلام عن نموها، فإنها وصلت إلى قمة الجبال فصحا و جودا، و بلغت إلى ذروة الكمال بيانا وضوحا.

وسلم- ، وإنها بليغة بأسرها بصيغة مبانيها و جودة معانيها،ولا يسع لأحد أن يعتنى عن سموها، ولا مجال للكلام عن نموها، فإنها وصلت إلى قمة الجبال فصحا و جودا، و بلغت إلى ذروة الكمال بيانا وضوحا.

الإعجاز المنطقي

إنه كلام نبوي قاله -صلى الله عليه وسلم- ، وهو إعجاز ممتاز له، لم يطق أحد أن يجترئ؛ و يدعي على أنه يأتي مثله، بل إتيان مقتبسات الحديث النبوي فى الكلام العربي يرفع سعره، وهو أعذب مقتبس بعد القرأن العظيم وأحلاه، ويجيد كلامه من يقتبس منه، ويمنحه رفيع المستوى. ولا يختلف إثنان أن علوم الحديث الشريف هي من مبالغ اللغة العربية، وأسس الأساليب الأدبية، فإن فيها خلقية فصحة بمرضاة الله العزيز الحكيم، فإنه - تقدس اسمه - يعلي مكانة إعجازحبيبه - عليه أزكى التحية-، ويقول: "وما ينطق عن الهوى. إن هو إلا وحي يوحى" . ٢

الجمال الأدبي

أما أدب رسول الله صلى الله عليه وسلم أدب لغوي متداول، وهو على لغة قريش، وفيها أنزل عليه القرأن المجيد، أدبه ربه -جل وعلا - فأحسن تأديبا، فما وسع له أن يتلمذ على أحد من العباد، بيد أنه أحلاهم لسانا و أعلاهم بيانا، ولم لا! وهو يقول: جمال الرجل فصاحة لسانه. ذكره العلامة محمد الزرقاني (١١٢٢هـ) فى شرحه على المواهب، وقال شارحا :أى :قدرته على التكلم ببلاغة وفصاحة، بلا تلعثم ولا لكنة . ٣

وجمال فصاحته - صلى الله عليه وسلم - يعجب الأسماع ملائمة ، و يبلغ إلى الأذهان مباشرة، ولا سيما يترك السامع لمزيد استماعه غبطة وسرورا، وإذا سمع أصحابه - رضى الله عنهم- إبداعيا؛ اتسعت عيونهم إعجابا، وقد حكى العلامة شهاب الدين أحمد القسطلاني (٩٢٣هـ) رغبة أصحابه حينما كانوا يسمعون الأحاديث النبوية، فإنهم يسمعون كلاما كريما، ورواها عن أعلمهم، والرواية هذه : قال أبو بكر: يا رسول الله، لقد طفت فى العرب وسمعت فصحاء هم، فما سمعت أفصح منك، قال: "أدبني ربي ونشأت فى بني سعد"، رواها السرقسطي في الدلائل.٤

وحينما يتكلم رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يسرد كلمات بليغة لم يسمعها أصحابه من قبل، وهو من توفيق الله - سبحانه - ، وقد

روي عن علي بن أبي طالب - رضى الله عنه- أنه قال : ما سمعت كلمة غريبة من العرب -يريد التركيب البيانى - إلا وسمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وسمعته يقول : "مات حتف أنفه" وما سمعتها من عربي قبله.٥

المجال الإبداعى

و أحاديث سيد العرب - صلى الله عليه وسلم - كلها توافق أبنية الصرف، و قواعد النحو، و أداب اللغة، و أصول البلاغة بأسرها، بل يجدر أن يقال أنها من مراجعها و مصادرها، فمن كان له درك في فهم كلامه، فهم اقتفوا إثره واجتنوا ثمره، ومن لم يكن له درک فی الأداب؛ لا يتأتى له الفهم إلى إبداعيته، فإنما هي بليغة و بالغة إلى كنه الأدب والمحسنة، وكما أنه نشأ فی بني سعد، و ترعرع فی أعظم القبائل قريش وأعربها، ومثل إبداعه رواية رواها الشيخان فی حديث الحوض: عن عبد الله بن عمرو - رضي الله عنه - قال : قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم- " :حوضي مسيرة شهر، وزواياه سواء ، ماؤه أبيض من اللبن، وريحه أطيب من المسک، وكيزانه كنجوم السماء ، من يشرب منها فلا يظمأ أبدا ." متفق عليه.

وقد قيل أن في هذا الحديث أتي للون بكلمة "أبيض" على بناء التفضيل، وهو ليس بصحيح؛ هذه واردة قالها ممن ليس لهم دراية للأداب العالية، فأجابهم الإمام محي الدين يحيى النووى (٦٧٦هـ) مصرحا : النحويون يقولون : لايبنى فعل التعجب وأفعل التفضيل من الألوان والعيوب، بل يتوصل إليه بنحو أشد وأبلغ، فلا يقال: ما أبيض زيدا ! ولا : زيد أبيض من عمرو، وهذا الحديث يدل على صحة ذلک، وحجة على من منعوه، وهي لغة، وإن كانت قليلة الإستعمال.٦

التخلي عن التكلف

إنه الأحاديث التي جرت من منطق خير، و الأحاسيس التي لا ساحة لها من لوم ولا عير، وهي كلها معفوة عن التنافر و الضير، لا تكثر إطنابا إلا لفائتة، ولا تقصر إيجازا إلا لفائدة، وهي فارغة عن الزخارف، ولا علاقة لها من اللهو والخزارف، مع أن لقائلها - صلى الله عليه وسلم - أسلوب أسجوع، و له صنعة صفية تخلوعن الغرائب والتصنع، و سجعة بريئة من التعقيد والتكلف، وليس من مقاله جهة لدينة وأجر، ولا هي وجهة لحرفة وذخر، ألا وهو كلام للذي أمر من حضرة القدس - سبحانه - ؛ أن يقول: "قال فالحق

والحق أقول..... قل ما أسئلكم عليه من أجر وما أنا من المتكلفين" . ٧

فيثبت بهذا الأمر الرباني أن ليس له من التكلف شيئ فى حضرة الرسالة، ولا في كلام صاحبها، ولو كان هناك تكلف لوجب أن مقاله ممزوج من الفصاحة وما دونها، كما صرح الإمام الفخر الرازي في تفسيره: .....المتكلف لا يدوم أمره طويلا ؛ بل يرجع إلى الطبع . ٨

وفى الحديث المذكور أعلاه؛ قاله - صلى الله عليه وسلم - : "فصاحة لسانه" شرحها العلامة الزرقاني بقوله : "الخلقية بلا تكلف ." ٩

وعدد الأديب أبو عثمان الجاحظ الكناني (٢٥٥هـ) هذه الخلقية المتخلية عن التكلف فنا من الفنون الأدبية، وقال: وأنا ذاكر بعد هذا فنا آخر من كلامه صلّى الله عليه وسلّم، وهو الكلام الذى قلّ عدد حروفه، وكثر عدد معانيه، وجلّ عن الصنعة، ونزّه عن التكلف، وكان كما قال الله تبارك وتعالى: قل يا محمد! وما أنا من المتكلفين. ١٠

القول البليغ

والبلاغة النبوية هي موعظة جذابة، جمال القرأن ينطلق حينما تكلم - صلى الله عليه وسلم -، كلما تكلم نثرا كانما نظم دررا، و حينما اعتنى بالكلام و اجتبى المطالب ؛ اجتنى الأطايب واجتنب الغرائب، وكان لها تأثير كثير، و إشعار أنيق تجعل داعية صالحة لإصلاح الناس والصلاح ذات البين، وهي أوقع فى قلب من نهل بسماعها، وعقل بصفاتها، وقد كانت جوامع كلمه عارية عن التكلف، و عالية عن التصنع؛ مع كونها مقفاة و مزخرفة، و مسجعة و مرصعة، فهي تقتضي أن يزدلف السامع إلى ما يوعظ له من شفتي المصطفى -عليه صلوة الله وسلامه - ويصبح أن يتم عمله فى ضوء الموعظة، وأمر الله -جل شأنه - حبيبه -صلى الله عليه وسلم - بالموعظة ذات قول بليغ، وفى التنزيل العزيز: " وقل لهم قولا بليغا ". ١١

وحرر الإمام فخر الدين الرازي -رحمه الله - (٦٠٦ هـ) فى تفسيره مفاتيح الغيب دعم شرح قوله تعالى "قولا بليغا" :أن القول البليغ صفة للوعظ ، فأمر تعالى بالوعظ ، ثم أمر أن يكون ذلك الوعظ بالقول البليغ، وهو أن يكون كلاما بليغا طويلا، حسن الألفاظ، حسن المعاني، مشتملا على الترغيب والترهيب، والإحذار والإنذار، والثواب والعقاب، فإن الكلام إذا كان هكذا عظم وقعه في القلب، وإذا كان مختصرا

ركيك اللفظ قليل المعنى ؛ لم يؤثر ألبتة في القلب.١٢

وذكر الشيخ أبو عبد الله محمد بن أحمد القرطبي (٦٧١هـ) في تفسيره عن كلمة "البليغ" .....وقد بلغ القول بلاغة ، ورجل بليغ يبلغ بلسانه كنه ما في قلبه . ١٣

وهذا من ميزة أساليبه العطرة أنه لا يطيل كلاما، ولا يجعله كلالا، ولا يمل مستمعه ملالا، و كأنه يذيب صافياو زلالا، كما ذكر عن خطبه الشريفة : وكان - صلى الله عليه وسلم - يقصر خطبه ولا يطيلها؛ بل كان يبلغ و يوجز. ١٤

جوامع الكلم

وأما جوامع كلمه - صلى الله عليه وسلم - لا تخفى، فإنها من ميزات كماله، ومما أدبه الله العليم الكليم، ففي هذا الباب عدة أحاديث نبوية ؛ تدل على فضله وكرامته كلاما و مقالا . منها ما روى الإمام مسلم (٢٦١هـ) في صحيحه في كتاب المساجد و مواضع الصلوة عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم- قال: "فضلت على الأنبياء بست: أعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب، وأحلت لي الغنائم، وجعلت لي الأرض طهورا و مسجدا، وأرسلت إلى الخلق كافة، و ختم بي النبيون".١٥

ما هي الجوامع التي كرمه الله - سبحانه - بها، وفضله على إخوانه من الأنبياء - عليهم السلام - ؛ فقد ذكرها الإمام جلال الدين السيوطي -عليه الرحمة - (٩١١ﻫ) في شرحه لصحيح الإمام، ونقل: قال الهروي - يعنى به القرأن - جمع الله تعالى في الألفاظ اليسيرة؛ منه المعاني الكثيرة، وكلامه -صلى الله عليه وسلم - كان بالجوامع قليل اللفظ كثير المعاني. ١٦

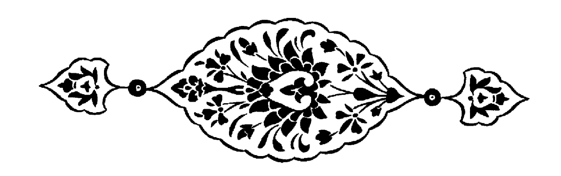
وفي حديث أخر للإمام مسلم ما رواه عن أبي بردة عن أبيه: وكان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قد أعطي جوامع الكلم بخواتمه. ١٧

و شرح الإمام النووي في ظل هذا الحديث النبوي الشريف: ”قد أعطي جوامع الكلم بخواتمه“ أي إيجاز اللفظ مع تناوله المعاني الكثيرة جدا، وقوله ”بخواتمه“ أي كأنه يختم على المعاني الكثيرة التى تضمنها اللفظ اليسير، فلا يخرج منها شيئ عن طالبه ومستنبطه لعذوبة لفظه وجزالته. ١٨

وعبر عن حسن كلامه، وعذوبة زلاله، وبيان بلاغته الشيخ نصر الدين أحمد حسين

بأحسن عبارة، وهي هذه: فالرسول - صلى الله عليه وسلم - قد كرمه الله - سبحانه وتعالى - ، وكان أفصح العرب قاطبة؛ بل أفصح من نطق بالضاد، وقد أوتي جوامع الكلم، وهو الكلام الذي قل عدد حروفه، وكثر عدد معانيه، وهو كلام ابتعد عن الصنعة، ونزه عن التكلف والتصنع. وكان -عليه السلام- لا يتكلف القول، ولا يقصد إلى تزيينه، ولا يبغي إليه وسيلة من وسائل الصنعة، ولا يجاوز به مقدار الإبلاغ في المعنى الذي يريده. وهكذا كانت أحاديث الرسول - صلى الله عليه وسلم- وكلامه وأسلوبه.١٩

١. المختصر على المفتاح للسعد التفتازاني،ص ١٣
٢. النجم ٣،٤
٣. شرح الزرقاني على المواهب، ج٥، ص ٣٨٣
٤. شرح الزرقاني على المواهب، ج٥، ص ٢٩٨، تاريخ آداب العرب، إجتماع كلامه وقلته - صلى الله عليه وسلم- ،ج٢، ص ١٩٧
٥. تاريخ آداب العرب، تأثيره في اللغة - صلى الله عليه وسلم- ،ج٢، ص ٢٠٦
٦. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لملا علي القارئ، ج٨، ص ٣٥٣٦، حد ٥٥٦٧، المنهاج شرح صحيح مسلم بن حجاج للنووي، ج ١٥، ص ٥٥
٧. سورة ص ٨٤،٨٦
٨. مفاتيح الغيب للرازي، ج٣٠، ص ٦٠١
٩. شرح الزرقاني على المواهب، ج٥، ص ٣٨٤
١٠. البيان و التبيين للجاحظ، ج٢، ص ١٣
١١. النساء -٦٣
١٢. مفاتيح الغيب للرازي، ج ١٠، ص١٢٤
١٣. الجامع لأحكام القرأن للقرطبي ، ج٥، ص ٢٦٥
١٤. جامع العلوم والحكم في شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم، الحديث الثامن والعشرون :أوصيكم بتقوى الله، ج ٢ ، ص ٦٥، حد :١٩١٣
١٥. صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلوة، ج١، ص ٣٧١، حد ٥٢٣
١٦. الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج للسيوطي ، ج٢، ص٥
١٧. صحيح مسلم، ج٣، ص ١٥٨٦، حد ٢٠٠١
١٨. المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج للنووي ، ج١٣، ص ١٧٠
١٩. إسهام الحديث النبوي الشريف في تذوق الفن البلاغي،موقع WWW.MALREP.UUM.EDU.MY



تطور الشعر الحديث

فى الجمهورية اليمنية فى القرن العشرين

الأستاذ الحافظ محمد بن القريشي عضو هئية التدريس بالجامعة النظامية

نحمد و نصلي و نسلم على رسوله النبى الكريم الأمين الرؤف الرحيم و على آله و صحبه أجمعين ، أما بعد

فهذه دراسة أديبته عن الأدب اليمني ، لغرض من وراء اختيار الشعر اليمني للمقالة فهو قول رسول اللّه صلى اللّٰه عليه وسلم كما بين فضيلة اليمن ، و قال " الحكمة يمان" (١)

و أضاف أيضاً ، " ان من الشعر لحكمة "

فاجتمع القولان الكريمان لرسول صلى الله عليه وسلم فى الشعر ، لذا اخترت هذا الموضوع للمقالة كأول خطوة تجاه تعريف أدب هذا القطر العربى الأصيل . أذا ألقينا نظرة خاطفة على الباحثين من الهند نجد أنهم لم يتوجهوا إليه فتشرفت بأننى مدين لهذا القطر حيث أن أجدادي و آبائى ينتمون الى اليمن ، وجاؤا من هناك الى حيدرآباد . الهند قبل عقود مديدة ،

على كل حال فى الأرض اليمنية كانت توجد سبع قبائل كبيرة منهم حمير و همدان و مدحج و خولان و حضرموت و كنده و مهرة بالإضافة إلى قبائل عديدة و قبائل اقليم تهامة . كما ألقى عليه الضوء الدكتور الزاري ، يقول : من البداهة أن كل قبيلة من هذه القبائل لا تشكل وحدة اجتماعية و سياسية واحدة ، بل القبيلة الواحدة مقسمه إلى يطون و عشائر ، وكل عشيرة إن لم تكن كل أسرة فيها ، لها كيانها المستقبل فى علاقاتها بجيرانها الحربية والسلمية مما يحقق لها مصلحتها دون النظر إلى المصلحة العامة للقبيلة أو للقبائل الأخرى . وهذا الموضوع فى حاجة الى بسط لأهمية الأوضاع السياسية و لقوة تاثيره على الأحداث التالية.

استوطنوا فی مدینة حیدرآباد و حولها خاصة فی منطقة بارکس ، و یقال لها الآن حضرموت ، بسبب سکان العرب ، و ثقافتهم العربية ، وعاداتهم العربية ، و أزياء هم اليمنية ليس فرق إلى اليوم بينهم و بين اليمنيين ، حتى فضلهم الملک النظام السادس والسابع لقواتهما بسبب شجاعتهم ووفيتهم على الاخرين . هذا فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء . فهذه الدارسة اعتبرها مساهمة متواضعة حيث أنها لبتة أولى بهدا المضمار . و إننى قد وقفت لحد كبير لتعريف المجتمع الهندى العربي عن ادب قطر و مجتمع حضاري عريق فی العالم العربی .

الاوضاع السياسية فی اليمن : يقول الدکتور عبدالرحمن الشجاع فی کتابه : کانت اليمن حال ظهور الاسلام تجاوذبه ثلاث قوى سياسية كبيرة لكل منها طريقها فی ادارة المناطق التى تحت نفوذها ، وهى الفرس و الروم والقوى القبيلية المختلفة ، فأما الفرس يعرفون بالأبناء الذين ظلوا يكمون معظم مناطق اليمن منذ أن غلب سلطانهم على اليمن عام ٥٧٥ م و قد تم لهم نتيجة تلک المنافسة الشديدة إلى صلة بين الفرس و الروم على قدر ممکن عن الأرض . و کان منفذ البحر الأحمر من أهمها و قد سخت لهم الفرضه لجعل ميناء عدن تابعا لمنفذهم حتى لاتمر السفن القادمة و الذاهبة الى الهند والصين إلا تحت إشرافهم و إدارتهم (٢)

على كل حال فی الأرض اليمنية كانت توجد سبع قبائل كبيرة منهم حمير و همدان و مدحج و خولان و حضرموت و کنده و مهرة بالإضافة إلى قبائل عديدة و قبائل اقليم تهامة . كما ألقى عليه الضوء الدکتور الزاري ، يقول : من البداهة أن كل قبيلة من هذه القبائل لا تشكل وحدة اجتماعية و سياسية واحدة ، بل القبيلة الواحدة مقسمه إلى يطون و عشائر ، وكل عشيرة إن لم تكن كل أسرة فيها ، لها كيانها المستقبل فی علاقاتها بجيرانها الحربية والسلمية مما يحقق لها مصلحتها دون النظر إلى المصلحة العامة للقبيلة أو للقبائل الأخرى . وهذا الموضوع فی حاجة الى بسط لأهمية الأوضاع السياسية و لقوة تاثيره على الأحداث التالية (٣)

الجوانب الاعتقادية فی اليمن : فقد إستعرصت حال أهل اليمن فی عقائدهم قبل الإسلام و إنهم كانوا موزعين بين آلهة شتى فمنهم من كان على دين اليهودية أو النصرانية المحترفين

، و منهم من كان على المجوسية و ان كانوا قلة ، و منهم من كان فى ثنية فهم يعتقدون أن اللّٰه خالق لهذا الكون و مع هذا فقد اتخذوا له شركاء و صارت الأصنام و الأوثان التي تعبد مع اللّٰه فى كل قبيلة و فى كل عشيرة . كما ذكر الدكتور فى تاريخه (٤)

ذكرنا فى هذا النص الأحوال التى كان عليها أهل اليمن قبل دخول الإسلام فنعرف معرفة كاملة ما حدث من تحول بعد الإسلام فى هذا الجانب الهام ، لأن العقيدة هى الأساس الذي تقوم عليه الحياة .

أثر الإسلام على المجتمع اليميني : ان تحول اليمن من الجاهلية إلى الإسلام لم يكن مجرد نزهة و إنما واجه عناءً شديدا أفراد المسلمين الأوائل من أهل اليمن . و بذلوا جهوداً قصارى فى سبيل احصول الإسلام و تحقيق هذا التحول ، و قد قسمت هذه المرحلة و سيلتين .

والوسيلة الأولى : هى وسيلة الدعوة عبر الدعاة والرسائل الموجهة إلى زعماء القبائل اليمنية الكبيرة ، وهذه الخطوة ابتدأت من مطلع العالم السابع الجهري .

الوسيلة الثانية : هى وسيلة الدعوة بالمبعوث والسرايا التى خرجت داعية إلى الإسلام (٥)

الثقافة اليمنية ! . يقال أن ثقافة اليمن غزيرة و غنيةهه بمختلف الفنون الشعبية من رقصات و أغانى والزى الحلى تختلف من منطقة لأخرى تعود بأصولها لعصور قديمة جداً ، ولها دور فى تحديد معالم الهوية اليمنية و قوميتها (٦) .

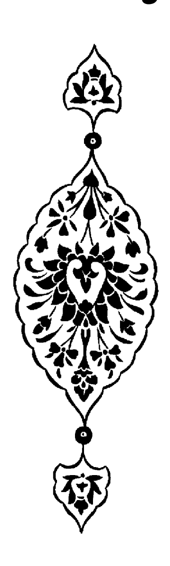
تطور الأدب اليمنى المعاصر : ١٩٠٠ـ ١٩٦٣ م يمكن أن نطلق على هذه المرحلة من الناحية الموضوعية مرحلة التمرو والنورة ، و من الناحية الفنية مرحلة تاكيد الذات ، فلم يعد الأديب اليمنى فى هذه المرحلة متأثراً و لا متفاعلاً فحسب مع الأدبية و النفية التى مع الأدبية والفنية التى تشهدها الساحة الأدبية العربية ، ولكنه أراد أن يعلق عن وجوده الأدبى ، و يقدم نفسه بأسلوبه الخاص ' نتيجة لما شهدته الساحة اليمنية من تطور حركة المد الثورى ، وما شهدته الساحات العربية من حركات التحرير فقد كان الصوت الواقعى أبرز الأصوات حضوراً فى الساحة الأدبية اليمنية إلى جانب عدد من الأصوات الرومانية و بعض الكلاسيكية النضال.... اليمني فى الشعور الحديث فى القرن العشرين :

ظلت اليمن فى عزلة فرضتها الظروف الواقعية حتى منتصف القرن العشرين إذ يسطر الاستعمار البريطانى على الجنوب مكبلا الحياة الثقافية فيه ' و ظلت الإمامة فى الشمال قابضة على أنفاس الأدب و جاثمة على صدور المثقفين اليمنيين لا يستطعيون الفكاك من أسدها .

ولذا خلت المؤتمرات الأدبية من صوت الشاعر اليمنى ' وارتسمت فى أذهان العرب علامات استفهام كثيرة حول البلد العربى الثانى الذى لا يعرفون عنه شيئاً . و كانت فى اليمن آنذاک حركة ادبية شملت الشعر والقصة المرحية كما وار فيه الصرارع بين القديم والجديد (٨) لقد ناضل شعراء اليمن طويلاً بسلاح الكلمة فأثار شعرهم الهمم و هيأ النفوس لليقظة بل للثورة ضد طغيان الأمامة و فى هذه الأيام متاثرة بالثورة والمشاكل العديدة التى لا تجدر بالبيان .

المراج :

(ا) الحديث النبوى صلى اللّٰه عليه وسلم (٢) تاريخ اليمن فى الإسلام . الدكتور عبدالرحمن لشجارع (٣) تاريخ مدينة صنعاء . الدكتور الرازى (٤) تاريخ اليمن ص : ٢٣١ المصدر السابق (٥) نفسى المصدر ص/ ٦٢ (٦) ثقافة اليمن ' عبر الشبكة (٧) تطور الأدب اليمني . الدكتور احمد العزى صغير (٨) الأدب و النصوص لوزارة التربية و التعليم من الأمارات .



إسهامات شيخ الإسلام
محمد أنوار الله الفاروقى فى الإطار العالمى

د .سعيد بن مخاشن

الأستاذ مساعد بقسم اللغة العربية وآدابها'جامعة مولناآزاد الأردية الوطنية

إن حياة شيخ الإسلام محمد أنوار الله الفاروقى رحمه الله سلسلة متصلة الحلقات من الأعمال الجادة والمآثر القيمة التى حظيت بإعجاب الناس فى الشرق والغرب، فشهدت الهند بوجه عام وهضبة الدكن بوجه خاص نهضات متداركة متلاحقة، ووثبات متبارية متسابقة.

ولما كانت الأمة العربية تغط فى سبات عميق من الأمية والتخلف، نشأت فى العالم العربى مجموعة من الحكومات والحركات الدينية والمؤسسات العلمية ونخبة من أعيان البلاد والشخصيات الكبار من العرب والأجانب لنشر العلوم والفنون ودفع عجلة النهضة إلى الإمام نحو المؤسسات الدينية والمدارس الإسلامية والإرسالات التبشيرية الكاثوليكية والبروتستانتية والإرسالية الأميركية،وتستغرق الخدمات والنشاطات عدة أعوام وعقود، فأورقت حديقة

إن همة شيخ الإسلام الحافظ محمد أنوار الله الفاروقى رحمه الله اتجهت أولا ما اتجهت فى ربوع الهند إلى إنشاء المؤسسات العلمية لأنه كان يعتبر تدهور أبناء البلاد بشكل عام والمسلمين بشكل خاص فى مجال التعليم سببا رئيسيا لانحطاطهم فى كل مجال، فركز عنايته الخاصة على تأسيس المؤسسات العلمية، وبذل مساعيه المكثفة فى تشييد المؤسسات الدينية والعصرية، بالإضافة إلى مكافحة الأفكار الضالة والمفاهيم الباطلة،كما غرس بذور الفكرة الإسلامية فى المجتمع الإسلامى فى طول أرض الهند وعرضها.

النهضة الحديثة فى العالم العربى وتنوعت أزاهيرها وأثمرت أشجارها .وشهدت مدينة حيدرآباد تلك النهضة الحديثة العالمية بفضل جهود شخصية واحدة عملاقة ألا وهو شيخ الإسلام الإمام محمد أنوار الله الفاروقى رحمه الله.

المؤسسات العلمية :نظرا إلى أهمية المؤسسات العلمية ودورها فى الحياة البشرية لم تزل الحكومات بشكل عام والشخصيات الكبار بشكل خاص تقدم مجهوداتهم المضنية فى إنشاء المؤسسات العلمية وتشييد المعاهد الدينية منذ قديم، وذلك لتدريس العلوم الدينية وتهيئة الطلبة لتبليغ أحكامها فى كثير من القرى وعديد من البلاد ليتنور العالم بأنوارها الساطعة ويشرق بضيائه الباهر .إن هذه الأمور لعبت دورا حيويا فى تشييد المؤسسات فى بلاد الهند، ودفعت شيخ الإسلام الحافظ محمد أنوار الله الفاروقى رحمه الله على إنشاء المدارس والجامعات والمعاهد والمؤسسات فى مختلف مناطقها لتحاذى مسيرته مسيرة البلاد العربية.

ولا خلاف فى ذلك أن المؤسسات العلمية والمدارس التعليمية خطت خطوات جليلة فى دفع عجلة النهضة إلى الأمام ولتحقيقها، لأنها على مدى العصور والقرون مفتاح التقدم والحضارة للأمم الراقية والدول المتطورة، فما من أمة تسلمت عليه انفتحت لها أبواب وسيعة، وتوسعت لها آفاق فسيحة، واحتضنت النهوض التربوى والانبعاث الحضارى، وبلغت به إلى مالا يتلغ إليها بل لا تدرك شأوها بقية من أخواتها بل غلبت عليها وسيطرت عليها فى كافة المجالات العلمية، والأدبية، والسياسية، والاقتصادية، والاجتماعية . فالمدارس والمعاهد رحب خصب تتنافس فيه العقول وتتجادل فيه الألباب وهى الملجأ الذى تستقر فيه النفوس، وتهدأ إليه الأفئدة، فما من طالب أو مطلوب، باحث أو مبحوث، عالم أومعلوم إلا وهى ملاذه وملجأه.

فأنشأت فى العالم العربى للازدهار العلمى الفعلى فى منظور النهضة العلمية عدة مدارس والجامعات، من ذلك :مدرسة الطب التى أسست 1826م فى عهد محمد على، ومدرسة الحقوق، ومدرسة المعلمين، ومدرسة الفنون والصناعات، ومدرسة دار العلوم (1871م) فى عهد إسماعيل .أما الجامعات الكبرى، ففى بيروت الجامعة الأميركية عام 1866م، والجامعة

اليسوعية، وجامعة القديس يوسف عام 1874م، وفى مصر الجامعة المصرية عام 1906م، وفى دمشق الجامعة السورية فى عهد فيصل بعد الحرب الكونية الأولى.

إن همة شيخ الإسلام الحافظ محمد أنوار الله الفاروقى رحمه الله اتجهت أولا ما اتجهت فى ربوع الهند إلى إنشاء المؤسسات العلمية لأنه كان يعتبر تدهور أبناء البلاد بشكل عام والمسلمين بشكل خاص فى مجال التعليم سببا رئيسيا لانحطاطهم فى كل مجال، فركز عنايته الخاصة على تأسيس المؤسسات العلمية، وبذل مساعيه المكثفة فى تشييد المؤسسات الدينية والعصرية، بالإضافة إلى مكافحة الأفكار الضالة والمفاهيم الباطلة،كما غرس بذور الفكرة الإسلامية فى المجتمع الإسلامى فى طول أرض الهند وعرضها للوقوف أمام التيارات الضارة ومساوى الثقافات الأجنبية الغربية المتعارضة فكرا وروحا مع الأوامر الإسلامية والأصول الدينية.

إن مدينة حيدرآباد شهدت "الجامعة العثمانية " التى حذت حذو الجامعات العصرية العربية لتحقيق النهضة العلمية فى البلاد الهندية، ولا ريب فى ذلك أن شيخ الإسلام محمد أنوار الله الفاروقى رحمه الله كان دافعا أساسيا فى تأسيس الجامعة العثمانية وتحقيق اللغة الأردية كلغة رسمية لتدريس العلوم الحديثة والفنون العصرية من جانب، ولغرس الحضارة الإسلامية فى الجيل الجديد عن طريق اللغة من جانب آخر، وكما يتبين ذلك أكثر وضوحا ما ذكره مير أحمد على خان من الأسرة الملكية الآصفية عن دافعة إنشاء الجامعة العثمانية ويوضح فيه تأثر جلالة الملك من شيخ الإسلام وغرسه بذور العلوم والفنون إلى جانب اللغة الأردية فى قلب جلالة الملك مير عثمان على خان فيقول":قد دفعه (الآصف السابع) شغفه بالعلم والأدب الذى بلغ إلى ذروة الكمال قبل اعتلائه العرش وجعله متقنا فيها، وأستاذه (شيخ الإسلام) المولوى محمد أنوار الله الفاروقى خان بهادر الذى كان عالما بارعا وكاتبا قديرا، وخلف المآثر العلمية والمؤلفات الأولية فى اللغة الأردية .(١)

الجامعة النظامية : إن شيخ الإسلام محمد أنوار الله الفاروقى رحمه الله قام بتأسيس المدرسة الإسلامية عام 1292هـ الموافق 1874م لترويج العلوم ونشر الفنون وسماها "المدرسة النظامية "

يمنا وبركة بـ"المدرسة النظامية "التى ببغداد التى انبثق من ثناياها أشعة العلوم التى أنارت العالم كله . ولعل شيخ الإسلام أراد بذلك أن تقتفى هذه المدرسة على دربها، وتؤدى دورا بارزا على صفحات التاريخ، وتترك على جبهة التاريخ آثارا علمية خالدة ومآثر باقية .فشهد العالم على الرغم من مرور السنوات ودوران الأمنة أتراحا وأفراحا، صعودا وانحدارا لم تزل ولن تزال إن شاء الله تعالى تزدهر النظامية وتتقدم حتى أصبحت من المدرسة النظامية "الجامعة النظامية "، وجعلت نفوس أهل العلم والفضل تتوق إليها، والأفئدة تهوى إليها، والقلوب تطير إليها من كل فج عميق، وظلت جماعات طلبة العلم تتدفق إليها من طول أرض الهند وعرضها نحو ولايات كيرالا، تامل نادو، كرناتكا، مهاراشترا، مديه برديش، غجرات، راجستان، دلهى، بهار، أترابرديش وما إلى ذلك من الهند الشمالية، هذا بالإضافة ما كان يفد إليها حشد من الدول العربية والإسلامية والعجمية نحو :سرى لنكا، إيران، أفغانستان، بخارى، سمرقند، الكويت، الشام، واليمن وفلسطين وما إلى ذلك.

وقد حقق شيخ الإسلام رؤياه العلمية بمجهوداته القيمة حتى جعل أهل الهند وغيرهم يعتبرون "الجامعة النظامية "ويعبرونها بمثابة "الجامع الأزهر "بمصر نظرا إلى دورها الريادى وتقديرا بنشاطاتها القيمة وخدماتها الباهظة فى نشر العلوم الإسلامية والمعارف الدينية .كما يبدو ذلك جليا من انطباعات "السيد ميتهيو" المستشار العلمى أنه كان يعتقد أن مسيرة الجامعة النظامية بحيدرآباد تسير بمحاذاة مسيرة الجامع الأزهر بمصر كما يقول ":هذه مدرسة ممتازة يراعيها (شيخ الإسلام) مولوى محمد أنوارا لله (رحمه الله) واللجنة الأخرى، ومسيرتها العلمية تسير بمحاذاة مسيرة الجامع الأزهر فى تعليم العلوم الشرعية وتثقيف المعارف الدينية وتسليح الفنون الاسلامية، يتعلم فيها زهاء أربعمائة طالب من بين مختلف الأعمار، ويأوى الطلبة إليها من أرجاء نائية، إضافة ما تقدم المدرسة من عناية خاصة واهتمام بالغ بأوضاعهم الحياتية ومرافق الحياة من سكن ومأكل وملبس مجانا، وتتحول هذا المدرسة إلى جامعة وطنية فى الآيام الآتية"(٢)

وكذلك يوضح سعادة الدكتور سيد محى الدين زور منزلة الجامعة النظامية قائلا ":إن الجامعة النظامية التى أسسها شيخ الإسلاممحمد

أنوار الله الفاروقي -ملأت سجلات العالم بخدماتها المشكورة، ولم تزل تنور أرجاء العالم بأشعاتها العلمية، وهى تسير فى الدكن بمحاذاة مسيرة الجامع الأزهر بمصر."(٣)

إحياء التراث العلمي: ومن أهم مراكز إحياء التراث فى العالم العربى التى أفضت جهودها فى إخراج الكتب الهامة، وشمرت ساقها لنشر التراث العربى والإسلامى والأدبى واللغوى التى لم تر النور قبل،"جمعية المعارف "التى تأسست عام 1868م، و"لجنة التأليف والترجمة والنشر" التى تأسست عام 1941م .أما فى البلاد الهندية فقد أنشأ شيخ الإسلام محمد أنوار الله الفاروقى رحمه الله فى مدينة حيدرآباد "دائرةالمعارف العثمانية "عام 1888م التى تفوقت على كافة مراكز إحياء التراث العلمى بنشاطاتها العلمية وخدماتها المشكورة .لأنها تعد مركزا كبيرا لإحياء التراث العربى كما تعد مركزا عظيما للبحث والتحقيق بالإضافة إلى مركز الطبع الذى يساهم مساهمة جادة فى إخراج الكتب الهامة.

إن الفضل يرجع فى تأسيس الدائرة إلى شيخ الإسلام محمد أنوار الله الفاروقى فضيلت جنغ رحمه الله وهو شخصية عملاقة دنامكية شدت حزيمها فى نشر العلوم وبث الوعى العلمى فى طول الهند وعرضها بوصف عام وهضبة الدكن بوصف خاص لأنها مركز البحث والتحقيق فى جانب ومركز إحياء التراث العلمى فى جانب آخر، وساعده فى ذلك العالم الكبير ملا عبد القيوم، وسيد حسين بلغرامى عماد الملك، واستقر رأى الثلاثة على تأسيس مركز للحفاظ على المخطوطات العربية فى مختلف العلوم والفنون .وقد بدأت الفكرة فى قلب شيخ الإسلام محمد أنوارا لله الفاروقى رحمه الله أولاحينما كان مقيما بالمدينة المنورة لأداء الحج والزيارة، وكان يقيم الشيخ فى الحرم الشريف أو فى المكتبات، واشتغل هناك بنقل النوادر من المخطوطات لمكتبة شيخ الإسلام عارف حكمت والمكتبة المحمودية بالحرم النبوى الشريف، وكان من أهم المخطوطات التى استنسخها كنز العمال للشيخ على المتقى، وجامع مسانيد الإمام أبى حنيفة النعمان، والجوهر النقى على سنن البيهقى، من هنا جاء ت فكرة تأسيس المركز لطبع هذه النوادر القيمة.

وأسس المجلس العلمى، وكان النواب مير وقار الأمراء أول رئيس له، وقدم المجلس

اقتراحا لتأسيس دائرة المعارف إلى النظام السادس مير محبوب على خان، وأحس النظام أهمية الحفاظ على المخطوطات وتم إصدار مرسوم ملكى لموافقة الحكومة على تأسيس دائرة المعارف النظامية عام 1308هـ 1888م.

وإن الدول العربية وإن كانت قد عرفت المطابع فى القرن التاسع عشر إلا أنها اهتمت بطباعة الكتب القديمة المتوافرة لديها، بينما استهدفت "دائرة المعارف العثمانية "التنقيب عن المخطوطات والمؤلفات العربية وتحقيقها وطباعتها ونشرها فى أرجاء العالم العربى .فقد اقتنت دائرة المعارف المخطوطات النادرة سواء كانت نسخا أصلية أو صورا مصغرة من المكتبات العالمية والدول الأوروبية والعربية، وتطبعها بعد ما تقوم بالتصحيح وكتابة الهوامش، وبذلك ساهمت فى المحافظة على تراث علمى ضخم ومنعت ضياعه و تلفه، وقدمته إلى مختلف الأجيال صحيحا.

النقل والترجمة: أما فى مجال الترجمة فقامت فى مصر "مدرسة الألسن "مجهوداتها المشكورة بالإضافة إلى "مدرسة دار العلوم"، و"مدرسة الزراعة"، و"مدرسة عين طورة ."كذا نرى فى مدينة حيدرآباد "دار الترجمة "التابعة للجامعة العثمانية التى ساهمت مساهمة جادة فى نقل العلوم والفنون إلى اللغة الهندية الأردية فنشطت حركة النقل والترجمة، واهتم العلماء والأدباء بنقل التراث العالمى إلى اللغة الأردية، وكان لهذه الحركة أشد الأثر على فتح الأبواب وتوسيع الآفاق أمام أهالى البلاد الهندية، وذلك لما اتخذت رؤيا الجامعة العثمانية صورة عملية، وتبوأت اللغة الأردية منزلة اللغة الرسمية للدراسة العليا فى الجامعة العثمانية، واستقدم جلالة الملك الأساتذة البارعين والفضلاء المتضلعين فى مجال الدراسة حينما مست الحاجة قبل كل شىء أن تقام دار الترجمة والتأليف، فأصدر جلالة الملك المفدى على تأسيس "دار الترجمة"، وأعلن المرسوم الملكى على 14سبتمبر عام 1917م، وأجرى لها المساعدة الخطيرة، فترجمت الكتب العلمية العديدة وذلك بفضل مراقبة سمو الملك الصارمة وتشجيعه للعلماء والأدباء ، وكان هدف "دار الترجمة "الرئيسى ترجمة الكتب وتأليفها، حيث صرح المولوى عبد الحق القيم بدار الترجمة":إذا لم يكن فى شعب نشاط عمل ونهوض قدم وجودة فكر فالأمر ظاهر

وباهر أن تاليفاته تافهة ناقصة، لا نجد فيها علوا ولا ندرة ولا ثروة، فالخدمة الكبيرة اليوم للأمة هي نقل العلوم والفنون التي اقتنيت بشكل الكتب والمؤلفات باللغات الأجنبية إلى لغتنا بالترجمة، فإن التراجم تتغير بها الأخيلة والأنظار، وتتأثر القلوب والأفكار، وتزيل بها الأمية، وتدفع الركود والجمود والبطالة، وتزداد المعرفة وتنشأ الحركة الجديدة، وتأتي أمام أعيننا الأساليب الحديثة المتنوعة .فالترجمة أكبر نفعا وأكثر فائدة من التأليف الجديد .فهدف هذه الجمعية ليس بعبارة عن تأليف الكتب الدراسية فقط، بل من واجباتها أن تترجم الكتب الأجنبية، وتؤلف الكتب في كل فن وعلم.

وبهذا الطريق تنشأ في الناس رغبة العلم وشوقه، ويسطع نور العلم في البلاد، والأمية ليست عبارة عن عدم الوقوف على شيء ، بل هي في الأصل بؤس، وشقاء ، ووقاح، وضنك النفس، وضيق النظر، وسوء الخلق .فإبعاد الناس عن مثل هذه الجهالة والسيئة جهاد عظيم، وعمل ينفع ."(٣)

المجامع الغوية : ولما ظهرت المجامع اللغوية في العالم العربي نحو مجمع اللغة العربية بدمشق، والمجمع الملكي للغة العربية بمصروما إلى ذلك شهدت حيدرآباد مجمعا لغويا تابعا لدارالترجمة ولعب دورا بارزا في إثراء اللغة.بعد تأسيس "دار الترجمة "دعت الترجمة طبعا إلى تشييد "مجلس وضع المصطلحات "لوضع الألفاظ والمصطلحات، والمحافظة على سلامة اللغة الأردية وجعلها وافية بمطالب العلوم والفنون في تقدمها، وملائمة على العموم لحاجات الحياة. يقول الدكتور منظر عباس الرضوي ":إن الاصطلاحات في الأصل هي ألفاظ وكلمات تستعمل لمعنى معين، ويحصل منها علم خاص، كاصطلاحات جغرافيا، وفلسفة، وعلم النفس، وعلم الاقتصاد، والرياضيات، والهندسة وغيرها. ولحل هذه القضية والمشكلة أنشىء في هيئة دار الترجمة "مجلس لوضع الاصطلاحات "حافل بالأخصائيين، ودونت هذه اللجنة قواعد قيمة أساسية لوضع الألفاظ والاصطلاحات."

وقال سلطان العلوم جلالة الملك مير عثمان على خان":وقد أنشئت "دار الترجمة "الملحقة بالجامعة العثمانية لتدوين الاصطلاحات العلمية والفنية التي لم تكن ميسرة في لغتنا، فأنا أرحب مع المسرة والبهجة باللجنة التي دونت القواعد

والضوابط لوضع الاصطلاحات على أساس تعميم الفائدة، فصار استعمالها سهلا فى كل لغة هندية، فهذا العمل الجاد والسعى البليغ له أهمية ملية كبرى فى البلاد كلها ."(٥)

المكتبات العلمية : وإلى جنب ذلك كله أنشئت فى العالم العربى لتحقيق النهضة العلمية خزائن الكتب والمكتبات لصيانة الكتب والآثار المطبوعة والمخطوطات النادرة، ومن أشهرها "المكتبة الظاهرية "بدمشق عام 1878م، و"دار الكتب "بمصر فى عهد محمد على، و"المكتبة الأزهرية "عام 1879م، و"المكتبة الشرقية" ببيروت عام 1880م، ومكتبة جامعة بيروت الأميركية .كما كان لكل رواق من الأورقة الموجودة فى الأزهر مكتبة كان يطلق عليها "كتبخانه"، بالإضافة إلى ذلك وجدت المكتبات الخاصة مثل مكتبة بيت الشواربى حيث وجدت فيها أندر الكتب وأغلاها ثمنا .وإن شيخ الإسلام محمد أنوار الله الفاروقى رحمه الله قد خلف آثارا عديدة لتحقيق النهضة الحديثة ومحاذاة مسيرتها فى البلاد الهندية فى مجال خزائن الكتب والمكتبات العلمية، منها " :المكتبة الآصفية "عام 1891م، و"مكتبة الجامعة النظامية "اللتان تحتويان عشرات الآلاف من المطبوعات القيمة والمخطوطات النفيسة النادرة فى مختلف العلوم والفنون وشتى اللغات والآداب.

المكتبة الآصفية : إن شيخ الإسلام رحمه الله كان يرى أن المكتبات وخزائن الكتب من أهم الوسائل العلمية التى تقوم على قوامها النهضة العلمية، لأنها تحتوى بين جنبيها آفاقا فسيحة الأكناف، وأبوابا وسيعة الأطراف، توصل المتعلمين والقراء ، وتبلغ الباحثين والأدباء إلى أهدافهم العلمية المرجوة وأغراضهم الأدبية المنشودة، المتمسكين بحبل المطالعة، والبحث، والتحقيق، والحوار، والنقاش فى مختلف الموضوعات والمجالات.

ولما ازداد إقبال الناس على القراء ة جعل الناس يتهافتون على وسائل التعليم ويتزودون من مناهلها، فمن ثم أنشأت المكتبات العامة ودور الكتب لصيانة الكتب العلمية والآثار الأدبية والمخطوطات النادرة المتفرقة فى أماكن عديدة، وكانت الكتب قبل ذلك مقصورة فى المكتبات الخاصة من قصور الأمراء ودور العلماء .ومن بين المكتبات الهامة التى تحتضنها مدينة حيدرآباد بل تفتخر باحتضانها، وينهل أهل العلم والأدب

ويعلون منذ أمد مديد من معينها الحتود ليس من أبناء البلاد الهندية فحسب بل من كل فج عميق من العالم، هى "المكتبة الآصفية "التى سميت اليوم بـ"مكتبة الولاية المركزية"، وهى مكتبة كبيرة فخمة عامرة زاخرة بالمطبوعات القيمة والمخطوطات النفيسة النادرة فى مختلف العلوم والفنون، وشتى اللغات والآداب، كما تعد من الأعمال العظيمة لجلالة الملك مير عثمان على خان الآصف السابع.

وكان شيخ الإسلام محمد أنوار الله الفاروقى رحمه الله دافعا أساسيا فى تشييد هذه المكتبة الفخمة من حيث أنه رأها تقدر على دفع عجلة النهضة العلمية إلى الأمام، وساعده فى تحقيق هذا الأمر ملا عبد القيوم رحمه الله، فتم تأسيسها عام 1891م وجمعت فيها الكتب القيمة من المطبوعات والمخطوطات فى جميع العلوم واللغات لإجراء الدراسة والبحث والتحقيق. وأصدرت الحكومة الآصفية لها المساعدة المالية فى تقدمها وازدهارها، فجعلت مكتبة عامة رسمية، ومنحها محبو العلم والأدب مكتباتهم الثمينة .وقد اشتريت لها المطبوعات والمخطوطات والمكتبات لبعض الأصحاب من أرجاء العالم .وهناك عديد من الشخصيات الكبار الذين استفرغوا وسعهم فى اقتناء الكتب من بينهم شيخ الإسلام، وعماد الملك، والمولوى جراغ على، والأمير الأعظم يارجنغ، والحكيم سيد محب حسين، والحكيم سيد قاسم بيجافورى وغيرهم.

دافعة الإنشاء :ويقول قداسة المفتى ركن الدين رحمه الله إن شيخ الإسلام أخبره عن باعثة إنشاء المكتبة الآصفية ":إن النسخة الخطية للمحيط السرخسى (فى الفقه الحنفى) كان يمتلكها حكيم محمد جعفر خان، بعد وفاته حصل عليه القاضى دلاور خان يدا بعد يد، ثم ضاعت وسرقت من لديه، ولما علمت بذلك تولانى الأسف الشديد، واختلج ببالى حبذا لو أنشئت المكتبة لصيانة المخطوطات ومنع يد التلف فيها، فذكرت ذلك ملا عبد القيوم فوافقنى فى ذلك، وعدها من مسؤليات الحكومة، ثم أتى ملا عبدالقيوم عند عماد الملك مشير مدار المهام وحرضه على إنشائها فرضى بذلك حتى أرسيت قواعد المكتبة الآصفية عام 1308هـ.((

وبعد سقوط الدولة الآصفية عام 1948م تحولت مملكة النظام إلى ولاية حيدرآباد ثم إلى

ولاية آنذرا برديش، والآن ولاية تلنغانه، فجرت فيها التعديلات والتغييرات من جديد .وأدخلت فى إدارة الحكومة الولائية بآنذرابرديش وغير اسمها فسميت بمكتبة الولاية المركزية، وبدأت أمورها بنظام جديد.

مكتبة الجامعة النظامية: وللجامعة النظامية مكتبة كبيرة عامرة، تعد هذه المكتبة من أشهر المكتبات وأثمنها بحيدرآباد، ومعظم كتبها فى العلوم الإسلامية كما تحمل بين جنبيها العلوم المتضاربة والفنون المتباينة، نحو :التفسير، والحديث، والفقه، وأصولها، والعقيدة، والتاريخ، والسير، والمنطق، والفلسفة، والتصوف، والأخلاق، والأدب والشعر، والفلكيات، والطبيعيات وغيرها.

قام بتأسيسها شيخ الإسلام محمد أنوارالله الفاروقى رحمه الله وكان مولعا باقتناء الكتب القيمة وجمع نفائسها فجمعها بصرف كثير بالابتياع، واقتنائها بالاستنساخ أيضا .وحصلت لهذه المكتبة الكتب المهداة والمستودعة من العلماء والأمراء ، ومن جمعيات النشر والتوزيع كدائرة المعارف العثمانية، ومجلس إشاعة العلوم، ومجلس إحياء المعارف النعمانية، ومن وزارة المعارف الإسلامية بمصر وغيره، واشترى لها أيضا الكتب الدراسية فى مختلف العلوم والفنون واللغات من دور النشر.

كانت مكتبة الجامعة تعرف أولا باسم "إمداد المعارف"، ثم أهدى شيخ الإسلام نفائس كتبه من مكتبه الخاصة التى كانت باسم "أنوار المعارف " فى حياته، ونظمها فى مكتبة واحدة فصارت مجموعة المكتبتين :إمداد المعارف وأنوار المعارف، فارتفع أمرها وعظم وفرها وأصبحت مكتبة الجامعة مكتبة كبيرة ممتازة بين زميلاتها فى أنحاء العالم، وهى تحتوى على المؤلفات المتعددة والمصنفات المتنوعة فى العلوم المتضاربة والفنون المتباينة، وما زالت هذه المكتبة تنمو وتزداد وفرا بما يضاف إليها بالشراء والهبات والاستنساخ والنقل بالتصوير الشمسى . وفيها قسم للمخطوطات العربية والفارسية والأردية، ويوجد فيها قسم لمساهمات ومقالات الباحثين من أبناء الجامعة ومن سواهم الذين قدموها لنيل شهادة الدكتوراة، كما يوجد فيها قسم للكتب الدراسية توفرها الجامعة للطلبة فى بداية كل عام ويردونها فى ختام العام الدراسى.

مراكز نشر العلوم وطبعها: وشهدت البلاد

العربية عدة مطبعات لمواكبة مسيرة المستجدات والعصر الحديث نحو مطبعة "دير قزحيا "بلبنان عام 1610م، و"مطبعة حلب "التى أنشأها البطريرك اثناسيوس الرابع الدباس عام 1702م، (التى توقفت عملها عام 1711م)، ومطبعة "دير الشوير "بلبنان بفضل الشماس عبدالله الزاخر عام 1734م، و "المطبعة الأميركية "من أهم المطابع فى بلاد لبنان تأسست فى بيروت عام 1834م، و"المطبعة السورية" أنشأها خليل خورى فى بيروت عام 1857م، و "المطبعة الشرقية "عام 1858م لصاحبها ابراهيم النجار، و "المطبعة الوطنية "عام 1865م لصاحبها جرجس شاهين، و "مطبعة المعارف "لبطرس البستانى وخليل سركس.

أما فى دمشق استقدم حنا الدومانى عام 1855م أول مطبعة حروف عرفت باسم "مطبعة الدومانى "أو " مطبعة دومانية "أصدرت عدة كتب أدبية ودينية قبل أن تتوقف عام 1885م .و "مطبعة ولائية سورية "أنشأتها الدولة العثمانية عام 1864م، و"مطبعة عسكرية "اهتمت بمطبوعات الجيش، لكنها لم تعش طويلا.

وفى مصر "مطبعة بولاق "أو "المطبعة الأهلية" التى أقامها محمد على عام 1821م، وما إلى ذلك عديد من المطابع.

مجلس إشاعة العلوم : أما فى مدينة حيدرآباد فقد أسس شيخ الإسلام محمد أنوا رالله الفاروقى رحمه الله على نفس المنهج لمواكبة مسيرة النهضة العلمية مؤسسة "مجلس إشاعة العلوم " التى نهضت بعبء الجهود المكثفة فى مجال طبع المؤلفات القيمة، ونشر المصنفات العلمية، وأصدرت عدة كتب دينية وأدبية فى اللغة العربية بالإضافة إلى اللغة الإنجليزية واللغة الأردية واللغة التلجوية، وتؤدى خدماته بكل بجد ونشاط بينما لم تعش المطبوعات الأخرى كثيرا، وذلك لما أحس شيخ الإسلام رحمه الله أن تشييد مؤسسة "مجلس إشاعة العلوم "من أهم الوسائل التى تبث العلوم وتنشر الفنون، وتجعل فى مقدرة البشر الحصول على المصنفات العلمية والمؤلفات الأدبية، وتساهم مساهمة جادة فى تزويدهم بالعلوم الشرعية والمعارف الإسلامية بعد أن كان الكتاب يكلف تكلفة باهظة وفادحات متباينة ومشقات كبرى للحصول على نسخة واحدة، وبينما حرمت منه الطبقات الفقيرة وبقيت ترزح تحت جهل الظلمات .فقام شيخ الإسلام رحمه

الله بتشييد "مجلس أشاعة العلوم "الثامن عشر من شهر شوال سنة 1330هـ الموافق للخامس عشر من شهر نوفمبرسنة 1912م.

باعثة التشييد : ولما شاعت تآليف شيخ الإسلام رحمه الله في جميع البلاد، وعرف الخواص والعوام غزارة علمه ونبوغ دراسته أخذوا يستفيدون من تآليفه الاستفادة، وتلقت تصانيفه قبولا هائلا بين الأوساط العلمية وازدادت الحاجة إليها، ففكر شيخ الإسلام رحمه الله في إقامة جمعية لطبع الكتب وإشاعة العلوم الشرقية بها .كان في بداية الأمر تطبع الكتب على نفقته، وتباع على ثمنها الأصلي بدون شيء من الربح والمنفعة، وربما كان يعطيها للأصدقاء وأهل العلم بغير ثمن أو مع الخصم، وبعض الأحيان لا يبقى بيده شيء من المال، فيؤدي ذلك إلى تأخير طبع تصانيفه فكان يتأمل كثيرا بطبعها .فالله تبارك وتعالى هيأ له أسبابه وأزال هذا المانع حيث أمر الملك المعظم أن يعطي لشيخ الإسلام خمسمائة روبية في كل شهر لطبع الكتب ونشر العلوم الدينية والمآثر الإسلامية .فاغتنم هذه المنحة وعزم على إنشاء الجمعية المستقلة التي تعرف باسم "مجلس إشاعة العلوم"، وإنه وقف كل ما ينال من الحكومة على سبيل العلم والدين.(٧)

مع أننا نرى أن المطابع الأخرى التي أقامتها الحكومات وأعيان البلاد توقفت في بضعة أعوام كما نرى على سبيل المثال "مطبعة حلب "لم تعش كثيرا،و "مطبعة دومانية "لم تعمر كثيرا، و "مطبعة عسكرية "توقفت في بضعة أعوام وما إلى ذلك، لكن مؤسسة "مجلس إشاعة العلوم "التي أرسى قواعدها شيخ الإسلام محمد أنوار الله الفاروقي رحمه الله لم تزل ولن تزال إن شاء الله عزوجل تؤتي أكلها كل حين منذ نشأتها، وتقدم خدمات متواصلة ونشاطات متعاقبة.

بسبب هذه المجهودات القيمة والأعمال الجادة التي قام بها شيخ الإسلام محمد أنوار الله الفاروقي رحمه الله تحققت النهضة العلمية الحديثة في مدينة حيدرآباد، وتبوأت منزلة مرموقة بين البلاد الهندية والدول العربية نحو : مصر، ولبنان، والشام بل تحولت إلى بغداد العصر العباسي التي شهدت تطورات علمية ونهضات ثقافية دون أن تفقد الطابع الإسلامي في مشوارها الازدهاري كما يقول الكاتب الشهير وعالم العلوم الاجتماعية والحضارية الأستاذ "غوستاف لوبون" الفرنسي في كتابه "حضارات الهند "معربا

انطباعاته عن ميزات مدينة حيدرآباد بين البلاد الأخرى":وتشتمل دولة النظام الكبيرة (التى هى أوسع دول الهند شبه المستقلة) على جميع القسم الأعلى من "الدكن"، وعاصمتها "حيدرآباد" الإسلامية من أكثر مدن الهند وقفا للنظر، فيه تصلح مثالا لما كانت عليه عواصم الشرق، كبغداد فى عهد المسلمين العرب.

وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

١ ــ مير احمد على خان : خدمات أردية فى العهد العثمانى ، ص ١٤٠

٢ ــ مقالة السيد مولانا فصيح الدين النظامى : جريدة رهنما ئ دكن ، ١٥ يونيو ١٩٩٥م

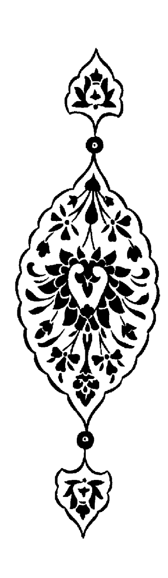
٣ ــ مقالة السيد مولانا فصيح الدين النظامى : جريدة رهنمائ دكن ، ١٥ يونيو ١٩٩٥م

٤ ــ . پروفيسور محمد سلطان محى الدين : علماء العربية و مساهماتهم فى الادب العربى فى العهد الاصفجاهى ، ص ٤٨٧

٥ ـ المصدر السابق : ص ٤٨٩

٦ ــ مفتى محمد ركن الدين : مطلع الانوار ، من ٧٥

٧ ــ . پروفيسور محمد سلطان محى الدين : علماء العربية و مساهماتهم فى الادب العربى فى العهد الاصفجاهى ، ص ٤٩٤



شذرة ذهبية

من شذرات شرح الرضوي لامية العرب

إقتباس من أطروحة علمية مقدمة من الدكتورة أسماء بنت فضيلة الشيخ محمد حسن هيتو –حفظهما الله (من دولة الكويت)–إلى الجامعة النظامية لنيل درجة الدكتورة في الأدب العربي. وذلك على شرح "لامية العرب" للشنفري مخطوط محفوف بالمعاني اللطيفة واللطائف النفيسة لسيد الأدباء العلامة إبراهيم الأديب الرضوي –رحمه الله تعالى–أستاذ اللغة العربية بالجامعة النظامية والجامعة العثمانية.

اعتمد الرضوي في شرحه للقصيدة على فهمه الخاص ، و لم يكن مقلداً لغيره من الشراح و ذلك لتبحره في لغة العرب ، و تمكنه منها ، فشرح القصيدة شرحاً مميزاً ، و لم يتعرض للنحو و الإعراب إلا في مواضع قليلة ، بخلاف الزمخشري الذي شرح اللامية معتمداً على الإعراب لفهمها ، و تابعه كثير من الشراح على ذلك .

فإني لما فرغت من شرح لامية العرب للشنفرى الأزدي على ما سنح لي من إفادة طلاب الأدب العربي سنة ست و خمسين بعد الألف و ثلثمائة من الهجرة رأيت أن اقول قصيدة على بحرها و قافتيها و رويها في النبى و آله و أصحابه لداعية تجذبني إلى ذلك رجاء يجمعني اللّٰه بهم في مستقر الرحمة فأنشأت على ما بي من هموم تشفني و شواغل دونه تحفني فجاء ت وللّٰه الحمد اباكورة عصرها و فريدة دهرها و سميتها صمصامة الزمن لما فيها من ذكر سيف اللّٰه المسلول على من يعصي اللّٰه والرسول أهديتها إلى من قلت فيهم وهي مني لكرجل جراد أهديت من قرية النمل إلى سليمان عليه السلام لا غير ولله الحمد أولا و آخراً ".

تعتبر لامية العرب من أشهر اللاميات في الشعر و أقدمها ، و قد جاء في الأثر ، عن عمر بن الخطاب رضى اللّٰه عنه : (علموا أولادكم لامية العرب ، فإنما تعلموهم مكارم الأخلاق) ، و قد حاول كثير من الشعراء معارضتها ، والنظم على نسقها ، ومن أشهر تلك اللاميات :

ا ــ لامية العجم للطغرائي المتوفى ٥١٤ هـ و اسمه مؤيد الدين أبو اسماعيل الحسين بن محمد الطغرائي ، أصبهاني الأصل ، و سبب تسميتها بلامية العجم هو ماذكره الصفدى فى الغيب المنسجم : " فإنما سميت لامية العجم تشبيها لها بلامية العرب لأنها تضاهيها في حكمها و أمثالها . " (الغيث المنسجم في شرح لامية العجم / المجلد الأول ص ٢٧).

وقال : " حسبک أن الناس قالوا في هذه القصيدة إنها لامية العجم في نظير تلک ، بمعنى إن كان للعرب قصيدة لامية مشهورة بالأدب والأمثال والحكم ، فان للعجم لامية مثلها تناظرها ، و إضافة الشئ إلى شئٍ مشهور أو عظيم يدل على شرف المضاف ". (نفس المرجع السابق و نفس الصفحة) .

أولها أصالة الرأي صانتني عن الخطل و حلية الفضل زانتني لدى العطل، و سأوردها كاملة في نهاية الكتاب . (راجع ص ٢٥٩)

٢ ــ لامية الأقفهسي ، كما عزاها إليه حاجي خليفة فى (كشف الظنون) كشف الظنون ج ٢ . ، وهو أبو الصفا خليل بن محمد الأقفهسي ، و يلقب بصلاح الدين هو غرس الدين ، وهو أبو الصفا خليل بن محمد الأقفهسي و يلقب بصلاح الدين وغرس الدين ، متوفى سنة ٨٢١ . انظر ترجمة فى إنباء الغمر بأبناء العمر ج ٧ / ص ٣٣٢ .اولها :

دع التشاغل بالغزلان والغزل يكفيک ما ضاع من أيامک الأول (كشف الظنون)

و سأوردها كاملة في النهاية (راجع ص ٢٦٦)

٣ ــ لامية الصفدي ، وهو : أبو الصفاء صلا ح الدين الصفدي ، متوفى سنة ٧٦٤ هـ ، وقد عارض فيها لامية الطغرائي بعد أن شرحها فى كتابه الغيث المنسجم ، والتى يقول أولها :

الجد بالجد والحرمان في الكسل فانصب تصب عن قريب غاية الأمل

و سأوردها كاملة في نهاية الكتاب (راجع ص ٢٧٠)

٤ ــ لامية الدكن ، لصاحب الشرح و قد نظمها بعد أن شرح لامية العرب ، يقول في أولها :

ألاحت سليمى في البراقع ترفل أو الشمس تجري في الغمام و تذأل

و سيأتي ذكر جزء منها في سيرة حياته (راجع ٣٠) ' و جزء آخر في نهاية الكتاب (راجع ص ٢٦٤) .

٥ ــ لامية ابن الوردي ' وهو : زين الدين عمر بن الوردي ٦٩١ - ٧٤٩ هـ / ١٢٩١ - ١٣٤٨ م . يقول في أولها :

اعتزل ذكر الأغاني والغزل و قل الفصل و جانب من هزل

و سيأتي ذكرها كاملة فى نهاية الكتاب (راجع ص ٢٤٧)

٦ ــ لامية ابن مالك لمحمد بن عبداللّٰه النحوي المتوفى سنة ٦٧٢ هـ وهى لامية الأفعال ' أولها :

الحمد للّٰه لا أبغي به بدلا حمداً يبلغ من رضوانه الأملا (كشف الظنون ج ٢)

وهناك لاميات أخرى لا تحصر في الشعر العربي ' فكل قافية على اللام تسمى لامية إلا أن أشهرها هو ما ذكرته .

لقد فاقت لامية العرب بشهرتها الأدبية واللغوية كثيراً مما نظمه الشعراء الجاهليون فأغرت الكثيرين من الكتاب لشرحها ' و من الخطاطين بكتابتها و تدوينها ' و تجاوز الاعتناء بها من علماء العرب إلى المستشرقين ' فدرسوها ' و ترجموها إلى لغاتهم ' و أول هذه اللغات التى نقلت إليها : الانجليزية ' والفرنسية ' واليونانية ' و الإيطالية ' و الروسية ' وغيرها .

و ممن شرح اللامية :

١ ــ شرح لامية العرب ــ لابن زاكور محمد الفاسي (ايضاح المكنون فى الذيل على كشف الظنون / ج ٤)

٢ ــ المنتخب في شرح لامية العرب ليحيى بن حميد بن ظاهر الغساني المعروف بابن أبي طيى الحلبى (ايضاح المكنون فى الذيل على كشف الظنون / ج ٤)

٣ـ شرحها أبو العباس أحمد بن يحيى الشهير ب–ثعلب.

٤ ــ و شرحها جار اللّٰه الزمخشري كتاب { أعجب العجب في شرح لامية العرب}

٥- شرح العكبري للامية العرب / تحقيق . د محمد خير الحلواني .

و من شراحها المعاصرين : (١) ــ السيد أحمد الهاشمى . (٢) سعيد القطيطي . (٣)

الأستاذ الدكتور عبدالحليم حنفي (٤) شرح لامية العرب للشنفري / الحسن بن أحمد بن عبدالعزيز الضمدي . (٥) نهاية الأرب في شرح لامية العرب / عطاء اللّٰه بن أحمد المصري الأزهري .

و قد جاء فيه : " لقد حظيت القصيدة " لامية العرب " للشنفرى ، الشاعر الجاهلي الصعلوك ، بعناية الباحثين و المحققين قديماً و حديثاً ، فدرسوها و حققوها و ترجموها إلى لغات كثيرة .

و يعد "نهاية الأرب في شرح لامية العرب" واحداً من الشروح المهمة لامية العرب ، كما يعد الشارح عطاء اللّٰه بن أحمد بن عطاء اللّٰه المصري الأزهرى المكي أحد أعلام الأدب في العصر العثمانى ، و من هنا تكون أهمية نشر هذا الشرح ، فهو إضافة شرح مهم للامية العرب إلى الشروح الأخرى كشرح المبرد، و ابن دريد الزمخشري ابن زكور والعكبري و غيرهم وهو أيضاً تعريف بطبيعة و نوعية و مستوى الشروح و الكتابة فى العصر العثمانى .

و لكى يظهر هذا العمل الأدبي بشكل مناسب قسمته إلى قسمين :

القسم الأول : تطرقت فيه إلى التعريف بالقصيدة "لامية العرب" والتعريف بصاحبها الشاعر الجاهلي الصعلوك ، الشنفرى ، والتعريف بشروح اللامية، ثم التعريف بصاحب الشرح " نهاية الأرب في شرح لامية العرب" وهو عطاء اللّٰه بن أحمد المصري الأزهري المكي ، ثم تطرقت إلى وصف نسخ المخطوط و منهج التحقيق ، و الرموز التي إستخدمت لتقسيم الكلام و تيسير القراءة .

القسم الثانى : عرضت فيه النص المحقق لشرح اللامية "نهاية الأرب في شرح لامية العرب" وهو شرح كامل لأبيات اللامية البالغ عددها ثمانية و ستين بيتاً . كما يشمل هذا القسم بالإضافة إلى الشرح نفسه ، جميع الحواشي المتعلقة بالنص المحقق والموضحة للكثير من الأمور فيه " .

من شبكة المعلومات :
http://pubcouncil.kuniv.edu.kw/kashaf/abstract.asp?id=2208

٦ ـــ سكب الأدب على لامية العرب / لأبي الخير عبدالرحمن زين الدين السويدى .

٧ ـــ نيل الأرب في شرح لامية العرب / لمحمد أبو راس بن أحمد بن ناصر الراشدى .

وهناك الكثير الكثير من الشروح الأخرى مما لم أطلع عليه ، و أشكر كل من يرشدنى إلى شرح آخر

لأضيفه إلى هذه الشروح .

هو سيد إبراهيم بن سيد عباس الرضوي بن سيد حيدر بن عباس بن سيد علي بن سيد عبدالقادر المعروف بقادر باشاه بن سيد محمد بن أبو الحسن النجفي نزيل حيدرآباد .

تنتهى سلسلة نسبه إلى الإمام موسى رضا ، فهو من السادة الحسنيين .

ولد بقرية ميسرم من قرى إبراهيم بتن مديرية حيدرآباد سنة ١٢٩٥ هـ ، و نشأ بها ، و ترعرع في أحضان الدين والعلم ، وكان أبوه عالماً ، ورعا و مدرسا في مدرسة نظم الجمعية العكسرية ، فقرأ عليه ، و على غيره من مدرسي المدرسة ، الكتب الدراسية الابتدائية ، والقرآن .

و بعد التعليم البدائى الإعدادي دخل الجامعة النظامية العريقة ، و أخذ العلم والفنون من المنقول والمعقول عن أساتذتها الأجلاء ، و استفاد فيها من كبار العلماء ، كالشيخ مولانا محمد عبدالكريم الأفغاني ، والشيخ محمد يعقوب ، و مولانا المفتي محمد ركن الدين ، والشيخ مولانا عبدالرحمن السهارنفوري ، و أمثالهم .

و أخذ العربية والأدب العربي عن العلامة سناء الملك سيد علي آغا الشوستري و سمع الحديث عن الشيخ عبدالرحمن السهارنفورى .

فنبغ في الأدب العربي كما برع في التفسير ، والحديث والكلام ، و الفلسفة والتاريخ ، والتصوف ، والفقه . و كان حنفياً ، و شاعراً خنذيذا . و كان أحد فحول الشعراء بالدولة الآصفية العثمانية .

ولد و تثقف في أزهر العهد الآصفي و أخصب العصر الذهبي في حكومة نظام الملك النواب مير عثمان علي خان الأصفجاه السابع ، و كانت الدولة الآصفية حينذاك أخصب بلاد الهند ، و أرقاها علماً ، و أدباً ، و ثقافة ، وله ولع عظيم في اكتساب المعارف و الأسرار ، قد متعه اللّٰه المواهب العالية من الحفظ ، والضبط ، والإدراك ، والفطانة و الشرف والديانة ، والصدق والأمانة .

سافر إلى الحرمين الشريفين ، فحج حجة الإسلام ، وزار ، ولاقى بها الأشياخ المشهورين في مكة المباركة والمدينة المنورة ، استفاد منهم .

كان كريم النفس ، مديم الاشتغال بالأعمال العلمية ، والأوراد ، والطاعات . كان يلبس زي العلماء والعرفاء ، وكان على رأسه العمامة الكبيرة الخضراء ، يلبس الجبة الطويلة ، و كان متكلماً

بحاثا ، جم الفضائل و المواهب ، طويل القامة نحيف الجسم صغير العينين ، واسع الجهة خفيف الصوت ، و عذب المنطق ، زاهداً متورعاً . كان صريح القول و العقل ، لا يبالي أين يقع ذلك و على من يقع يظهر أمام المخاطب ما في قلبه و عواطفه بدون مخافة ، و لومة لائم .

أعماله : في بداية أمره ولي التدريس في الجامعة النظامية ، درس و أفاد مدة من الزمان ، ثم تصدر للتدريس في دارالعلوم بحيدرآباد .

درس فيها اللغة العربية و آدابها بكل جهد و حماسة و نشاط ، فذاع صيته في الأوساط العلمية في البحث و الدراسة ، كان يذهب إليه الطالبون فيدرسهم في بيته أيضاً ، وله طول باع و تضلع في الأدب العربي ، و على وجه الأخص في علوم البلاغة ، والشعر .

كان ينتقد الكلام و الشعر و بصيت تضلعه في اللغة العربية و آدابها ، و نبوغه في البحث والدراسة استقدمته الجامعة العثمانية من حيث الأستاذ للغة العربية في القسم العربي ، ولانتقائه على هذا المنصب الجليل قصة غريبة مروية .

دعي الشيخ أمام اللجنة الانتقائية بالجامعة العثمانية و كان على رأسها سماحة الأستاذ المالطيفي رئيساً ، فسأله أن يترجم قطعة من الجريدة الأردية التي كانت أمامه على الطاولة بالعربية ، فقال الأديب الألمعي أأترجمها في النثر أم في النظم ؟ فشرح تلك القطعة في الشعر الفصيح مباشراً و مرتجلاً ، فقام العلامة المالطيفي عن مكانه و قال : كرسيي هذا حري لك ياأستاذ ! فأنت الأديب الشاعر بلاشك .

و لما زار بروفيسور بالقسم العربي بجامعة أكسفورد الدكتور ماركوليت إلى الجامعة العثمانية بحيدرآباد ، جرت المباحث بينه و بين الدكتور فاعترف بنبوغه و خبرته فوق العادة في اللغة العربية و جميع فنونها و استعداده المتمم في الشعر العربي ، وقال ما وجدت مثل هذا العالم الأديب في اللغة العربية في الهند .

و من جانب آخر فإن السيد الفاضل محمد أمين الكتبي المكي لما قرأ قصيدته لامية الدكن عند إقامة شاعرنا بمكة المكرمة تأثر بها و فرح فرحا شديدا مما وجد في القصيدة ميزات الشعر العربي و مستواه بإجادة المعنى ، و طلاوة كلامه ، وحب نبيه و ما إلى ذلك من المحاسن الشعرية و حصل عن الأديب الشهادة والإجازة له .

اشتغل بالتدريس والتأليف و أنشاء الشعر

العربي و إنشاده والدعوة و الإرشاد نيفاً و ستين سنة و كان منقطع النظير في اللغة والأدب ، والمعاني والبيان والبديع ، ولا سيما في التصوف . هو ينقب الأشعار العربية و ينتقدها .

و كان يقول إن هذا الشعر الذي أسقطه البلغاء عن حد البلاغة بهذه العيوب ، لكن هذا الشعر فصيح و بليغ عندي لهذه المحاسن والمزايا أحطأ البلغاء فى فهم بلاغته ، و كذلک يقول هذا الشعر غير فصيح و بليغ عندي جعله البلغاء و الفصحاء فصيحاً و بليغا بهذه الوجوه والمحاسن . هو يبحث بالدلائل و الشواهد ، وكان يقدم في صحة دعاويه الأشعار الأخرى استشهادا .

قد سمع كاتب الأطروحة مباحثه العلمية والأدبية كثيراً في مجالسه .

وكان رئيسا لمجلس الطلبة القدامى بالجامعة النظامية مدة من الزمن و عضو المجلس التنفيذى للجامعة النظامية ، و له تأليفات ممتعة فى التفسير ، والكلام ، والفلسفة ، فى العربية والأردية ونظم شعرا في العريبة و أجاد.

مؤلفاته بالعربية : (١) تفسير سورة التين ، و سورة قريش . (٢) شرح الشواهد (٣) الملخص من شرح الشواهد (٤) حاشية و تعريب على كتاب الفائق (٥) شرح لامية العرب للشنفرى . (٦) معالم النور . (٧) قصيدة لامية الدكن تشتمل على ٢١٣ بيتاً ، قصيدة دالية تحتوى على ١١٠ بيتاً (٨) وله ديوان شعر غير مطبوع ، فيه ١٢٠٠ بيت رائق .

و أما رسائلة المنيفة في الأردية فهى : (١) ميزان الأشعار في العروض (٢) هدية المؤمنين . (٣) شجرة ملعونة (٤) نظام الوجود في وحدة الوجود (٥)ہ نبوة و رسالة (٦) شجرة النور (٧) تفسير سورة التين (٨) مطالع النور (٩) عرفان عوالم (١٠) مطلق الوجود (١١) تأويل أمانت إلهية (١٢) ٢٨ حروف ٢٨ أسماء إلهية (١٣) ملاحظات كلمة توحيد . (١٤) كلمة توحيد . (١٥) حاضرات .

و كانت ذاكرته قوية جداً ، وكثير المحفوظ من الشعر الجاهلي و غيره .

شعره : نجد في شعره روعة الألفاظ ، والمعانى و التشبيه ، والاستعارة و موضوع شعره الرئيسي المدح فى النبي الكريم صلى اللّٰه عليه وسلم . سلک هذا الشاعر مسلک القديم في الشعر العربي بإتيان التشبيب في البداية و شعره يتماز بصدق اللهجة والخلو عن التعقيد والألفاظ

الحشوية والبعد عن سخف القول و هجر الحديث والهمجية .

لاميته : كتب في تقديم قصيدة لامية الدكن بما نصه :

" الحمد اللّٰه الظاهر في مظاهر الأكوان ، الباطن عن مدارك العقول والأذهان ، الأول قبل أن يحدث الزمان ، الآخر بعد انقضاء الدوران ، والصلاة والسلام على مجلي نوره و إنسان بصره ، حامل لواء الحمد في حظيرته الداعي إلى الله أجابه عرف نفسه ، و على آله مفاتيح خزائن أسراره و أصحابه مصابيح أنواره ، و من تبعهم بإحسان في إقباله و إسراره ادباره و بعد !

فإني لما فرغت من شرح لامية العرب للشنفرى الأزدي على ما سنح لي من إفادة طلاب الأدب العربي سنة ست و خمسين بعد الألف و ثلثمائة من الهجرة رأيت أن اقول قصيدة على بحرها و قافتيها و رويها في النبى و آله و أصحابه لداعية تجذبني إلى ذلك رجاء يجمعني اللّٰه بهم في مستقر الرحمة فأنشأت على ما بي من هموم تشفني و شواغل دونه تحفني فجاء ت وللّٰه الحمد اباكورة عصرها و فريدة دهرها و سميتها صمصامة الزمن لما فيها من ذكر سيف اللّٰه المسلول على من يعصي اللّٰه والرسول أهديتها إلى من قلت فيهم وهي مني لكرجل جراد أهديت من قرية النمل إلى سليمان عليه السلام لا غير وللّٰه الحمد أولا و آخراً ".

نموذج من شعره

ألاحت سُليمى في البراقع ترفل
أو الشمس تجري في الغمام و تذأل

و ما الشمس إلا رشحة من جمالها
و ما البدر إلا ظلها المتمثل

ديار لها باق مدى الدهر روحها
و ليس لها فيما تقادم أول

ينير السماء والأرض سبحات وجهها
و من فرعها يسجو الظلام المذيل

و قال في مدح النبى صلى اللّٰه عليه وسلم ، والخلفاء الراشدين والإمام الحسن والإمام الحسين رضوان اللّٰه تعالىٰ عليهم ، فقال في مدح النبى صلى اللّٰه عليه وسلم :

و إني لمشتاق لقاها و إنما
وراء الورى عرش استواها و معقل

فإن رمت مغناها و مخدع سرها
فلذ بالذي يهدى إليها و يوصل

و من سرها في عينه و فؤاده

و من حسنها في وجهه يتأمل
وما هو إلا المصطفى سيد الورى
محمد الهادى النبى المبجل
ويقول في مقطع القصيدة يناجي ربه:
وغاية مأمولي بما قلت فيهم
شفاعتهم لي عند ذى العرش تقبل
و من قصيدتهه الدالية :
الحمد للّٰه ربي الخالق الصمد
الماجد الفرد والباقي بلا أمد
ثم الصلاة على الهادى محمدن
المختار من قدم في حضرة الأحد
وآله الغر و الصحب الكرام و من
و افاهم بجميل الصنغ والسدد
و بعد فالقصد عرض الحال في كلم
تروق سامعها منظومة البدد
تقول و الصدق منها شيمة كرمت
من أن يخامرها مذق من الفند
و قد نظم للأطفال أناشيد منها :
أيها الطلاب قوموا باعتزام للمعالي
واطلبوا العلم فإن العلم زين للرجال
و اطلبوا العز دواما باتحاد و اتصال
واعلموا أن شتات القوم عنوان الزوال
واحذروا الكذب دواماً والزموا صدق المقال
والزموا خدمة قوم إنها خير فعال
واصبروا عند البلايا واثبتوا مثل الجبال

فقصيدة لامية الدكن عمل استاذى ، و باكورة الدكن ، و كذلك فصيدته الدالية شذرة من شذرات ذهبية في الشعر والأدب .

قال الدكتور محمد عبدالستار خان بروفسور و رئيس القسم العربى بالجامعة العثمانية فيما سبق من الزمان فى مقاله ، " علم الشعر و الأدب في الدولة الآصفية " فى أدب فضيلة الأستاذ و شعره مما يلى نصه : " كان الأولي من هذا المكان ببيان أدب مولانا السيد كتاب برأسه لإظهار أدبه الواسع العميق يستجلي فيه فكره الأدبي الربانى ، و لكنني أريد أن أرسم لحضرة الأديب صورة قريبة من الكمال بقدر الإمكان في أسطر تأتي :

لا يشك أحد في أن الأدباء الموهوبين قليلون ، و ربما لم يكن لبعض العصور إلا أديب واحد الذي يترك لنا مرآة واضحة عن نفسه و مجتمعة ، فكان رحمه اللّٰه رجل دين و أدب و اجتماع و فلسفة و منطق و تاريخ وأخبار و تصوف و زهد،

وكان شاعراً بليغا مرهف الحس ، بعيد الأثر في النفس ، فقد نهل الشعر العربي و علّ و شرب كأسه حتى الثمالة ، إلى أن تفرد في عصره و مصره بالإيغال فيه ، والغوص على أسراره . وخير ما يعرفنا بعبقريته و مكانته أن نطالع بإمعان لامية الدكن ، قصيدة على بحر لامية العرب للشنفرى و قافيتها و رويها في مدح النبى صلى الله عليه وسلم و أصحابه رضى الله عنهم .

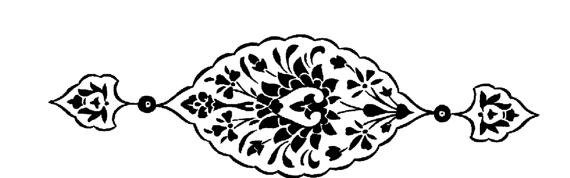
والحق أنها باكورة عصرها و فريدة دهرها ".

و تخرج على يده عدد كبير من العلماء ، من بينهم العلامة الأجل فضيلة الشيخ أبو الوفاء الأفغانى ، و مولانا المفتى سيد محمود ، و مولانا المفتى سيد رحيم الدين ، والأستاذ سيد نبي ، و مولانا المفتى محمد عبد الحميد ، والشيخ حبيب عبدالله المديحج ، ومولانا الحكيم محمد حسين ، والشيخ سيد شاه صابر الحسينى والشيخ سيد محمد باشاه الحسينى ، و مولانا الحكيم أسعد الدين ، و مولانا فريد باشاه ، والدكتور عبدالحق ، والدكتور عبد المعيد خان ، والدكتور زاهد على ، والدكتور محمد عبد الستار خان ، والدكتورة سيدة مهر النساء ، والأستاذ عبدالصبور الصديقى ، و فضيلة الأستاذ سيد طاهر الرضوي ابنه العالم الشهير شيخ الجامعة النظامية و أمثالهم .

و قال فضيلة الأستاذ سيد نبي أستاذ اللغة العربية بالجامعة العثمانية سابقا في الاحتفال الوداعي لما أحيل على المعاش في شأن أستاذه الشاعر الأديب :

هذا الذي يعرف الأعلام رفعته
والشعر يعرفه والنثر الخطب
و إذا نظرت إليه قلت من عجب
هذا مثال قديم ساذج قطب

توفي رحمه الله في شوال سنة **١٣٧٧** الهجرية



المساجد
خير بقاع الغبراء تتلألأ كنجوم السماء

الأستاذ محمد ولي الله الشريف إدريس، خريج الجامعة النظامية

للمساجد مكانة مرموقة عند المسلمين، وهى تقترن بركن عظيم فى الإسلام، وهو الصلاة، فلا إسلام من غير صلاة، وهناك فضل عظيم لبناء المساجد وتشييدها ورعايتها والحفاظ عليها، وهناك أيضاً أهميّة للمسجد فى حياتنا تتعدى شعيرة الصلاة التى نعرفها ونلتزم بها فى حياتنا، فهناك أعمال عظيمة تقام فى المسجد، ولها اثر عظيم على المجتمع المسلم بشكل عام، كما يوجد هناك واجبات علينا القيام بها فيها تصوُّرات لما ينبغى أن تكون عليه المساجد فى حياتنا اليومية .

فضل بناء المساجد وتشييدها ورعايتها:

هناك عدة نصوص تحدثت حول فضل بناء المساجد ورعايتها والاهتمام بها، سواء من القرآن الكريم أو من السنة النبوية، فقد قال سبحانه مبيناً فضل بناء المساجد وعمارتها :(إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ

إنّ المساجد من أعظم الأماكن، وأكثرها عظمةً وتشريفاً، حيث قال الله تعالى :(وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ)،وذلك لما يكون فى المساجد من ذكر لله تعالى، وتسبيحٍ وتقديسٍ له، ويُنادى من المساجد إلى طاعته وعبادته، فيلتقى العبد بربّه فى المساجد، فيحمده ويقدّسه، والمساجد هى بيوت الله -تعالى -على الأرض، ومما يدل على ذلك ما رواه الصحابى أبو هريرة -رضى الله عنه - عن الرسول صلّى الله عليه وسلّم :(أحبُّ البِقاعِ إلى اللهِ مساجدُها)

اللّـهِ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصّلَاةَ وَآتَى الزّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلّا اللّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَن يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ (التوبة18 :)، فالآية صريحة فی جعل بناء المساجد وعمارتها من علامات الإيمان بالله تعالی، وعمارة المساجد لا تقتصر على العمارة المادیّة لها، بل تتعدى ذلک لتشمل العمارة المعنويّة أيضاً، كما جعل النبی صلی الله عليه وسلّم بناء المساجد من دروب الصدقات الجارية، فقد قال صلی الله عليه وسلم :(سبعٌ يَجری للعبدِ أجرُهُنّ، وهوَ فی قَبرِه بعدَ موتِه :مَن علّمَ علمًا، أو أجرَى نهرًا، أو حفَر بئرًا، أوغرَسَ نخلًا، أو بنَى مسجِدًا، أو ورّثَ مُصحفًا، أو ترَكَ ولدًا يستغفِرُ لهُ بعد موتِه).

واجب المسلمين نحو المساجد: وواجبنا نحو المساجد أن ننظفها باستمرار، وأن نتأدب بالآداب الخاصة بها، فلا نرفع فيها أصواتنا فی شؤون الدنيا، ولا نجعلها مكاناً للتنازع والشقاق الحزبی، وكذلک لا ينبغی أن نجعل منها مكاناً لإنشاد الضالّة والبحث عنها، فقد ورد النهی عن ذلک فی قوله صلی الله عليه وسلم:(مَن سمعَ رجلًا ينشدُ ضالّةً فی المسجدِ، فليقُلْ :لا ردّها اللّهُ عليکَ .فإنّ المساجدَ لم تُبنَ لِهَذا) (صحيح مسلم)

فالمساجد مكانها أعظم بكثير من إنشاد الضالّة، أو البيع والشراء، وسائر مظاهر التجارة، فتجارتنا فی المساجد هی فقط مع الله سبحانه، وهی التجارة التی لا بوار فيها ولا خسران :فقد قال تعالی :(فِی بُيُوتٍ أَذِنَ اللّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوّ وَالْآصَالِ *رِجَالٌ لّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّهِ وَإِقَامِ الصّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (النور37-36 :) .الأعمال التی يمكن أن تقام فی المسجد هناک تصوُّر للأعمال التی يمكن أن تقام فی مساجدنا، وهی مستقاة من دور المسجد ووظيفته فی عهده صلی الله عليه وسلّم، فبالإضافة لكونها مكاناً للعبادة، فينبغی أن تكون مكاناً للتعليم، ولا سيّما يما يتعلّق بالقرآن الكريم من العلوم، كعلم الفقه، والحديث، والتفسير، وتلاوة القرآن الكريم وتجويده، وعلوم العقيدة والمعاملات، وكلّ ذلک من خلال تنظيم الدورات التعليميّة الخاصّة بهذه العلوم ضمن برامج تعليميّة منظّمة،وكذلک يمكن أن يكون فی المساجد إحياء للشورى فی حياتنا اليومية. يجب أن يكون فيها أحياء لقيمة الكتاب فی نفوسنا، من خلال إقامة المكتبات الثقافيّة متنوعة

العناوين من الكتب، والمتضمنة زوايا مختلفة، كالفقه، والتفسير، والعقيدة، واللغة، وزوايا أيضاً خاصّة بالأطفال، ثمّ تنظيم وتشجيع إعارة الكتب، من خلال سجلات إعارة خاصّة، ففي ذلک تشجيع لعادة القراء ة، وربط أبائنا الصغار بالمساجد في ذات الوقت .

إنّ المساجد من أعظم الأماكن، وأكثرها عظمةً وتشريفاً، حيث قال الله تعالى :(وَأَنّ الْمَسَاجِدَ لِلّهِ)،(١) وذلک لما يكون في المساجد من ذكر لله تعالى، وتسبيحٍ وتقديسٍ له، ويُنادى من المساجد إلى طاعته وعبادته، فيلتقي العبد بربّه في المساجد، فيحمده ويقدّسه، والمساجد هي بيوت الله -تعالى -على الأرض، ومما يدل على ذلک ما رواه الصحابي أبو هريرة -رضي الله عنه -عن الرسول صلّى الله عليه وسلّم: (أحبُّ البِقاعِ إلى اللهِ مساجدُها)،(٢) ومن علامات حب العبد لله تعالى، حبّ المساجد وتعلّق القلب بها، وذلک بعكس ما يحدث من تثاقل الذهاب إلى المسجد، حتى أصبح ذلک عادةً من العادات اليومية، كما أنّ الإطالة في الصلاة من المشاق والمتاعب، إلّا أنّ الواجب على المسلم تعظيم الله تعالى، ومن وسائل تعظيم الله، تعظيم شعائره، حيث قال الله تعالى :(ذَلِکَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّهِ فَإِنّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ)،(٣) فيجب أن تراعى عدة أحكامٍ في المسجد، منها : عدم الخضوع بالأقوال، سواءً بالكلام الفاحش، أو بالأصوات المرتفعة .(٤) العناية بالمساجد يجب على المسلم الذي يريد الذهاب إلى المسجد، الالتزام بعدة أمورٍ وآدابٍ وأحكامٍ مستمدةٍ من القرآن الكريم، والسنة النبوية، وفيما يأتي بيان بعضها:(٥)(٦)(٧) يستحب من المسلم لبس أفضل الثياب عند الذهاب إلى المسجد، حيث قال الله تعالى :(يا بَني آدَمَ خُذوا زينَتَكُم عِندَ كُلِّ مَسجِدٍ)،(٨) وكذلک يستحب استخدام السواک قبل الذهاب إلى المسجد، فلا يُقبل من المسلم الذهاب إلى المسجد بملابس النوم، أو ملابس العمل، حيث إنّ في ذلک إلحاقاً للضرر بالمصلّين، وقد يكون السبب في ذلک؛ التكاسل في تغيير الملابس، إلّا أنّ لقاء الله تعالى، لا بدّ له من الاستعداد التام، حيث قال الله عزّ وجلّ : (ذَلِکَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّهِ فَإِنّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ.((٩) ورد النهي في الشريعة الإسلامية للذي أكل البصل أو الثوم عن الذهاب إلى المسجد، إلّا أنّ النهي ليس لذات الثوم والبصل،

وإنّما بسبب الأذى والضرر الذى يلحق بالمصلّين؛ بسبب رائحتهما، ودليل ذلك ما رواه الصحابى جابر بن عبد الله، فى صحيح مسلمٍ، عن النبى صلّى الله عليه وسلّم :(من أَكلَ البصلَ والثُّومَ والكرّاث، فلا يقرَبَنّ مسجدَنا، فإنّ الملائِكةَ تتأذّى مِمّا يتأذّى منهُ بنو آدَمَ .(١٠) يستحب الذهاب إلى المسجد مشياً بسكينةٍ ووقارٍ، كما أنّه يُستحب الذهاب إلى المسجد فى وقتٍ مبكرٍ، مع ذكر الدعاء الثابت فى السنة النبوية عن النبى صلّى الله عليه وسلّم، الذى رواه عنه الإمام مسلم فى صحيحه .نهت الشريعة الإسلامية عن تشبيك الأصابع ببعضها البعض عند الذهاب إلى المسجد، وكذلك النهى عن تشبيك الأصابع عند الجلوس لانتظار الصلاة، وكذلك بعد أداء الفريضة من الصلاة، إلّا أنّ ذلك يجوز عند الحاجة، كما أنّ بعض العلماء ذهبوا إلى جواز ذلك مطلقاً، دون أىّ حرجٍ أو بأسٍ .يُستحب من المسلم الإكثار من ذكر الله تعالى، وتسبيحه، وتقديسه، وتحميده، وتنزيهه، وشكره، وكذلك يستحب الإكثار من تلاوة القرآن الكريم، وقراءة الحديث النبوى، وتعلّم الفقه، والعلوم الشرعية، حيث قال الله تعالى :(فِى بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ.(١١) صلاة ركعتين تحيةً للمسجد، ودليل ذلك ما رواه الصحابى أبى قتادة الأنصارى، عن النبى صلّى الله عليه وسلّم :(فإذا دخل أحدُكم المسجدَ، فلا يجلِسُ حتى يركعَ ركعتَينِ.(١٢) نهى الإسلام عن البيع والشراء فى المسجد، وكذلك نهى عن إجابة الضالين لحاجتهم، حيث إنّ فى ذلك إشغالٌ عن ذكر الله تعالى، وعبادته، وتسبيحه، وتقديسه .المحافظة على نظافة المسجد، حيث إنّ ذلك لا يعدّ من وظيفة الخادم لوحده، فإنّما يجب على المصلّين، وروّاد المسجد، المحافظة على نظافته، ومن ذلك المحافظة على نظافة الجوارب والحذاء ، وعدم البصاق فى المسجد، أو فى ساحاته، وما يلحق به من الأفنية، حيث قال النبى صلّى الله عليه وسلّم :(التّفلُ فى المسجدِ خَطِيئةٌ، وكفّارتُها دَفْنُها)،(١٣) إلّا أنّ العلماء اختلفوا بالمقصود من دفن البصاق، وما عليه الجمهور منهم أنّ المقصود؛ دفنها فى التراب أو الحصى، أو إخراجها من المسجد .يجب على المسلم أن يعلم بأنّ المناديل الورقية التى توضع فى المساجد، تعدّ من الوقف؛ أىّ أنّه يستعمل منها بقدر ما يحتاج،

دون إسرافٍ أو تبذيرٍ لهـا، ودون أن يأخذ منها شيءٌ ليستخدمها خارج المسجد .الحذر من التنخم، أو الاستنشاق، أو إخراج وسخ الأنف بصوتٍ عالٍ؛ لأنّ ذلک يلحق الأذى بمن حوله، وقد يسبب له مواقفاً محرجةً، كما أنّه لا يجوز إلقاء ما يخرج منها في المسجد، فيجب أن يكون بمنديلاً ورقياً، دون إلقاء المنديل في المسجد . تغطية الفم بالمنديل الورقي عند العطاس، أو الكحة، والسعال .لا يجوز كتابة وقفٌ لله، على الكراسي التي في المسجد، بل يكفي كتابة وقفٍ عليها .يجب صناعة الصناديق التي توضع بها المصاحف، دون أن تكون عرضةً لاتكاء المصلين عليها، حيث إنّ ذلک من مظاهر تعظيم القرآن الكريم .جعل أماكن مخصصةً لوضع الأحذية فيها، بحيث تكون بعيدةً لا يتأذى منها المصلّين، كما يجب عدم خلع الحذاء عند مدخل المسجد. تجنّب الكلام والتحدّث بأمور الدنيا في المسجد . أهمية المسجد تعدّ المساجد من أفضل أماكن التربية، وإصلاح المجتمعات والأفراد، وذلک بالتربية الإيمانية المتكاملة، ومما يدل على ذلک حرص الرسول -صلّى الله عليه وسلّم -على بناء المسجد، فور وصوله إلى المدينة المنورة، فهي أماكن اجتماع المسلمين، مما يحقق المودة والمحبة والحبّ والاحترام فيما بينهم، فكان الصحابة خير مثالٍ على ذلک، فقد كانوا يسألون الرسول -صلّى الله عليه وسلّم -عن كلّ الأمور التي يحتاجونها.

المساجد بيوت الله تعالى في أرضه جعلها خالصة له وحده ,فقال سبحانه "\ :وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا 18)) وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا 19)) سورة الجن .وهي أحب الأماكن إلى الله تعالى وإلى رسوله وإلى المؤمنين الصالحين ,عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ :أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم -قَالَ :أَحَبُّ الْبِلاَدِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدهَا ، وَأَبْغَضُ الْبِلاَدِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقهَا .أخرجه مسلم (1473))

بل إن المسجد هو بيت كل مؤمن تقي ،عَنْ أَبِي الدَّرْدَاء رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم -يَقُولُ الْمَسْجِد بَيتُ كُلّ تَقِيّ أخرجه أبو نعيم في "\ الحلية "\(6 ⁄ 176)

ومكانة المسجد في الإسلام تظهر بوضوح وجلاء في كون النبي صلى الله عليه وسلم

لم يستقر به المقام عندما وصل إلى حى بنى عمرو بن عوف فى قباء ، حتى بدأ ببناء مسجد قباء ، وهو أول مسجد بُنى فى المدينة، وأول مسجد بنى لعموم الناس كما قال ابن كثير رحمه الله .البداية والنهاية .3/209

وكذلک عندما واصل صلى الله عليه وسلم سيره إلى قلب المدينة كان أول ما قام به تخصيص أرض لبناء مسجده صلى الله عليه وسلم .

وكان النبى صلى الله عليه وسلم إذا نزل منزلاً فى سفر أو حرب وبقى فيه مدة اتخذ فيه مسجداً يصلى فيه بأصحابه رضى الله عنهم، كما فعل فى خيبر .وفاء الوفا بأخبار المصطفى للسمهودى .3/1028

ولقد وعى هذا الأمر صحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم فاهتموا بذلک، واعتنى الخلفاء الراشدون بها فكتب عمر بن الخطاب رضى الله عنه إلى ولاته أن يبنوا مسجداً جامعاً فى مقر الإمارة، ويأمروا القبائل والقرى ببناء مساجد جماعة فى أماكنهم .عن عثمان بن عطاء قال لما فتح عمر بن الخطاب البلد كتب إلى أبى موسى الأشعرى وهو على البصرة يأمره أن يتخذ للجماعة مسجداً فإذا كان يوم الجمعة انضموا إلى مسجد الجماعة فشهدوا الجمعة .كنز العمال .8/313-314

ولقد اهتم ديننا بالمسجد أيما اهتمام ,وجاء ت بذلک الآيات والأحاديث المتوترة التى حثت على بناء المساجد والعناية بها ,وبيان فضل الصلاة فيها , ومراعاة الآداب والأخلاق الخاصة بها .

الحث على الذهاب إلى المساجد والصلاة فيها :

ثواب الذهاب إلى المسجد للصلاة ثواب كبير وفضل عميم ,عن أبى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال "\:من توضأ فأحسنَ الوُضوءَ ، ثم خرج عامدا إلى الصلاة ، فإنه فى صلاة ما كان يَعْمِد إلى صلاة ، وإنه يُكتَب له بإحدى خُطوتيه حسنة، ويُمْحَى عنه بالأخرى سيئة ، فإذا سمع أحدُكم الإقامة فلا يَسْعَ ، فإن أعظمَكم أجرا أبعدُكم دارا ، قالوا :لِمَ يا أبا هريرة ؟ قال : من أجل كثرة الخُطَا."\الموطأ 1/33)

عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "\:مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهُ، إلا كَانَ زَائِرَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَحَقٌّ عَلَى الْمَزُورِ أَنْ يُكْرِمَ زَائِرَهُ ."\رواه الطبرانى (3 / 73 / 1)

وعَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه

وسلم ، قَالَ :(مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَرَاحَ ، أَعَدَّ اللَّهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ نُزُلاً كُلَّمَا غَدَا وَرَاحَ(.أخرجه أحمد 2/508)(10616) والبُخارى 662)) و)(مسلم().1469

الجلوس في المسجد وانتظار الصلاة له أجر الصلاة ,عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ ، قَالَ :سَأَلْتُ جَابِرًا : هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ : الرَّجُلُ فِي صَلاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلاَةَ ؟ قَالَ :انْتَظَرْنَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةً لِصَلاَةِ الْعَتَمَةِ ، فَاحْتَبَسَ عَلَيْنَا ، حَتَّى كَانَ قَرِيبًا مِنْ شَطْرِ اللَّيْلِ ، أَوْ بَلَغَ ذَلِكَ ، ثُمَّ جَاءَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ، فَصَلَّيْنَا ، ثُمَّ قَالَ :اجْلِسُوا ، فَخَطَبَنَا ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم :إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَرَقَدُوا ، وَأَنْتُمْ لَمْ تَزَالُوا فِي صَلاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلاَةَ .أخرجه أحمد 3/347)(14802)

وحينما تنقطع صلة الإنسان بهذه الحياة , ويوضع في قبره فإنه يتمنى لو عاد إلى الدنيا مرة أخرى لا ليجمع الأموال أو يحصل المناصب ,بل ليصلى ركعتين فقط ,عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرٍ، فَقَالَ "\:مَنْ صَاحِبُ هَذَا الْقَبْرِ؟ "\فَقَالُوا :فُلانٌ، فَقَالَ "\:رَكْعَتَانِ أَحَبُّ إِلَى هَذَا مِنْ بَقِيَّةِ دُنْيَاكُمْ ."\أخرجه الطبراني فى الأوسط 1/282)، رقم 920) . قال الهيثمى 2/249))

وذُكر عن التابعى الجليل سعيد بن المسيب رحمه الله تعالى أنه ما فاتته تكبيرة الإحرام نحو أربعين عاما، لأنه ما كان يصلى فى المسجد النبوى إلا فى الصف الأول، وقال وكيع رحمه الله تعالى :كان الأعمش قريبا من سبعين سنة لم تفته التكبيرة الأولى واختلفنا إليه قريبا من سبعين فما رأيته يقضى ركعة .صفة الصفوة لابن الجوزى .(2/69)

وكان الربيع بن خيثم قد سقط شقه فى الفالج فكان يخرج إلى الصلاة يتوكأ على رجلين فيقال له :يا أبا محمد قد رخص لك أن تصلى فى بيتك أنت معذور فيقول هو كما تقولون ولكن أسمع المؤذن يقول حى على الصلاة حى على الفلاح فمن استطاع أن يجيبه ولو زحفاً أو حبوا فليفعل.

وقال حاتم الأصم :فاتتنى مرة صلاة الجماعة فعزانى أبو إسحاق البخارى وحده ولو مات لى ولد لعزانى أكثر من عشرة آلاف إنسان لأن مصيبة الدين عند الناس أهون من مصيبة الدنيا .الذهبى : الكبائر .10

الحث على تنظيف المساجد والعناية بها : حث الإسلام على نظافة المساجد وحسن العناية بها , وجعل لذلك أجر عظيم وثواب كبير ,عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُورُ أُمَّتِي ، حَتَّى الْقَذَاةِ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ ، وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوبُ أُمَّتِي ، فَلَمْ أَرَ ذَنْبًا أَعْظَمَ مِنْ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ ، أَوْ آيَةٍ ، أُوتِيَهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا .أخرجه أبو داود 461)) والتِّرْمِذِيّ 2916 "\و"\ابن خزيمة 1297 .)

وعن أبي سعيد ,قال :كانت سوداء تقم المسجد ,فتوفيت ليلا ,فلما أصبح رسول الله , صلى الله عليه وسلم ,أخبر بموتها ,فقال :ألا آذنتموني بها ؟ فخرج بأصحابه ,فوقف على قبرها ,فكبر عليها والناس من خلفه ,ودعا لها , ثم انصرف .أخرجه ابن ماجة 1533))صحيح الترغيب والترهيب 1/67.

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَتَّخِذَ الْمَسَاجِدَ فِي دِيَارِنَا وَأَمَرَنَا أَنْ نُنَظِّفَهَا "\رواه أحمد في مسنده 19671))

ولقد رأى النبي -صلى الله عليه وسلم في جدار المسجد نخامة فتناول حصاة فحكه وعدها خطيئة وقال :(البزاق في المسجد خطيئة، وكفارتها دفنها.(البخارى مع الفتح (برقم .(409

عَنْ أَبِي ذَرٍّ ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ، قَالَ:عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي ، حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا ، فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا ، الأَذَى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيقِ ، وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِءِ أَعْمَالِهَا ، النُّخَاعَةَ تَكُونُ فِي الْمَسْجِدِ لاَ تُدْفَنُ .أخرجه أحمد 5/180(21900) و"\البُخاري "\في "\الأدب المفرد 230 "\و"\مسلم1170) 2/77).

وروى سعيد بن منصور عن أبي عبيدة بن الجراح أنه تنخم في المسجد ليلة فنسي أن يدفنها حتى رجع إلى منزله، فأخذ شعلة من نار ثم جاء فطلبها حتى دفنها، ثم قال :الحمد لله الذي لم يكتب عليَّ خطيئة الليلة .قال :فدل على أن الخطيئة تختص بمن تركها وعلة النهي ترشد إليه وهي تأذي المؤمن بها.

أولا يريد الكاتب أن يشير إلى ملاحظة وهي أن كلمة الهند حينما يكتب الكاتب في الصفحات التالية، يريد بها تلك البلاد الواسعة التي تشمل دولتي باكستان والهند،لأن الهند كانت بلادا متحدة آنذاك .

قبل الخوض في الكلام عن "الشعر العربي في

الشعر العربى
فى القرن الثامن والتاسع عشر فى الهند

الأستاذ سيد جميل الدين ، المدرس بالجامعة النظامية

أولا يريد الكاتب أن يشير إلى ملاحظة وهى أن كلمة الهند حينما يكتب الكاتب فى الصفحات التالية، يريد بها تلك البلاد الواسعة التى تشمل دولتى باكستان والهند،لأن الهند كانت بلادا متحدة آنذاك .

قبل الخوض فى الكلام عن "الشعر العربى فى القرن التاسع عشر فى الهند "يجمل لى أن أكتب نبذة عن اشتقاق الكلمة "الهند "ومعناها ،تستمد الهند اسمها من كلمة "سندهو "وهو الاسم الهندى لنهر وهو فى منطقة السند .ومن هذه الكلمة اشتقت كلمتا "اند "و"هند "معناهما الأرض التى تقع فيما وراء نهر الأندوس ،وأصبح سكان هذا الإقليم يسمون الهندوس أو الهنود كما أصبحت بلادهم تعرف بالهندوستان .(1)إن الهند تعد من تلك البلاد التى تحتل مكانا مرموقا بين أخواتها ،إذ يعود تاريخها إلى اكثر من خمسة

قبل الخوض فى الكلام عن "الشعر العربى فى القرن التاسع عشر فى الهند "يجمل لى أن أكتب نبذة عن اشتقاق الكلمة "الهند "ومعناها ،تستمد الهند اسمها من كلمة "سندهو "وهو الاسم الهندى لنهر وهو فى منطقة السند .ومن هذه الكلمة اشتقت كلمتا "اند " و"هند "معناهما الأرض التى تقع فيما وراء نهر الأندوس ،وأصبح سكان هذا الإقليم يسمون الهندوس أو الهنود كما أصبحت بلادهم تعرف بالهندوستان

آلاف عاما،برز فيها عدد كبير من الامبراطوريات التى سادت ثم بادت ،قامت ثم اندثرت.

لابد لنا من المعرفة أن الهند مضى عليها العصور المختلفة لها أهمية كبرى فى التاريخ ،ومنها العصر الذى حكم فيه الحكام المسلمون فى مناطق عديدة على نهج الحكم الذاتى ،والراج البريطانى ،وهى الفترة التاريخية التى استعمر فيها الانجليز مناطق الهند اعتداء وقسوة منذ القرن التاسع عشر حتى منتصف القرن العشرين.

تعريف الشعر لغة واصطلاحا

الشعر هو على المشهور كلام ذا معنى موزون مقفى، مقصود، هذا هو أبسط تعريف للشعر وهو الذى يخطر ببالنا عندما نسمع هذه الكلمة، وقد تحمل بأسس الشعر وأنه كلام أى ألفاظ ذات معنى كُسِيَت حلة من الوزن والقافية.

قال عنه ابن منظور " :الشعر :منظوم القول غلب عليه؛ لشرفه بالوزن والقافية، وإن كان كل علم شعراً"، وقال الفيومى " :الشعر العربى هو :النظم الموزون، وحده ما تركّب تركباً متعاضداً، وكان مقفى موزوناً، مقصوداً به ذلک .فما خلا من هذه القيود أو بعضها فلا يسمى (شعراً) ولا يُسمَّى قائله (شاعراً)، ولهذا ما ورد فى الكتاب أو السنة موزوناً، فليس بشعر لعدم القصد والتقفية، وكذلک ما يجرى على ألسنة الناس من غير قصد؛ لأنه مأخوذ من (شعرت) إذا فطنت وعلمت، وسمى شاعراً؛ لفطنته وعلمه به، فإذا لم يقصده، فكأنه لم يشعر به"، وعلى هذا فإن الشعر يشترط فيه أربعة أركان، المعنى والوزن والقافية والقصد.

ويقول الجرجانى " :أنا أقول -أيدک الله -إن الشعر علمٌ من علوم العرب يشترک فيه الطبعُ والرّواية والذكاء :(9)

العلامة فضل حق الخير ابادى

اسمه محمد فضل الحق بن فضل إمام بن محمد راشد العمرى الحنفى الماتريدى ،تفتحت زهرته بخيرآباد بمديرية سيتافور (بولاية اترابراديش حاليا)سنة 1212ھ/1797 م وترعرع ونشأ بها.

اشتهرت قريته بعلمائها وصلحائها وشاع صيته فى الفاق ولذا سميت ب"خير البلاد "وينتهى نسبه بعد اثنين وثلاثين شخصا إلى سيدنا عمر الفاروق ومن احفاده رضى الله عنه كان شقيقان اسمهما بهاء الدين وشمس الدين رجعا من ايران واستوطنا الهند والاول تمكن على منصب الافتاء بمدينة رهتک وثانى الذكر قطن المدينة بدايون

الواقعة بولاية اترابراديش الهند .ومن أجدادالعلامة أبو الواعظ الهركامى الذى كان أستاذا لملك المغولى أورنك زيب عالمكير وعضوا فى اللجنة المشكلة لإعداد فتاوى العالمكيرى(10).

كان فضل حق الخيرآبادى شاعرا عظيما يزيد عدد أبياته على أربعة آلاف وغالب قصائده فى مدح النبى صلعم وبعضها فى هجو الكفار وعالج كثيرا من الموضوعات وأروع قصيدته :القصيدة الهمزية والدالية التى نظمهما حين كان فى المنفى وكان موضوع هتين القصيدتين نقض عهد ملكة فكتوريا Victoria)) وصوَّر فيهما أحسن تصوير لما تجشمه العلامة من صعوبة ومشقة فيقول

إنى بلانى خدعة امرأة

بلى كيد عظيم ما تكيده نساء

خدعت بأن شهرت أن أمنت

قوما نبت بهم الديار وناؤوا

فأتيت دارى آئبا إذ غرنى

أيمان كافرة لها استيلاء (12)

.غلام على آزاد البلغرامى

ولد العلَّامة السيد غلام على آزاد الحسينى الواسطى البلغرامى رحمه الله بقرية بلغرام بولاية اترابراديش بالهند عام 1116هـ، فى الخامس والعشرين من شهر صفر يوم الأحد، الموافق 29/ 07/ 1704م، وكان رحمه الله حسينيًّا نسبًا؛ لأنه ينتهي إلى الحسين بن على رضى الله عنه .

نشأ الشاعر فى جوٍّ يحفل بالدِّين والعلم والأدب؛ حيث كانت أسرته أسرةً علميَّة مباركة؛ لأن أكثر العلماء المشهورين ببلغرام ينتمون إلى أسرة الشاعر؛ مثل جده وخاله وابن عمه، ولا شك أنَّ هذه البيئة العلمية لعبت دورًا بارزًا فى تكوين شخصيَّته الفذَّة، وصياغة قدرته الفائقة، وتنقيح ملكاته الناضجة .

وتلقَّى الشاعر رحمه الله الفنونَ العلمية من أمجد العلماء ؛ حيث أخذ اللغةَ والحديث، والسِّير والمنطق، وإجازة سند الحديث المسلسل بالأوليَّة عن جدِّه لأمِّه السيد عبدالجليل البلغرامى، وأخذ العروض والقافية ونواحى الشِّعر من خاله محيى الدين بن عبدالجليل البلغرامى، والسيد طفيل محمد الأترولى، والشيخ لطف الله الحسينى رحمهم ا للشاعر غلام على البلغرامى :

.1السبعة السيارة؛ هذه مجموعة دواوينه السبعة الأولى، وأكثر قصائد هذه الدَّواوين فى الغزل، إلَّا أن الشاعر بدأ كلَّ ديوان بقصيدة أو قصائد فى

المديح النَّبوى لحصول البركة .

.2 دواوين آزاد (الثامن والتاسع والعاشر)؛ هذه مجموعة دواوين للشاعر التى رتَّبها بين سنة 1198هـ -و1199هـ .

.3 أوج الصبا فى مدح المصطفى؛ هذه المجموعة للقصائد النبوية التى وردَت فى دواوينه، وأفرد هذه القصائد النبويَّة وجمعها فى مجموعة مستقلَّة فى سنة 1197ه .

.4 القصيدة الهمزية؛ وهذه أيضًا قصائد فى نَعت المصطفى صلى الله عليه وسلم، ونظمها الشاعر فى المدينة المنورة

.6 مرآة الجمال مظهر البركات

فاضت روح هذا الشاعر الإسلامى إلى ربِّها راضيةً مرضيةً فى /21ذى القعدة سنة 1200هـ - المطابق /15سبتمبر 1786م.

الشيخ إبراهيم الأديب الرضوى

هو سيد إبراهيم بن سيد عباس الرضوى بن سيد حيدر .تعود سلسلة نسبه إلى الإمام موسى رضا ، فهو من السادة الحسنيين .ولد بقرية ميسرم من أعمال مدينة حيدر آباد سنة 1295هـ ، ونشأ بها ، وترعرع فى أحضان الدين والعلم ، ودرس الكتب الدراسية الابتدائية ، والقرآن .وبعد التعليم الابتدائى الإعدادى لدى أبيه و دخل الجامعة النظامية العريقة وأخذ العلم والفنون من المنقول والمعقول عن أساتذتهما الأجلاء ، واستفاد فيها من كبار العلماء ، كالشيخ محمد عبد الكريم الأفغانى ، والمفتى الشيخ محمد ركن الدين ، والشيخ عبد الرحمن السهارنفورى ، وله أكثرمن أربعين مؤلفة ورسالة باللغة العربية والأردية ونظم الشعر وله شرح لامية العرب لشنفرى.،وديوان غير مطبوع وفيه 1200بيت

نموذج من شعره ، لاميته :

الإحت سُليمى فى البراقع ترفل أو الشمس تجرى فى الغمام و تذأل

وماالشمس إلا رشحة من جمالها وما البدر إلا ظلها المتمثل

ديار ها باق مدى الدّهر رُوحُها وليس لها فيما تقادم أوّل

ينير السما والأرض سبحات وجهها ومن فرعها يسجُو الظلام المذيّل

.2القاضى طلا محمد البيشاورى :(المتوفى 1310:هـ)أحد العلماء البارزين فى الهند ،وكان

متوليا بديوان الإنشاء فی مدينة كلكته ،وكان من بيت العلم والمشيخة ، تأدب على ذويه وتفقه ،ثم أخذ الحديث عن السيد حسين الدهلوى المحدث ،وخلف ورائه ديوانا اسمه "نشاء الطرب فی أشواق العرب2)) وله قصائد رصينة ومن أبياته

راحت سليمی فقلب اليوم فی قلق
ومهجتی فی لهيب الوجد فی حرق

عليـاء فی نصب غيداء فی طرب
لمياء فی شنب كحلاء فی الحدق (3)

السيد محمد مهدی المصطفی آبادی (المتوفی 1317هـ) وله مجموعة تشتمل على نثره وشعره (المحاضرات الأدبية)ولد فی قرية مصطفی آباد (قرية من أعمال رائی بريلی الهند (

الإنتاج الشعری

مجموع فی الشعر والإنشاء بعنوان :الكواكب الدرية، وله قصائد متفرقة وردت فی أحد مصادر دراسته .شاعر نظم فی الأغراض المختلفة، له رثاء فی شيخه المفتی عباس التستری (ت 1888) فوقف بالديار وبكی الدوارس والطلول وعاتب الدهر، أكثر ما أتيح من

شعره فی الوجدانيات، وهو فی ذلک لا يغادر مناهج الشعر القديم .شعره سلس فی ألفاظه قليل فی معانيه متوازن فی خياله بين البيان والبديع، فيه قوة عاطفة ورقة تعبير، وقد درج على تسمية قصائده مثل :شقائق النعمان، وفتيت العقيان، وشفاء الأسقام، وهو تقليد قديم كان يتولاه بعض نقاد الشعر4)

الشيخ احمدبن عبد القادر الشافعی الكوكنی (المتوفی 1320:هـ) المشهور بيتكر ، أحد الدباء المشهورين ، له قصائد غراء ،كوكنی نسبة إلی كوكن، على ما قيل أن طائفة من قريش خرجت من المدينة المنورة فی زمن الحجاج بن يوسف الثقفی خوفاً منه، فوصلت ساحل بحر الهند، وسكن بعض أفرادها فی مدراس وحواليها، واشتهروا بالنوائط، وتوطن بعضهم فی كوكن، وهی منطقة معروفة على ساحل بحر الهند فانتسبوا إليها، وكلهم شافعيون ،والشيخ أحمد ولد عشية النصف من شعبان سنة اثنتين وسبعين ومائتين وألف، وسماه باسمه أحد السادات الحضرمية كان نازلاً عند أبيه فی مدينة بمبیء ، وهو نشأ فی عفاف وطهارة، وكان من صغر سنه مشهوراً بالفطنة والذكاء ، مجبولاً على الكرم

والسخاء ، قرأ القرآن على الشيخ آدم الدهشنى، والمختصرات على الحافظ محمد على الكوكنى وعلى غيره من علماء المعمورة، ثم لم يزل مشمراً عن ساق الجد فى طلب العلم حتى فاق أقرانه، فقرأ المنطق والحكمة والأصول :من أشعاره

يا لائمى وشراب الحب أسكرنى   لو
ذقت لذة كأس الحب لم تلم   ألست
تعلم أن العذل فى مهج الـ   عشاق
يفعل فعل الزيت فى الضرم(5)

الشيخ عبد الحميد بن أحمد العظيم آبادى (المتوفى 1323هـ :(كان الشيخ أديبا بارعا ،ويقرض الشعر ارتجالا ، ومن قصيدة يذكرفيها أحوال المسلمين وما نزل بهم من وهن وضعف.

فوا أسفا ونحن بنوكرام   تواات فيهم علم
وجود
ذوى الأعلام والأقلام طرا   يزينهم المكارم
والجنود
قصرنا نحن فى وهن وهون   يرق لنا المعاند
والحسود (6)

المفتى سعد الله المرادا آبدى (المتوفى 1294هـ/1877الميلادى :(كان الشيخ لغويا ،فقيها ،نحويا ،تضلع فى العلوم والفنون ،وتلمذ لدى الشيوخ الأجلة من علماء دهلى ولكناؤ.ومن مؤلفاته "القول المأنوس فى صفات القاموس " و"رسالة الكافية فى العروض والكافية "

وكان ينظم الشعرأيضا ومن قصيدة له مدح بها النواب كلب على خان يقول فيها

قد شرف الله أمر الملك والدين   وكرم
المجد والعزوالتمكن
فلا يرى فتنة فى عهد دولته   غير الذى
فى عيون الحور والعين
طاب المدائح من مدح الأمير كما   طاب
النسائم من روض الرياحين (7)

الشيخ فيض الحسن السهارنفورى:

ولد الشيخ سنة 1232الهجرية بمدينة سهارنفور بولاية اترابراديش الهند تلقى العلوم الابتدائية من أبيه فى مدينته ، وشد الرحل للدراسات العليا الى مدينة دلهى ،وتلمذ عند الشيخ المفتى صدر الدين آزرده وأخذ منه سندا فى الحديث النبوى على صاحبه الصلاة والسلام و استقى من بحره العلمى ثم سافر إلى مدينة رامفور وتلمذ عند العلامة فضل حق الخيرابادى وأخذمنه المعقولات من المنطق والفلسفه تمهر فيها حتى أصبح ممن يشار إليه بالبنان ، ترك خلفه تراثا عظيما، غادر بعض أجداده جزيرة العرب ونزلوا بمحافظة "سهارنفور "فى ولاية أتربرديش الهند

واستوطنوها،ونسبة إلى هذه المنطقة كتب له هذا "السهارنفورى"، كان والده على بخش أحد العلماء الأفاضل المشهورين، فقرأ عليه الكتب المتداولة من العربية والفارسية، ثم أراد أن ينال المزيد من العلوم والمعارف ، وأخذ الحديث عن الشيخ أحمد سعيد العمرى الدهلوى، وبعد التبحر فى العلوم الدينية والتضلع من علوم اللغة والأدب قضى حياته فى الدرس والإفادة، وفى آخر عمره تولى التدريس فى الكليةالشرقية بلاهور ،وله تعليقات هامة على تفسير الجلالين ومشكوة المصابيح ،وهذه الكتب تدل على علو كعبه فى الادب العربى(8).

انتاجه الشعرى .1:ديوان باسم "ديوان الفيض" وهذا الديوان يشمل 1549شعرا، 66قصيدة

2. وله قصيدة قرضها على وفاة أستاذه العلامة فضل حق الخيرآبادى

ومن قصيدة فى مدح النبى صلى الله عليه وسلم

من لى بمغفرتى ليغفر لى ومن يخفى على ومن يجيب دعائى

دون النبى محمد وهو الذى نرجوه فى الضراء والسراء

المصادر والمراجع

.1تاريخ الاسلام فى الهند للدكتور عبد المنعم ص 17بتصرف قليل

.2نثر الجواهر والدررفى علماء القرن الرابع عشر ص 549

.3فصول فى التعريف بالهند ص للاستاذ عبدالعليم الجائسى

-عبدالحى الحسنى :نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر -دا ابن حزم -بيروت 1999.4

.5نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر ج8

.6فصول فى التعريف بالهند للاستاذ الجائسى ص 318

.7أبجد العلوم للقنوجى ج 3ص 256

.8ملخصا من الإعلام بمن فى الهند الأعلام وفصول فى التعريف بالهند

.9مأخوذ من"الموقع للثقافة والأدب "

.10خيرآباديات ص 21للشيخ أسيد الحق عاصم القادرى

.11أخذ الكاتب هذه المعلومات من الكتاب " شرح لامية العرب شرح وتحقيق "للدكتوره أسماء حسن هيتو

.12انظر للمزيد إلى الكتاب "باغى هندوستا ن"

الفقه المقارن
نشأته وتطوره عبر القرون

الحافظ سيد محمد مصباح الدين عمير،طالب التخصص فى الفقه ، بالجامعة النظامية

إن العلوم الشرعية التى يجب الاهتمام بها والبحث عنهاوتدارسها والاعتناء بها علوم مختلفة كالتفسير والحديث والقفه وأصول الفقه وما الى ذٰلک من العلوم التى تساعد على استنباط المسائل من الشريعة الاسلامية ' فمن هذه العلوم الجلية علم الخلاف المبنى على ذكر اقوال العلماء المختلفة والبحث عن اٰرائهم وأدلتهم وأوجه الخلاف فيها بينهم ' وسمى هذا العلم بالفقه المقارن ايضا فانه يختص بتقرير اٰراء المذاهب الفقهية فى مسألة معينه مع ذكر محل النزع فيها بالأدلة ثم مناقشة هذه الأدلة اصوليا والموازنة بينها.

ماالفقه المقارن : لا بد أن نتعرف على الفقه اولاثم المقارن ثانيا حتى ندرک الفقه المقارن ادراكاتاما.

فالفقه لغة : الفهم الدقيق والعميق كما ذكر ابن منظور الا فريقى فى لسان العرب.(1) والمقارن لغة: من قرن بمعنى وصل وقارن الشئ بالشئ قابله به والمعنى مقابلة الرأى بالرأى وموازنته به.

الفقه اصطلاحا : العلم بالاحكام الشرعية العملية من أدلتها التفصلية.(2)

أما الفقه المقارن إصطلاحا: فهو دراسة الاٰراء الفقهية المختلفة فى المسألة الواحدة مع مستنداتها.

والفقه المقارن بحيث يبحث عن المسائل المختلف فيها بين المجتهدين والفقهاء، خرج منها المسائل العقدية والأخلاق وأصول الشريعة، فإنها لا تتعلق بالفقه المقارن لكونها من الامور المعلومة من الدين بالضرورة.

من الأدلةا لشرعية وتقويمها وبيان مالها وماعليها بالمناقشة واقامة الموازنة بينها توصلاالى معرفة الراجح منهاأ والجمع بينها.(3)

تاريخ الفقه المقارن: إن علم الفقه ازدهرفى العصر العباسي واتخذ اشكالامختلفة وبحث الفقهاء فى المسائل المتنوعة لما ان الفروع والمسائل تجددت وتنوعت فراجع الفقهاء الى الكتاب والسنة واستخر جوامنها الأسباب والعلل للمسائل المستحدثة والمستجدات النازلة.

والفقه المقارن يرتبط ارتباطاً وثيقا بالفقه الاسلامى ولكن ظهر هذا العلم متأخرا عن الفقه بفترات يسيرة.

فتاريخ الفقه الاسلامى والمقارن يتفق ويختلف فى بعض المراحل ثم ان الفقه المقارن كان فى البداية منهجا وطريقة فقهية، ولكن تحول فيما بعد إلى علم مستقل وهذا العلم قد اشتهر باسماء عديدة مثلا: الخلافيات وعلم الخلاف وفقه الخلاف والفقه التطبيقى والفقه القياسي والفقه المقارن.

ونفهم ظهورهذا العلم ونشوئه بانتشار الفقه، وكيف كان الفقه رائجا وذائعا فى القرون الأولى، فقد ذكر مسند الهند الإمام شاه ولى الله المحدث الدهلوى رحمه الله فى كتابه –حجة الله البالغة– حيث قال:

"إعلم ان رسول الله لم يكن الفقه فى زمانه الشريف مدونا، ولم يكن البحث فى الأحكام يومئذ مثل بحث هؤلاء الفقهاء، حيث يبينون باقصى جهدهم ألاركان والشروط والآداب، كل شيئ ممتازا عن آخره بدليله، ويفرضون الصور من صنائعهم ويتكلمون على تلك الصور المفروضة.(4)

وإذا تعمقنا فى دراسة تاريخ الفقه تاكدنا ان الفقه الاسلامى يرجع جذوره الى زمن الصحابة رضى الله عنهم حيث تجددت القضايا والمسائل التى لم تحدث فى عصر النبوة ، ففهم الصحابة بعد النظر الى الاحاديث التى سمعوا من النبى ﷺ واستخرجوا الأحكام فكما أنه من الطبيعى أن يختلف فهم شخص من آخر، هكذا حدث الخلاف بين الصحابة فى فهم الأدلة واستخراج المسائل والاحكام كما نعرف من حديث"لايصلين احدكم العصر الا فى بنى قريظة".

وهذا ما قرره مسند الهند الإمام شاه ولى

الله المحدث الدهلوى رحمه الله حيث يقول:"لقد رأى كل صحابى مايسر الله تعالى له من عبادة الرسول ﷺ وفتواه وأقضيته، فعلقها وحفظها وعرف لكل شيئ وجها من قبل حفوف القرائن به فحمل بعضها على الإباحة وبعضها على النسخ لأمارات قرائن كانت كافية عنده".

والفقه المقارن أو ما يسمى بعلم الخلاف نشأ وظهر فى زمن الصحابة، ثم اتسع وتطور فى عصر التابعين، وذلك لأن المسائل المستجدة والقضايا المتعددة طرأت وحدثت حيث اشتبكت الثقافات الاجنبية بالثقافة العربية، ولذا يبحث الفقهاء فى معرفة الأحكام وجرت بينهم البحوث والمناقشات فى المسائل المتنوعة، فتطور علم الخلاف وتطورهذا العلم تطوراً مستمراً فى زمن التابعين حيث نبغ فيهم العلماء الذين قاموا بجمع تلك الأقوال والأراء والفتاوى التى صدرت من المذاهب المختلفة، وحققوا فيها وتوصلوا إلى أدلتهم التى استخرجوا منها المسائل الفرعية، والقضايا الحديثة .

فهٰكذا تعددت الكتب والمؤلفات فى علم الخلاف مما ادى إلى ازدهار هذا العلم وانتشاره على أوسع النطاق، وذيوعه بين الاوساط العلمية والفقهية.

والفقه المقارن بحيث يبحث عن المسائل المختلف فيها بين المجتهدين والفقهاء، خرج منها المسائل العقدية والأخلاق وأصول الشريعة، فإنها لا تتعلق بالفقه المقارن لكونها من الامور المعلومة من الدين بالضرورة.

وقد نال الفقه المقارن منزلة مرموقة فى العصر العباسى ؛ لأن المذاهب الفقهية تعددت فى هذا العصر وبحث الفقهاء فى المسائل الحديثة، وجرت المنافشات الفقية والاصولية فى ضوء الأدلة، وكما هو معلوم أن العصر العباسي "عصر ازدهار العلوم والفنون" لاسيما علم الفقه.

فالقرن الثانى من الهجرة يعد من أبرز القرون التى ظهر فيه الفقه الاسلامي، وتطور بحيث تأسست المذاهب الفقهية على أيدى الفقهاء الأعلام، وصانها تلامذتهم بجمع الاراء والمسائل، ونقلوها فى مؤلفاتهم، ونضجت المذاهب الفقهية فى القرنين : الثالث والرابع ، وصنِّفت فيها المصنفات العديدة .

ولما طلع القرن الخامس إزدادت فيه الحركة الفقهية، وركز العلماء إهتمامهم إلى دراسة الفقه، وتاليف المؤلفات ونشرها على

أوسع نطاق ، وبرز الفقهاء الأعلام، و زودوا الأمة بالثروة الضخمة من الكتب الفقهية الكبيرة التي تعد بمثابة الموساعات الفقهية.

وتتجلى لنا هذه الحقيقة فى مرآة اٰثارهم الفقهية التى امتازت بخصائص كثيرة، اذ ذكر الفقهاء اقوال مذاهبهم بالأ دلة ، وكذلك بينوا الخلاف الواقع فى المسائل المختلفة، والمباحث العديدة بجمع الآراء والأدلة.

فائدة درارسة الفقه المقارن :

إن من يمعن النظر فى الفقه المقارن ويدقق فى المسائل المختلفة يتضلع بالعلم الواسع والمعرفة التامة بالأصول والمصادر بحيث يعرف تلك الأسس التى بنى عليها الفقها ء آرائهم فى استخراج المسائل الحديثة، وأيضا تتأتى له الملكة الفقهية بدراسة المسائل الخلافية.

وأذكر فيما يلى الفوائد و الثمرات التى تتحقق بدراسة الفقه المقارن.

1. يُعرف من دراسة الفقه المقارن أن علم الفقه ذو أهمية بالغة، وهومرتبط ارتباطا وثيقا بالكتاب الحكيم والسنة العطرة، ويفهم المرء أن الفقهاء الكرام بذلوا الغالى والنفيس فى تحقيق المسائل، واستفادوا من المصادر المختلفة كالإستحسان والعرف وغيرهما.

2. يتمكن الطالب بعد دراسة الفقه المقارن أن يميز بين الفقه الإسلامى والقانون الوضعي الذى حدده وقرره العقل البشري فان الفقه مستمد ومستفاد من الكتاب والسنة اللذين يعدان مصدرين أساسيين للهداية الربانية، والقانون الوضعى الذى اكتسبه الانسان بعقله وفكره، هو محتمل للخطأ ، و يتعرض للنقص والتغير ،فهو مستمدمن العقل البشري.

3.يوضح الفقه المقارن ان الإنسان فى أمس حاجة إلى دراسة اللغة العربية والآدابها و علوم البلاغة واسرارها، فان الكتاب والسنة هما باللغة العربية، واذا لم يفهم احد اللغة العربية فكيف يفهم الشريعة حق الفهم؟ وكذلك يثبت بالفقه المقارن ان الطالب لا بدله من معرفة الناسخ والمنسوخ، وعلم مصطلح الحديث، وعلم أصول الفقه والمعرفة بآيات الأحكام وأحاديث الأحكام .

4.الفقه المقارن معرفته يشجع الباحث على البحث العلمي والجتهاد، وبه يستطيع ان يقدم الحلول للمسائل الحديثة ،ويعرف الحكم الشرعي فى المستجدات من القضايا ويحصل له المعرفة الواسعة للمذاهب المختلفة وطرق استنباطها.

طريقة البحث فى الفقة المقارن:

ان العلماء الذين الفوا الكتب فى الفقه المقارن اتخذوا منهجًا معينًا ، واختاروا طريقا محددا فى بيان المسائل الخلافية ؛ حتى يعرف القارى المسائل والأدلة ووجوه الخلاف ويتمكن من فهم الأدلة ومناطات الحكم ومواضع اختلاف الآراء.

١ . تصوير المسئلة : يصور مؤلفوا كتب الفقه المقارن المسئلة وحكمه بأن حكم هذه المسألة فرض عند امام، وسنة موكدة عند إمام آخر، ومندوب عند ثالث وما إلى ذلک.

٢ . تحديد محل الخلاف . ثم يذكروا الخلاف الواقع فى مسئلةمّا.

٣. بيان منشاء الخلاف .

۴. بيان آراء العلماء وادلتهم فى المسألة.

۵. ثم المناقشة والترجيح.

اخيرا اذكر أسماء بعض المؤلفات المشهورة فى الفقه المقارن.

المؤلفات المشهورة فى الفقه المقارن.

اهتم العلماء بالفقه المقارن إهتمامًا بالغًا، واعتنوا اعتناء حافلا فدرسوا الفقه الاسلامي والمذاهب المختلفة ،فظهرت انتاجاتهم ومصنفاتهم فى هذا العلم ' هناک بعض المؤلفات التى كتبت فى هذا العلم مع تأييد لمذهب المؤلف وتضعيف آراء المذاهب الأخرى.

الكتب التى ايَّدَت المذهب المعين :

المعونة فى الجدل لابى اسحاق الشيرازى(۳۹۴ . ۴۷۶ھ)

الاِشراف على نكت مسائل الخلاف ،للشيخ القاضى عبدالوهاب المالكى(۴۳۲ھ)

طريقة الخلاف فى الفقه بين الا ئمة الاسلاف، للشيخ العلامة محمد بن عبد الحميد الأسمندى(۴۸۸ . ۵۵۲ھ)

الحاوى الكبير، لابى الحسن على بن محمدبن حبيب الماورى(۳۶۳ . ۴۵۰ھ)

والمحلى للشيخ ابى محمدعلى بن احمد بن حزم(۳۸۴ . ۴۵۶ھ)

الخلاف الكبير، للشيخ ابى الخطاب محفوظ بن احمد الكواذانى (۵۱۰ھ)

بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، للشيخ علاء الدين ابى بكربن مسعود الكاسانى الحنفى(۵۸۷ھ)

الكتب التى الفت فى الفقه المقارن بدون ترجيح ایّ مذهب:

كتاب اختلاف العلماء للشيخ ابى عبدالله

محمد بن نصرالمروزی(۲۰۲۔۲۹۴ھ)

اختلاف الفقہاء للشیخ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری(۲۲۴۔۳۱۰ھ)

الاشراف علی مذاھب العلماء للشیخ ابی بکر محمدبن ابراھیم المنذر(۲۴۲۔۳۱۸ھ)

حلیة العلماء للشیخ ابی بکرمحمدبن احمد الشاشی القفال(۴۲۹۔۵۰۷ھ)

الاِفصاح عن معانی الصحاح للشیخ عون الدین ابی المظفر یحیی بن محمد بن ھبیرة الحنبلی(۴۹۹۔۵۶۰ھ)

بدایة المجتہد ونہایة المقتصد للشیخ ابی الولید محمدبن احمد المعروف بابن رشد المالکی(۵۲۰۔۵۹۵ھ)

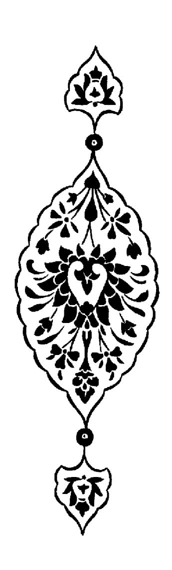
المصادر والمراجع

(1)لسان العرب ،ابن منظور الافریقی

(2)التوضیح والتلویح للعلامة عبید الله بن مسعود بن تاج الشریعة البخاری الحنفی رحمہ اللہ تعالی. ج:1ص:19

(3)بحوث فی الفقہ المقارن،الدکتور محمودابولیل والدکتور ماجد ابو رخیة ،ص: ۱۳

(4)حجة اللہ البالغة لمسند الھند شاہ ولي الله،ج:1،ص:243



"مقاصد الإسلام"

مشعل الحياة وموسوعة العرفان

الحافظ سيد محمد بهاء الدين زبير، طالب التخصص فى الفقه بالجامعة النظامية

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين أمابعد .

إن الله جلّ وعلا خلق فى الأمّة علماء أجلة فى كل عصر بذلوا قصارى مجهوداتهم فى تطوير الأمة المسلمة ، وركّزوا عنايتهم نحو تربية الأجيال القادمة ،وكرّسوا أنفسهم لإرشاد الأمة الاسلامية إلى منهاج الله ورسوله، وهذه المسؤولية العظمى أتت على عواتقهم،وهى حملتهم على دؤوب العمل وبذل جهود مضنية فى تأدية واجبهم تجاه الإصلاح والإرشاد ، فالّفوا الكتب وصنّفوا الرسائل و عالجوا القضايا الرّاهِنة ،والمشاكل التى تواجِهها الأمّة الإسلامية فى معتقداتهم وأفكارهم ، ودحضوا الشكوك

فمن كتب شيخ الإسلام الإمام الحافظ محمد أنوار الله الفاروقى رحمه الله التى نالت قبولا واسعا بين الأوساط المثقفة ، كتابه مقاصد الاسلام، مكوّن من احد عشر جزءا ،هو كتاب عظيم المنافع و جليل المقاصد يحتوى على موضوعات شتى من التفسير والحديث والسيرة وأسرار الشريعة وتاريخ الإسلام وقصص القرآن وتراجم الصحابة وسير العلماء ومناهج الشريعة وطرق الاستدلال بالأدلة الشرعية ، وما إلى ذلك من العلوم المختلفة والمباحث المتعددة والمعارف النيرة القيمة التى لابد للباحث الاسلامى من التعرف عليها والعمل بها.

وأزالوا الشبهات التى وجّهها الغرب نحو الإسلام .

وأثار العلماء الغربيون التساؤلات المضادّة للإسلام والشريعة الغرّاء البيضاء ، فحمل العلماء المسلمون المسؤولية على محمل الجد، وردوا هم بكتبهم ومؤلّفاتهم إجابات مقْنِعةً.

فمن هذه الثلة المباركة وا لكوُكبة النيّرة يعد شيخ الإسلام الإمام الحافظ محمد أنوار الله الفاروقى مسس الجامعة النظامية المتوفى 1336هـ ،وهويعتبرفى طليعة أولئک العلماء الأعلام من القرن الرابع عشر الهجرى الذين قضوا احياتهم الكاملة فى ابتغاء مرضات الله، وإنه خلّف ورائه تراثا علميا أثرى المكتبة الإسلامية ،ولعب دورا بارزا فى توعية الأمة المسلمة ،وإيقاظ همم الأمة الهندية الخامدة ، وإنه أدلى دلوه فى شتى الفنون والعناوين المختلفة فى مؤلفاتة العديدة .

فمن كتبه التى نالت قبولا واسعا بين الأوساط المثقفة ، كتابه مقاصد الاسلام، مكوّن من احد عشر جزءا ،هو كتاب عظيم المنافع و جليل المقاصد يحتوى على موضوعات شتى من التفسير والحديث والسيرة وأسرار الشريعة وتاريخ الإسلام وقصص القرآن وتراجم الصحابة وسير العلماء ومناهج الشريعة وطرق الاستدلال بالأدلة الشرعية ، وما إلى ذلک من العلوم المختلفة والمباحث المتعددة والمعارف النيرة القيمة التى لابد للباحث الاسلامى من التعرف عليها والعمل بها.

نظرا إلى أهميته ولكونه عظيم المعانى، يقترح الكاتب لكل من عالم ومفكر ومبلغ وطالب من طلاب الدراسات الإسلامية أن يطالع هذا الكتاب ليحظى بحظ وافر ونصيب واف منها،و كذلک ينبغى لعامة المسلمين ان يتعرفو عليها ويدرسوها دراسة شاملة .

فانا أسجل فى السطور الآتية خصائص الكتاب وما حواه من المباحث المهمة،والقضايا العلمية.

الجزء الأول :ففى الجزء الاول كتب مقالة مبسوطة عن الايمان والتمدن وارتباط أحدهما بالاخر، وتطرّق إلى حقيقة الانسان وخصائصه التى تميزه عن سائر الحيوانات الحية على وجه الارض، وصرّح بأن الانسان مدنىّ الطبع من حيث أنه لا يستطيع ان يعيش منعزلاعن الأهل والمجتمع ، وذكر مفصلا عن صفات الطبائع المختلفة للبشر وأثرها على البيئة والأفراد، واحتياج الطبائع إلى التربية السليمة وحاجتهم إلى الأنبياء

والمرسلين،وأثبت من ناحية العقل أن البشر بحاجة ماسة إلى الرسل الكرام ،وذكرفي هذا الصدد اقْوال حكماء الحيوانات و علماء الفلسفة؛ وفي جانب آخر اكّد كلامه بالأدلة الشرعية من القرآن والسنة.

الجزء الثاني وفي الجزء الثاني بيّن شيخ الإسلام عليه الرحمة نعمة العقل و فضيلتها وخطورتها في البشر ،وإنها تفرق بين الجيد والردیء والجميل والقبيح والنافع والضار؛ وبهابلغ الانسان ذروة الكمال، وارتفع إلى أسمى مراتب العز والطهر، وبها انكشفت له الأمور على حقيقتها وظهر له المعارف الجديدة والحقائق الحديثة .

ثم ذكر أن العقل وحده بعيدا عن كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم لايستطيع إنارة الطرق و كشف الحقائق؛ بل يحتاج المرء الى تعاليم الانبياء والمرسلين في الأمور السماوية والشؤون الاخروية، وقد وجّه الله تعالى في القران في عدة مواضع الى التفكر والتدبر والتفقه والتبصر؛ فكل هذه المعاني تحتاج إلى العقل، فالعقل نعمة جلية ومنحة كبرى موهوبة للإنسان من الله عز وجل .

وذكر المباحث العميقة مستدلّا من الآيات القرانية وأقوال العلماء والحكماء والفلاسفة حتى يفهم كل من صغير وكبير حقيقة الشريعة والدين-.

وفي الجزء الثالث ذكر عن الإنسان وأوصافه ومزاياه وصفات الرب و معرفته ،وهدف خلق الإنسان و أحوال الروح ومراحلها و كيفية إخراج ذرية آدم عليه السلام والمباحث المتعلقة بالقدر وثبوت القدر من المسمريزم

و استفاض الشيخ في البحث والكلام على القدر وردّ آراء الملاحدة ، وكشف القناع عن أغلاطهم وأخطائهم ثم دحض الشک الشائع في الغرب أنه ليس هناک إله إلا القوة واستدل خلالها من العلم الحديث واقوال العلماء الغرب انفسهم.

وفي الجزء الرابع ذكر فضل العلماء واحتياج الأمة إليهم في المسائل المهمة وفضل الزكاة وحقيقتها ، وفضل الحج وأسبابه والمنافع الدينية والدنيوية وحقيقة الوحي ومباحث ذكر الرسول صلى الله عليه وسلم في الصلاة ،و وضّح الفروق بين الشرک في العبادة والشرک في العمل وذكر عظمة النبي الكريم صلى الله عليه وسلم على الخلق ثم فسر آية (بسم الله الرحمن الرحيم) وبركتها وفوائدها •

وفي الجزء الخامس تحدث عن التصوف في ضوء المنظور الإسلامي ، وذكرمفصلا عن كلمة "الصوفي "لفظا واصطلاحا وخصائص الصوفياء ومراتبهم وجهدهم في الطريق إلى الله جل وعلا ،وذكر عن أحوال الجنة وأحوال النار مستفيضا ،وقدم مبحثا عقليًّا عن الجنة والنار ثم أتى بذكر الإيمان على الأمور الأخروية عقلا وشرح بعض الأحاديث النبوية واستخرج منها المعاني النفيسة والمطالب العالية ثم بيّن عن فقر النبي صلى الله عليه وسلم وأسبابه وإنه كان اختياريًّا ليس اضطراريًّا.

وذكر المباحث المختلفة عن مأساة كربلاء ،و مكانة الامام حسين رضى الله عنه بين الصحابة في ضوء القرآن والأحاديث النبوية، وخلافة الصحابة الكرام رضى الله عنهم و أسباب غزوة الجمل وقدم وجهات النظر السليمة النابعة من القرآن الكريم حول الوقائع التاريخية والحوادث المهمة الكبرى في تاريخ الإسلام والمسلمين .

وفي الجزء السادس ناقش الحوادث العظيمة و القضايا التاريخية المهمة التي حدثت خلال خلافة عثمان رضى الله عنه ،و ثم تحدث عن فتنه رئيس الفتنة عبد الله بن سبا ودسائسه ومكره وذكر عن استشهاد سيدنا عثمان رضى الله عنه و فضائله ومناقبه المذكورة في كتب الصحاح ، وإنه أنفق ماله في سبيل الإسلام وبذل الغالي والنفيس لخدمة الاسلام والمسلمين وتحدث عن أحوال ابن سبا، والفرق الضالة التي تسببت لمقتل عثمان رضى الله عنه ورد الشبهات الخطيرة التي أثارها الشيعة في كتبهم المختلفة مستدلا بكتبهم ومؤلفاتهم وهكذا عالج الموضوعات المختلفة والقضايا المتعددة التي تشير الشكوك في تاريخ الاسلام وقدم لها الحلول الناجحة والإجابات الشاملة المستفيضة.

هكذا اذا طالعنا الأجزاء الكاملة لهذا الكتاب يتجلى لنا أن شيخ الاسلام تطرّق الى موضوعات مهمة تحتاج الأمة الى إيضاحها وشرحها.

فكماتحدث في المباحث العديددةمن ناحية العقل والفلسفة كذلک تكلم فيها من ناحية الدين والشريعة وذكر في المباحث العقلية آراء حكماء اليونان والفلاسفة ثم ردها ردا بليغا مستدلا بالأدلة التي أثبتها العلماء انفسهم وتأكدت لديهم.

وبعد الدراسة الشاملة لهذا الكتاب يتضح لنا أن شيخ الإسلام يحمل في صدره همّ الاسلام والمسلمين؛ ويرشد الأمة الإسلامية في قضايا

عديدة وموضوعات شتى ، وربّى جيل الشباب تربية إسلامية، وعلّمهم الآداب الإسلامية، وقدّم الأدلة العقلية والعلمية فى دحض الشكوك و تفنيد الشبهات التى ما زال الغرب يشيرها ،وذكر الآراء الصحيحة فى أخطاء المستشرقين ونصحهم بأن يعودوا الى الفهم الصحيح والمنهج المستقيم فى القضايا الدينية، والمباحث الإسلامية .

والآن نتناول الجزء السابع وهو مكون من 184صفحة ،وهو يحتوى على مباحث ذات أهمية قصوى ،ويجدر بالذكر أن شيخ الإسلام كان يكتب على قضايا ساخنة فى عصره ،ويرشد الأمة إلى قصد السبيل ، ومحتويات هذا الجزء كما يلى

.1مباحث طويلة حول الطبائع واختلافها ،وأقوال الحكماء فيها ،وأسباب إصابة الجسد بالأمراض.وتحدّث عن االعجائب البدنية

.2مقالة مبسوطة عن حاجة البدن الإنسانى إلى اللحم، ومصادر الغذاء الانسانى من النباتات واللحم .

.3جواب من اعترض على جواز اللحم فى الإسلام ،واعتبره مضادة للطبائع الإنسانية،وبيان الدلائل العلمية المؤيدة لوجهة الإسلام

.4مباحث علمية حول حقيقة الماء و قطراته ،وعدد الحيوانات التى توجد فيها.

.5بحث نفيس محتو على الجهاز الإنسانى الداخلى ، والجهاز العضلى والمناعى والهضمى والتنفسى، و وظائف الأعضاء الداخلية من المعد والرئتان والكبدة و الأمعاء والقلب فى حماية البدن الإنسانى وتنميته .

.6 صفحات قيمة عن التصوف ومراحله ،وإرشاد السالكين والعارفين وتوجيهات قيمة لهم .

الجزء الثامن :وهو متكون من 264صفحة ،و يشمل أربع مباحث رئيسية ،المبحث الأول يتناول تفسيرسورة الناس ،فسرها شيخ الإسلام تفسيرا صوفيا وهو نوع من تفسير القرآن الكريم ينتمى إلى نمط معين من الفهم ،وهو فهم المعانى التى قد لاتظهر لأول وهلة ،وإنما تحتاج لتدبروتأمل ،وهذه المعانى تكون من إشارات الآيات وتظهر لأرباب السلوك وأولى العلم.

فسرها شيخ الإسلام واستخرج من القواعد العربية النكات والتوجيهات القيمة التى تنفع السالكين .ومن أمثال ذلك أنه ذكرخلال تفسير كلمة "قل "نكتة عظيمة وهى أن تلك الكلمة تبدو للناس أنها ذات الحرفين ظاهرة ولكنها فى الحقيقة ذات ثلاثة حروف وهى "ق و ل "لأن

حرف "الواو"مقدرفيها .الفعل الماضى والمضارع والأمرتكونت من المصدر "قول"وهو من حيث أن الفعل المضارع يؤخذ من الفعل الماضى بزيادةحرف فى أوله من أحرف المضارع ،والفعل الأمر يتكون من المضارع ،يحذف حرف من أحرف المضارع ثم يجزم الآخر ويحذف إن كان فى آخره حرف من الحروف وهذه الحذف والزيادة تفيدنا بأن التطور من مرتبة إلى مرتبة أخرى والحصول على الازدهاروالنمو يحتاج إلى قبول شىء وترک شىء آخر، وهكذا العلم والمعرفة يتطلب شيئا وهو ترک لواز الجهل والتحلى بالوقار و الاجتناب عن المعصية والمبحث الثانى يحوى قضية وحدة الوجود والمبحث الثالث يشتمل على مسألة خلق القرآن .

وإليک هذا الجزء التاسع وهو يفوح بروائحه العطرة الرائعة ،لأنه يشمل الأحاديث النبوية الصحيحة التى تدل على معجزات الرسول صلى الله عليه وسلم وجواز التبرک بآثاره .وآنذاک فى عصره كانت شرذمة قليلة تنكر معجزات النبى صلى الله عليه وسلم،ويقومون بإساء ة فى شأنه ،ومن أجل ذلک كتب شيخ الإسلام رحمه الله هذا الجزء وجمع فيها مجموعة كبيرة ومتنوعة من الأحاديث الصحيحة التى تؤيد معجزات الرسول صلى الله عليه وسلم

بعض اهم محتويات الكتاب كما يلى

تأثير يده المباركة

صار غصن النخل سيفا

لماذا تأخر انتشار الإسلام رغم القدرة على نشره

-ابيض وجهه من أجل المسح على وجهه بيده المباركة.

-الغرب وافق على قصص الجنون ومدى تأثيره.

-زال الجوع بوضع يده المباركة.

-منهج الإرشاد والنصح

-أسباب اختلاف القراء ات العشر والسبع

-إن الله أعطى له مفاتيح فارس.

ذكرشيخ الأسلام كثيرا من الآيات القرآنية، والأحاديث النبوية، ونقل أقوالا عن الأئمة الأعلام من أئمة أهل السنة والجماعة، يتأكد لنا بها جواز التبرک بآثار النبى صلى الله عليه وسلم وآل بيته، ولا فرق فى ذلک بين حياته وانتقاله لربه، وكذلک جواز التبرک بآثار الصالحين لا فرق فى ذلک بين حياتهم ومماتهم

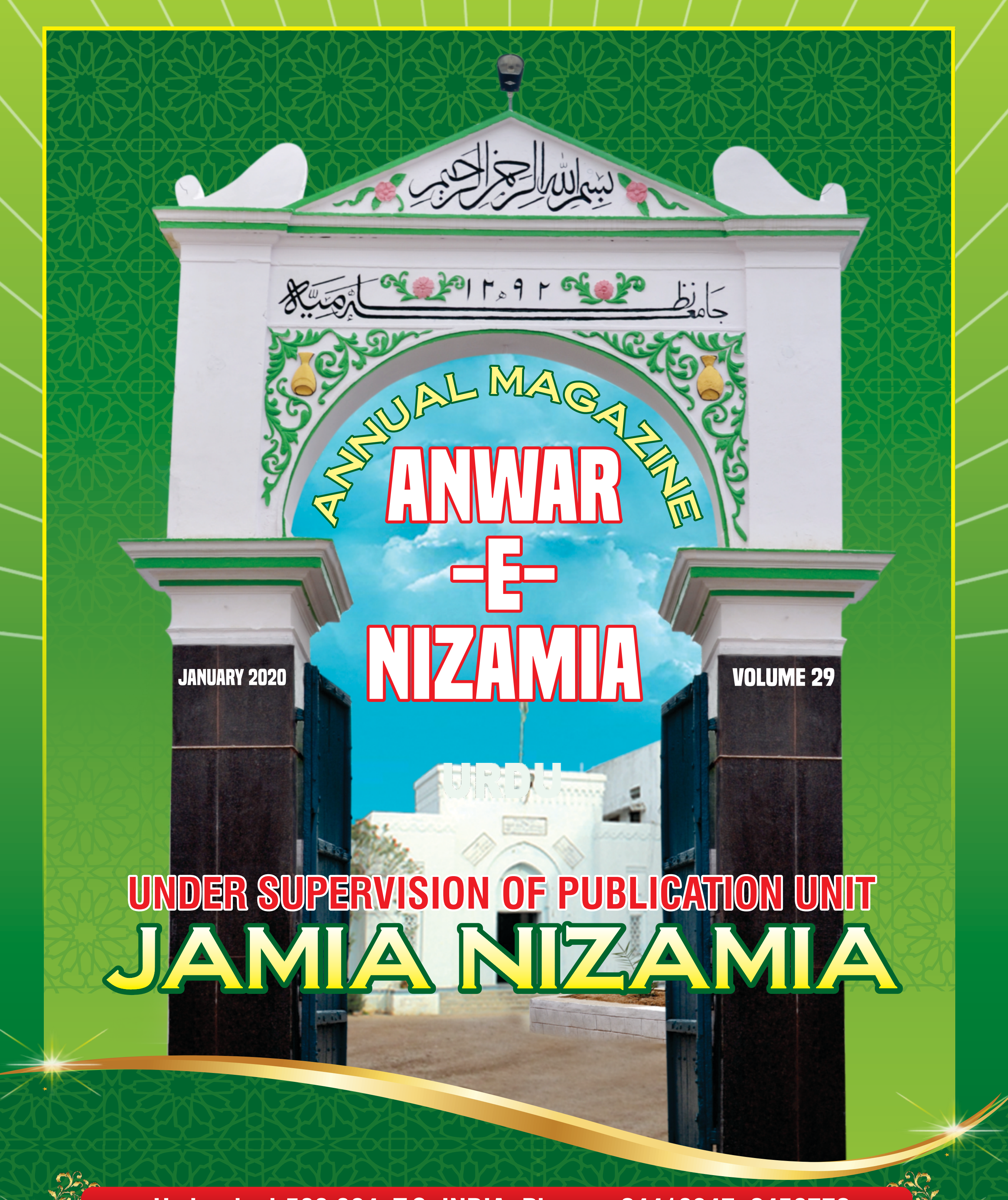
ويستحب للمؤمن أن يلتمس بركة هذه الجهات التى ثبتت بركتها من عند الله سبحانه

وتعالى، فيستحب للمؤمن التبرک بالنبى صلى الله عليه وسلم وآثاره، وقد ثبت ذلک التبرک من صحابة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بحضرته الشريفة، ولم ينكر عليهم بل ورد عنه صلى الله عليه وسلم إجابته بالتبريک لهم وعليهم.

الجزء العاشر :كتب فيه الشيخ قصة غزوة سيدنا أسامة رضى الله تعالى عنه و كيف كان الصحاب يمتثلون بأمر النبى صلى الله عليه وسلم ،و ذكر عدل أبى بكر وذكر فيه مداومة الخليفة الثانى سيدنا أبى بكر رضى الله عنه على أوامر النبى صلى الله عليه وسلم،وذكر الشيخ من أهم جوانب حياة أبى بكر،ثم تناول حياة الخليفة الراشد الثانى سيدنا عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه .وسلط الضوء على معنى المراقبة وبيعة المشائخ و معنى قوله جل وعلا "وما رميت اذ رميت "، وقدم بحثا نفيسا حول النداء بقول يا محمد صلى الله عليه وسلم ، وذكر فيه عن تمنى الشهادة وإلى غير ذلک من المباحث اللطيفة وفيه سيرة للخلفاء الراشدين الأربعة و كبار أصحاب النبى وفضائلهم .

الجزء الحادى عشر :وهذا آخر جزء من سلسلة ذهبية لكتاب مقاصد الإسلام ،و ذكر فيه شيخ الإسلام عن ضرورة اتباع الصحابة وامتثالهم وفضائل النبى الكريم صلى الله عليه و سلم و الرد على عقائد الوهابية ، وبحث فيه عن الفنون والعلوم الأخرى وعن حكمها فى الإسلام حول العلوم الشائعة من علم القيافة والعرافة والرمل والنجوم إلى غير ذلک من الفنون، وأتى فيه ببحث جميل عن مولد النبى صلى الله عليه وسلم وحكمته .وكتب عن الوقائع والإرهاصات التى برز ت حين ولادة النبى صلى الله عليه وسلم

وخلاصة الكلام وجملة المرام أن الكتاب مقاصد الاسلام فى الحقيقة موسوعة علمية ،تتلألأ فيها تجليات ربانية ،وتشرق فيها أنوار نبوية ،وتلمع فيها أشعة قادرية،وهى حافلة بالمقالات و البحوث العلمية، كتب فيها شيخ الإسلام المباحث هى خلاصة الأحاديث والقرآن ،وهما تظهران فى الكتاب مثل اللؤلؤ والمرجان، والحق أنهما فى الأصل النور والبرهان ،وإن مقاصد الإسلام ينادى الأمة إلى الحق ليلا ونهارا كا لأذان،ويرشدها نحو الفلاح والجِنان ويمنعها من الكفر والطغيان...



Hyderabad-500 064, T.S. INDIA. Phones: 24416847, 2456772
www.jamianizamia,org E-mail:fatwa@jamianizamia.org fatwajamianizamia@yahoo.com

Printed at: Abul Wafa Al-Afghani Offset Printing Press JAMIA NIZAMIA, Hyd - Ph: 24416847